تذکرہ
اولیاء سادات
جمع و ترتیب
پیرجی سید مشتاق علی کرنالوی

نام کتاب .... تذکرہ اولیاءِ سادات
مرتب .... سید مشتاق علی کرنالوی
کمپوزنگ .... محمد نوید ساجد
صفحات 472
تاریخ طبع اوّل .... مارچ 2014
تعداد .... ایک سو/100
قیمت ....
ناشر .... پیرجی عبدالمتین مدیر پیرجی کتب خانہ گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

۱) پیرجی کتب خانہ 8 گوبند گڑھ گوجرانوالہ،فون 055-4445401
۲) کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔
فون 051-5507270
۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ 17 اردو بازار لاہور۔
فون 042-7232536
۴) ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان۔فون 061-4540513
۵) مکتبہ عارفی جامعہ امدادیہ اسلامیہ گلشن امداد ستیانہ روڈ فیصل آباد۔

فہرست مضامین

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے پیر و مرشد سید انور حسین شاہ نفیس رحمۃ اللہ علیہ کے نام کرتا ہوں جن کی ساری زندگی قال اللہ وقال الرسول کی اشاعت اور خاندانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں گزری۔

محتاجِ دعا

سید مشتاق علی

خاکپائے سلسلہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ۔

چند اصطلاحات

قریشی :

فہر بن مالک کی نسل کو قریشی کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم یہ سب قریشی تھے۔

ہاشمی :

ہاشم بن عبد مناف کی نسل کو ہاشمی کہتے ہیں۔ دنیا میں ہاشم کی نسل صرف پانچ اشخاص سے جاری ہے۔ وہ پانچ اشخاص یہ ہیں..........

(۱)..... نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد۔

(۲)..... نبی کریم ﷺ کے چچا حارث کے بیٹوں کی اولاد۔

(۳)..... نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب۔

(۴)..... نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

(۵)..... نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب۔

یہ پانچ خاندان بنو ہاشم کہلاتے ہیں۔ ان کے فضائل احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور فقہ کی کتابوں میں مسائل زکوٰۃ میں ان کا ذکر موجود ہے کیونکہ ان پر اور ان کی نسل پر صدقہ وزکوٰۃ حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ بھی ہاشمی ہیں اور آپ کی نسل پاک حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے جاری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی بھی ہیں اور داماد بھی۔ اس وجہ سے آپ کی نسل پاک جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جاری ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی اولاد میں آجاتی ہے۔ یعنی سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما۔ اس حیثیت سے یہ

دونوں ہاشمی ہیں۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی علوی ہاشمی ہیں۔ کیونکہ آپ محمد بن حنفیہ کی نسل سے ہیں۔

سید :

یہ لفظ آنحضرت ﷺ کی نسل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی نسل دنیا میں صرف فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے جاری ہے۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نسل آپ کے دو فرزندوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما سے جاری و ساری ہے۔ اس لئے ان دونوں ہی کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے۔ اور کسی کو نہیں اگر کسی اور پر سید کا اطلاق کسی نے کیا ہے تو وہ لغوی اعتبار سے کسی وقت کیا جاتا تھا۔

بنو فاطمہ :

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کو بنو فاطمہ بھی کہتے ہیں۔

فاطمی سید :

فاطمی سید بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کہلاتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری ازواج سے جو اولاد ہے ان سے اپنا امتیاز برقرار رکھنے کے لئے۔ کیونکہ بعض خاندان فاطمی سیدوں کی ضد میں اپنے آپ کو سید کہلواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فاطمی سید ہیں اور ہم غیر فاطمی جبکہ فاطمی سید اور غیر فاطمی سید کی اصطلاح درست نہیں۔

آلِ رسول ﷺ :

آلِ رسول ﷺ کے بھی کئی معانی ہیں۔ مگر امت کی اکثریت نے جن لوگوں پر اس لفظ کا اطلاق فرمایا ہے وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن اور حسین ہیں، رضی اللہ عنہم۔ بعض علماء نے تمام ازواج مطہرات اور بنو ہاشم کو بھی شامل کیا ہے۔

آلِ عباس رضی اللہ عنہ :

نبی کریم ﷺ کے چچا کی نسل کو آلِ عباس کہا جاتا ہے تاریخ میں خلفائے بنو

عباس جو آتے ہیں وہ تمام آپ ہی کی نسل سے ہیں۔

عباسی :

پاکستان میں اور خاص کر مری کے علاقہ میں بہت سے خاندان عباسی کہلاتے ہیں۔ وہ سب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ہیں۔ یعنی آلِ عباس میں شامل ہیں۔ ہمارے گوجرانوالہ کی مشہور روحانی گدی جو سلسلہ قادریہ عالیہ سے منسوب ہے۔ غوث العصر حضرت مولانا محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی آلِ عباس میں سے ہیں یعنی عباسی، ہاشمی ہیں۔

آلِ حارث :

حارث بن عبد المطلب کی نسل کو آلِ حارث کہا جاتا ہے۔ اور ان کی نسل کے لوگ اپنے کو حارثی یا ہاشمی کہلاتے ہیں۔

آلِ جعفر :

آلِ جعفر رضی اللہ عنہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کی نسل کو کہا جاتا ہے۔ ان کی نسل کے بعض افراد اپنے آپ کو جعفری لکھتے ہیں۔

آلِ عقیل :

آلِ عقیل، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی نسل کو کہتے ہیں، نسب کی بعض کتابوں میں عقیلی لکھا ہوا موجود ہے۔

آلِ علی رضی اللہ عنہ :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی تمام اولاد آلِ علی میں شامل ہے۔

حسنی سید :

حضرت حسن بن علی کی اولاد کو حسنی سید کہتے ہیں۔

حسینی سید :

حضرت حسین بن علی کی اولاد کو حسینی سید کہتے ہیں۔

ہاشمی، قریشی :

حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ جو عباس علمدار کے نام سے مشہور ہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے ان کی اولاد ہاشمی قریشی کہلاتی ہے۔ بعض لوگ قریشی ہاشمی لکھتے ہیں۔ بعض علوی ہاشمی کہلاتے ہیں۔

علوی :

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل کو علوی کہتے ہیں۔ مگر پاک وہند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔

۱)...... محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ۔ اور ۲)...... عمر بن علی رضی اللہ عنہ۔

صدیقی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور خلیفہ اول ، امیر المومنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل کے لوگوں کو صدیقی کہا جاتا ہے۔ بعض خاندان صدیقی قریشی بھی کہلاتے ہیں۔ ہمارے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند صدیقی خاندان سے ہیں۔

فاروقی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور خلیفہ دوم، امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نسل کے لوگوں کو فاروقی کہا جاتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فاروقی ہیں۔

عثمانی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد، خلیفہ سوم امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان، ذوالنورین کی نسل کے لوگوں کو عثمانی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں سے آپ کا نکاح ہوا۔ پہلا رقیہ سے ان کی وفات کے بعد ام کلثوم سے۔ ہمارے

بزرگوں میں سے مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثانی، مفتی محمد شفیع عثانی، مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ ، مفتی تقی عثانی حفظہ اللہ ، شیخ الہند مولانا محمود حسن، قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری، اور چشتی صابری سلسلہ کے جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی یہ سب عثانی ہیں۔

الشیخ انصاری :

پہلے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نسل کو انصاری کہا جاتا تھا۔ اب ہر جولاہا چاہے وہ کسی بھی قوم کا ہو وہ انصاری کہلانے لگ گیا ہے۔ جو غلط ہے۔ اور گناہ کا کام ہے۔ جو شخص حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہو اسی کو انصاری کہلانا چاہیے۔ نسب بدلنا بہت بڑا گناہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

ان میں سے بعض خاندان ایوبی اور خالدی بھی کہلاتے ہیں۔ ایوبی تو حضرت ابو ایوب نام کی وجہ سے اور خالد آپ کا اصل نام ہے اس وجہ سے خالدی کہلاتے ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ خواجہ عبداللہ ہراتی مصنف صد میدان، امام ناصر الدین جالندھری، امام برخوردار پسرور، امام اعظم سیالکوٹ مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، عبداللہ انصاری تبلیغی جماعت کے مشہور مبلغ علامہ احمد بہاولپوری اسی خاندان سے ہیں۔

زینبی سید :

امام زین العابدین کی نسل کے بعض خاندان زینبی کہلاتے ہیں، اور بعض لوگ حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کی نسل میں سے بھی ایسے تھے جو زینبی کہلاتے رہے، مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ نسل ختم ہوگئی۔

زیدی سید :

امام زین العابدین کے بیٹے زید شہید کی نسل کے لوگوں کو زیدی کہتے ہیں۔ شیخ کمال الدین ترمذی کیتھلی ضلع کرنال۔ خواجہ گیسودراز گلبرگہ اور ہمارے پیر و مرشد سید انور حسین شاہ نفیس زیدی لاہور والے ان ہی کی نسل سے تھے۔

باقری سید :

امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین کی نسل کے لوگوں کو باقری کہتے ہیں۔

جعفری سید :

امام جعفر صادق کی نسل کے لوگ جعفری کہلاتے ہیں۔ صابری سلسلہ کے بانی سید علی احمد صابر کلیر شریف والے مشہور صابر پیا ان کی نسل سے ہیں۔

کاظمی سید :

امام موسیٰ کاظم بن امام باقر کی نسل کے لوگوں کو کاظمی کہتے ہیں۔ موضع پنوڑی ضلع کرنال برست فرید پور ضلع کرنال کے لوگ ان کی نسل سے ہیں۔ ''مسلمانوں کا روشن مستقبل'' کے مصنف طفیل، امام موسیٰ کاظم کی نسل سے ہیں۔

رضوی سید :

امام علی رضا (مشہد شریف والے) بن موسیٰ کاظم کی اولاد کو رضوی کہتے ہیں۔ امام تقی بن امام علی رضا کی نسل بھی رضوی کہلاتی ہے، تقوی نہیں کہلاتی۔ یعنی دادا کی طرف نسبت کرتی ہے۔ امام تقی کے خاندان کے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو تقوی کہلاتے ہیں ورنہ سب کے سب رضوی کہلاتے ہیں۔ پھر امام تقی کے بیٹے موسیٰ مبرقع کی تمام نسل رضوی کہلاتی ہے اور امام علی نقی بن امام تقی کے بیٹے جعفر ثانی کی نسل کے بعض خاندان رضوی، بعض نقوی کہلاتے ہیں۔ پیر جی سید مشتاق علی کرنالی، پیر جی اشتیاق علی کرنالی، پیر جی سید عثمان علی کرنالی، پیر جی سید شبیر حسین، پیر جی سید یعقوب علی کرنالی، سید نذیر احمد شاہ کرنالی، مولانا سید احمد حسن امروہی، مولانا سید حامد میاں لاہور، یہ سب رضوی

ہیں۔

نقوی سید :

امام علی نقی کی اولاد کو نقوی سید کہتے ہیں آپ کے پانچ بیٹے ہیں۔

(۱) عبداللہ۔ (۲) محمد۔ (۳) حسن۔ (۴) حسین۔ (۵) جعفر۔

عبداللہ کی نسل سے خواجہ قطب الدین حق مودود چشتی، شاہ ابوالاعلیٰ مودودی داماد سکندر لودھی، جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی، اور بر اس شریف کے سیدان کی نسل میں سے ہیں۔

محمد کی نسل سے شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر کے نانا اور اسند کے سید ہیں
جعفر ثانی کی نسل سے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، جلال الدین سرخ لعل شاہ بخاری اوچ شریف، پیر جی ظہور احمد پٹواری، چشتی، نظامی کرنال والے ہیں۔ اور بخاری کہلوانے والے زیادہ تر سید آپ ہی کی نسل سے ہیں۔

نوٹ :

سادات کے بہت سے خاندان ایسے بھی ہیں جو مقام کے اعتبار سے شہرت رکھتے ہیں اور بعض وہ خاندان بھی ہیں جن میں دو دو تین تین نسبتیں جاری ہیں۔ اشخاص والی بھی، مقام والی بھی، جدید بھی اور قدیم بھی۔ اس لئے اب ہم کچھ مقام کے اعتبار سے بھی ذکر کرتے ہیں۔

بخاری سید :

بخارا ازبکستان کا ایک شہر ہے۔ اس شہر میں سادات کی مختلف نسلیں آباد تھیں، سادات کے جو خاندان بھی اس میں آباد تھے وہ سب اپنے آپ کو بخاری سید کہلاتے ہیں۔ جو سید جلال الدین حیدر سرخ لعل شاہ بخاری اوچ شریف والوں کی نسل سے ہیں۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے۔ مگر تین بیٹوں کی اولاد ہندوستان میں پھیلی اور دو کی بخارا

میں۔ جن تین بیٹوں کی اولاد ہندوستان میں ہے ان کے نام یہ ہیں۔ سید احمد کبیر، سید بہاؤالدین، سید محمد غوث۔

گردیزی سید :

گردیز بھی ایک علاقہ ہے یہاں پر سادات کے جو خاندان آباد تھے وہ گردیزی کہلاتے ہیں۔

شیرازی سید :

شیراز بھی ایک علاقے کا نام ہے یہاں پر سادات کے جو خاندان آباد تھے وہ شیرازی سید کہلاتے ہیں۔

ہمدانی سید :

ہمدان بھی ایک علاقہ ہے یہاں پر سادات کے جو خاندان آباد تھے وہ ہمدانی سید کہلاتے ہیں، بوعلی شاہ قلندر کرنال والے کے نانا ہمدان کے تھے۔ اسی طرح دوسرے علاقوں کے سادات اپنے اپنے علاقوں کی طرف نسبت کرتے ہیں ہم نے مشہور مشہور سادات کے خاندانوں کا ذکر کردیا ہے، باقی تفصیلات بڑی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وِیَاسَیِّدَالْبَشَرِ مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرِ
لَا یُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّه بَعدَ اَزْ خُدا بُزُرگ تُوئیِ قِصَّه مُخْتَصَرْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْدُ !

ناظرین کرام دنیا کے تمام مذاہب وادیان میں جس طرح مذہب اسلام اپنی صداقت وحقانیت اور اپنی خوبیوں میں یکتا اور منفرد ہے اسی طرح اسلام کے اندر جتنے بھی فرقے وجود میں آئے ان میں فرقۂ اہلِ سنت والجماعت ہی اپنی حقانیت میں بے مثل ہے۔ اسلام کی حقیقی روح اہل سنت والجماعت ہی کا فرقہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں پر تقسیم ہوئی اور میری امت تہتر فرقوں پر تقسیم ہوگی، ان میں سے بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا یارسول اللہ وہ جنتی فرقہ کون سا ہوگا اس کی علامت کیا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ فرقہ وہی ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰) اہلِ سنت کا مطلب آنحضور ﷺ کے طریقہ پر چلنے والے اور والجماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے یعنی صحابہ کے طریقے پر چلنے والے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کی وجہ :

صحابۂ کرام کی اتنی اہمیت ظاہر فرمانے کی وجہ بالکل واضح ہے کہ ان حضرات کے سامنے قرآن کریم نازل ہوا نیز تمام حالات اور نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اور قرآن سیکھا۔ براہِ راست آپ کے ارشادات سنے۔ آپ کے دیدار پر انوار کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر پوری امت تک سرمایۂ رسالت کو نہایت دیانت داری اور سچائی کے ساتھ پہنچایا ظاہر ہے کہ یہ حضرات دین کے اہم باریک نکتوں اور حقائق کے راز دار اور ان سے پوری طرح واقف تھے اسی لئے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب بیان فرمائے اور ان کی اقتداء اور اتباع کی نہایت شدت کے ساتھ تاکید فرمائی چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَسُبُّوا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍذَهَباً مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِیْفَهٗ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۵۳)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کو برامت کہو اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی (راہِ خدا میں) سونا خرچ کردے تو صحابی کے ایک مُد یا آدھے مُد کو بھی نہیں پہنچے گا۔

پھر صحابہ کے اندر بھی خصوصیت کے ساتھ حضرات خلفاء راشدین کی اتباع کی تاکید فرمائی۔ ابن ماجہ شریف صفحہ ۵ میں ہے.........

بَابُ اِتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ قَالَ سَمِعْتُ الْعِرْبَاضَ سَارِیَةَیَقُوْلُ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ فَوَعَظَهَا مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللهِ وَعَظْتَ مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ اِلَیْنَا بِعَهْدٍ فَقَالَ عَلَیْکُمْ بِتَقْوَی اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبْشِیًّا وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِیْ اِخْتِلَافًا شَدِیْدًا فَعَلَیْکُمْ

بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ عَضُّوْ عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع کا باب :

ترجمہ :

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کھڑے ہو کر ہمارے سامنے نہایت فصیح بلیغ ایسی تقریر فرمائی کہ اس کو سن کر دل تھرا گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ پھر آپ کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو ایسی تقریر فرمائی کہ جیسے آخری ہو اس لئے ہم کو کچھ وصیت بھی فرمادیں تو آپ نے ارشاد فرمایا تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اپنے امام اور خلیفہ کی بات سنو اور اس کے حکم کی تعمیل کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ نیز میرے بعد عنقریب شدید اختلافات دیکھو گے اس لئے سنو میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرنا اور اس کو دانتوں کی کیلیوں کی طرح سے مضبوط پکڑنا لازم ہے۔

بہرحال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آنحضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بموقع بے شمار فضائل بیان فرمائے اور محدثین نے مناقب صحابہ پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں۔

صحابۂ کرام کے درمیان فضائل کی ترتیب :

اس کے بعد آپ نے ترتیب فضائل بھی قائم فرمائی کہ خلفاء اربعہ علیٰ ترتیب الخلافت افضل امت ہیں پھر بقیہ عشرہ مبشرہ پھر اصحاب بدر پھر سابقین اولین مہاجرین وانصار جن میں اہل عقبہ اصحاب حدیبیہ ہیں پھر فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے پھر فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے، پھر صحابہ کے بعد تابعین، تابعین کے بعد تبع تابعین ہیں باقی عورتوں کے اندر بہ نسبت مردو کے علمی عملی صلاحیتیں کم ہونے کی وجہ سے بہت کم باکمال ہوئی ہیں۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند عورتوں یعنی حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت مریم، حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن جو درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔ انہیں کے فضائل بیان فرمائے ہیں لیکن ان کے باہمی تفاضل کا جہاں

تک تعلق ہے تو حضرت شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ باوجود فاطمی ہونے کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو افضل النساء قرار دیتے ہیں۔ اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ باوجود فاروقی ہونے کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو زہد وتقویٰ وتقرب الی اللہ کے اندر اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فیضان علمی میں ترجیح کے قائل ہیں۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری صفحہ ۴۰۴ جز ۱۴ میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر اجماع امت بتایا ہے، لکھتے ہیں.........

وَ قَدْ قِيلَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰی اَفْضَلِيَّةِ فَاطِمَةَ وَبَقِيَ الْخِلَافُ بَيْنَ خَدِيْجَةَ وَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا یعنی کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے افضل النساء ہونے پر اجماع ہو چکا ہے لیکن بظاہر اس اجماع سے علماء امت کی اکثریت مراد ہے ورنہ اختلاف نہ ہوتا نیز مجدد صاحب اور غوث پاک کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علماء راسخین متقدمین کے سامنے نسلی تعصب قطعاً نہیں تھا ان کے سامنے صرف قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ وسلف صالحین تھے تاہم اس اختلافی صورت کے اندر تفاضل پر بحث ومباحثہ اور بے ضرورت اس کا بیان کرنا اس لئے مناسب نہیں کہ خدانخواستہ کہیں کسی کی شان میں کوئی اہانت آمیز کلمہ نہ نکل جائے پھر جن کی فضیلت بالکل قطعی ہے اس کے بیان میں بھی اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کسی دوسرے کی تنقیص نہ ہو۔ بہرحال یہ فضائل تو (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ) کے تحت دینی اعتبار سے تھے۔

خاندانی لحاظ سے فضیلت کی ترتیب :

باقی رہے خاندانی فضائل تو شریعت نے ان کو بھی بالکل واضح کر دیا ہے کہ نسبی لحاظ سے سب سے اشرف اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر بنو ہاشم پھر خاندان قریش کی بقیہ شاخیں پھر یہ تینوں باہمی تفاضل کے باوجود مناکحت کے اندر آپس میں ہم کفو ہیں۔

چونکہ اس وقت یہی خاندانی فضیلت زیرِ بحث اور مختلف فیہ ہے اس لئے اس کتاب میں انشاء اللہ مفصل اور مدلل طریقہ پر اس کو ثابت کیا جائے گا۔

مساوات کی بحث :

جہاں تک مساوات کے دعویٰ کا تعلق ہے تو بے شک مساوات صرف انسانیت کے اندر ہے اس کے بعد امتیازی اوصاف علم وفضل، زہد وتقویٰ، عبادات، اخلاقیات دیانت وامانت وغیرہ کے لحاظ سے انسانوں کے مابین کھلا ہوا تفاوت ہے اس تفاوت پر شرافت نسبی کے درجات کو بھی مرتب کیا گیا ہے۔ جس پر آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ شاہد ہیں۔ باقی اندھی مساوات جس نے حال ہی میں سوویت یونین کا بیڑا غرق کر دیا ہے یہ اب بالکل فرسودہ ہو چکی ہے۔ اس کو دنیا ٹھکرا چکی ہے۔ اس کو اجاگر کرنا عبث اور بے فائدہ ہے بہرحال خداوند قدوس نے عالم کی ہر چیز میں فرق مراتب رکھا ہے کھیتوں کے غلوں میں باغوں کے پھلوں میں چمن کے پھولوں میں پھر ان پھولوں کے رنگوں میں اتنا اختلاف ہے اسی اختلاف سے چمن کی رونق اور عالم کی زیبائش ہے۔ ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

فرق مراتب کو اونچ نیچ کے حقیر الفاظ کے ساتھ تعبیر کرنا بھی خلاف تہذیب ہے۔ قرآن پاک میں جابجا فرق مراتب کو ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی آیت :

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ۔

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ (پارہ ۱۴ سورۃ النحل آیت نمبر ۷۱)۔

دوسری آیت :

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۝

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے اس کو جس کو چاہتا ہے۔ (پارہ ۲۸ سورۃ الجمعہ آیت نمبر ۴)۔

تیسری آیت :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ○

اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ (پارہ نمبر ۵، سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۲)۔

چوتھی آیت :

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ○۔

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ (پارہ نمبر ۳ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۵۳)۔

ان سب آیات میں فرق مراتب بیان کیا گیا ہے۔ عام انسانوں کے درمیان پیغمبروں کے درمیان فرق مراتب ہے پھر فرمایا کہ جو فرق مراتب اللہ رب العزۃ نے قائم کر دیا ہے اس کے برخلاف تم کسی کے ساتھ رشک و رقابت مت کرو کیونکہ یہ رشک و رقابت تحاسد اور تباغض تک پہنچا دیتا ہے۔ احادیث کی کتابوں میں ابواب المناقب اور ابواب الآداب کی بنیاد ہی فرق مراتب پر قائم ہے اس لئے شرعی طور پر مساوات یہ ہے کہ جس شخص کا جتنا مرتبہ ہے اس کی بقدر اس کا احترام کرو جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ۔

یعنی انسانوں کے ساتھ ان کے مرتبہ کے لحاظ سے سلوک کرو لیکن افسوس لوگوں کی کج فہمی اور جہالت نیز تحاسد و تباغض کی وجہ سے ترتیب فضائل کے اندر امت میں افتراق و انتشار ہو گیا۔ فرقۂ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ اور خلافت بلا فصل کا مستحق سمجھتا ہے۔ پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر حضرات خلفاء ثلاثہ کی تکفیر و تفسیق کرتا ہے۔ ان کے برعکس فرقۂ خوارج حضرات خلفاء ثلاثہ کو مانتا ہے مگر حضرت علی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ اور اہلِ بیت کا دشمن ہے اب کوئی شخص شیعوں کی ضد میں آ کر اولادِ رسول اور اہلِ بیت رسول کی اہانت کرے یا خوارج کی ضد میں حضرات خلفاء ثلاثہ کی اہانت کا مرتکب ہو تو یہ دونوں قسم کی شخصیتیں اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہو جائیں گی۔

مسلک اہلِ سنت والجماعت ہی صراطِ مستقیم ہے :

لیکن مسلک اہلِ سنت والجماعت اس آیت (وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا)۔ یعنی کسی کا کینہ تم کو راہِ اعتدال سے نہ ہٹا دے) سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے تمام صحابہ اور جمیع اہل بیت کا احترام کرتے اور ان کی محبت کو اپنے لئے وسیلۂ نجات اور سرمایۂ آخرت سمجھتے ہیں کسی کی ضد میں آ کر اپنے مسلک اعتدال سے ہٹنا ان کو گوارا نہیں۔

در کفِ جام شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

یہی اعتدال و توازن صراطِ مستقیم کہلاتا ہے صراطِ مستقیم کے لئے دل کا نفسانیت سے پاک ہونا خلوص و للّٰہیت سے معمور ہونا ضروری ہے جو اوامر و نواہی کی پابندی، عبادت و ریاضت، علماء و صلحاء کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور حاصل ہونے کے بعد مرتے دم تک اس پر قائم رہنا بھی بڑا مجاہدہ ہے اسی لئے ہر نماز میں (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○) کی دعا کا حکم ہے اللہ رب العزۃ صراطِ مستقیم ہی پر ہم کو موت دے کر حسنِ خاتمہ کی دولت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

مقدمہ

آدابِ رسالت مآب ﷺ

خداوند قدوس نے قرآن پاک میں جا بجا آداب رسالت پر بندوں کو متنبہ کیا حتیٰ کہ آنحضور ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے پر حبط اعمال (یعنی تمام اعمال کے برباد کر دینے) کی وعید ذکر فرمائی۔ خود جناب رسول ﷺ نے اپنے آداب ومناقب اسی لئے بیان فرمائے کہ کوئی شخص بے ادبی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن نہ بنے، آپ موقع بموقع لوگوں کو اس طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ مسلم شریف صفحہ ٣٠٠ جلد ٢ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) کی برائی میں کچھ اشعار لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں سے میرا نسبی رشتہ ملتا ہے اس لئے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے جو علم الانساب کے ماہر ہیں ان سے میرے نسبی رشتوں کے معاملہ میں تحقیق کئے بغیر کچھ مت لکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ میری بھی نسبی اہانت ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نسبی معاملات کے اندر کتنے محتاط اور کس قدر حساس تھے اسی وجہ سے ایک مرتبہ نہایت اہتمام کے ساتھ صحابۂ کرام کے رضی اللہ عنہم مجمع میں آپ نے اپنا شجرہ نسب اس طرح بیان فرمایا۔

حضورِ اکرم ﷺ کا شجرۂ نسب :

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشَمِ بْنِ عَبْدِمَنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةِ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ اِلْيَاسِ بْنِ مُضَرِ بْنِ نَزَارِ بْنِ مَعْدِ بْنَ عَدْنَانَ۔ (بخاری شریف صفحہ ٥٤٣)۔

آنحضور ﷺ کا سلسلۂ نسب عدنان تک سب کے نزدیک مسلم ہے اسی طرح عدنان کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا بھی علیٰ وجہ الشہرۃ والتواتر مسلم ہے باقی عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مابین پشتوں کی تعداد اور اسماء میں نسابین کے درمیان اختلاف ہے اسی وجہ سے عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ جب اپنا نسب شریف بیان فرماتے تھے تو عدنان پر پہنچ کر رک جاتے اور یہ فرماتے كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ یعنی عدنان سے آگے نسب بیان کرنے والوں نے غلط کہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حسب ونسب کے لحاظ سے تم سب سے افضل اور بہتر ہوں میرے آباؤ اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کہیں زنا نہیں ہوا سب نکاح ہی ہوئے ہیں۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے روایت کیا (سیرۃ مصطفیٰ) اس سے بھی زیادہ وضاحت مسلم شریف اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے جو آگے آرہی ہے۔

جنابِ رسولِ کریم ﷺ کی نسبی فضیلت

بنو ہاشم کی فضیلت پر پہلی حدیث :

بَابُ فَضْلِ نَسَبِ النَّبِيِّ ﷺ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَصْطَفٰى قُرَيْشاً مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ۔ (مسلم شریف جلد ٢ صفحہ ٢٤٥)۔

ترجمہ :

یہ باب جناب رسول ﷺ کے نسب کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ

عزوجل نے کنانہ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں فضیلت دی اور کنانہ کی اولاد میں
قریش کو سب سے زیادہ فضیلت دی اور قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم
میں سے خداوند قدوس نے مجھ کو فضیلت دی۔

یہ مسلم شریف کی صحیح حدیث ہے اس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے کتنی
صراحت اور صفائی سے بیان فرمادیا کہ بنو ہاشم خاندانِ قریش کی تمام بقیہ شاخوں
میں سب سے افضل ہیں اور بنو ہاشم میں سب سے زیادہ فضیلت آنحضور سرور عالم
ﷺ کو حاصل ہے اس صحیح اور صریح حدیث کے سامنے کسی کو کیا گنجائش ہے کہ وہ
قریش کی بقیہ شاخوں کو بنو ہاشم پر فضیلت دے۔ یہ فضائل آپ نے اسی لئے بیان
فرمائے ہیں کہ کوئی شخص اس کے خلاف کسی قسم کی جرأت کر کے خاندان رسالت سے
تفوق اور برتری کی کوشش نہ کرے۔

بنو ہاشم کی فضیلت پر دوسری حدیث :

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَهْمَ ذَوِي
الْقُرْبٰى بَيْنَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَّبَنِي الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهٗ اَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ لَا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِيْ
وَضَعَكَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَتَرَكْتَنَا
وَاِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَقَرَابَتُهُمْ وَاحِدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَبَنُو
الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (مشکوۃ شریف جلد ۲
صفحہ ۳۵۱)۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ نے خمس میں
سے اپنے اہل قرابت داروں او بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان تقسیم فرمایا تو حضرت
عثمان اور میں دونوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جہاں تک
ہمارے بنو ہاشم بھائیوں کی فضیلت کا تعلق ہے تو چونکہ آپ بنو ہاشم میں سے ہیں۔

اس لئے ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے مگر بنو مطلب کو جو آپ نے دیا اور ہم کو نہ دیا
ب کہ ہماری اور ان کی آپ سے قرابت یکساں ہے۔ (یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا) تو
آپ نے فرمایا بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں اور ہاتھوں کی انگلیوں کی
تشبیک کر کے اشارہ فرمایا کہ اس طرح یہ دونوں ایک ہیں۔ (مشکوۃ شریف صفحہ
۳۵۱ جلد ۲)۔

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے اجداد میں سے عبد مناف
کے چار بیٹے عبد شمس، نوفل، مطلب، ہاشم تھے۔ نوفل کی اولاد میں جبیر بن مطعم اور عبد
شمس کی اولاد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور آنحضور ﷺ بنو ہاشم میں سے تھے تو جبیر
بن مطعم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ چونکہ آپ بنو ہاشم
میں سے ہیں۔ تو بلاشبہ بنو ہاشم کی افضلیت کو ہم مانتے ہیں۔ مگر بنو مطلب بنو عبد شمس اور
بنو نوفل کی آپ سے ایک ہی درجہ کی قرابت ہے تو اگر بنو ہاشم کو آپ خمس دے رہے ہیں تو
آپ کی وجہ سے ان کو جو فضیلت حاصل ہے اس کی بناء پر ہم کو کوئی اعتراض نہیں لیکن بنو
مطلب کو کیوں دیا گیا یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے اس کا جواب آنحضور ﷺ نے یہ دیا
کہ بنو مطلب نے ہمیشہ ہر معاملہ میں بنو ہاشم کا ساتھ دیا وفاداری کے خلاف یا اجنبیت کا
برتاؤ کبھی نہیں کیا اس لئے بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں اس حدیث کے اندر
واضح طور پر موجود ہے کہ جبیر بن مطعم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اپنے اوپر بنو ہاشم کی
فضیلت اور تفوق کو تسلیم کرلیا۔

بنو ہاشم کی فضیلت پر تیسری حدیث :

ازالۃ الخفاء میں ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل کی ہے......

اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ دَعَا عُثْمَانُ نَاسًا مِنْ
اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِمْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَقَالَ اِنِّيْ سَائِلُكُمْ وَاِنِّيْ
اُحِبُّ اَنْ تَصْدُقُوْنِيْ نَشَدْتُكُمُ اللّٰهَ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْثِرُ

قُرَیْشًا عَلٰی سَائِرِ النَّاسِ وَیُؤْثِرُ بَنِیْ هَاشِمٍ عَلٰی سَائِرِ قُرَیْشٍ قَالَ فَسَکَتَ الْقَوْمَ۔(ازالۃ الخفاء جلد ثانی صفحہ ۲۴۶)۔

امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں سالم بن ابی الجعد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا جن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں پر قریش کو ترجیح دیتے تھے اور تمام قبائل قریش پر بنو ہاشم کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کو سُن کر سب خاموش ہو گئے۔ (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات کو مان لیا)۔

اس حدیث میں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بنو ہاشم کی فضیلت کو سب حاضرین سے تسلیم کرایا۔

بنو ہاشم کی فضیلت پر چوتھی حدیث :

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ کو یہ بیان کیا کہ میں نے مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین کو چھان ڈالا مگر بنو ہاشم سے افضل اور بہتر کسی کو نہ پایا۔ اس حدیث کو طبرانی اور امام احمد نے روایت کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۴۱)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

بنو ہاشم کی فضیلت پر پانچویں حدیث :

عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ مِنْ اَوْسَاخِ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۵)۔

مطلب بن ربیعہ ارشاد فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ صدقات (زکوٰۃ) لوگوں کا میل کچیل ہیں۔ یہ صدقات محمد اور آل محمد کے لئے حلال اور جائز نہیں۔ (مسلم شریف صفحہ ۳۴۵ جلد ۲)۔

اس حدیث سے بنو ہاشم کی کتنی عظمت اور فضیلت ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ آپ

نے زکوٰۃ کو لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل فرما کر اپنی آل کے لئے ناجائز قرار دیا۔ آل محمد سے اس حدیث میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور بنو فاطمہ مراد ہیں۔ حرمت زکوٰۃ خاندانی شرافت کے لحاظ سے بنو ہاشم کی امتیازی خصوصیت پر بیّن اور واضح دلیل ہے۔

آنحضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اہمیت اور تاکید کے ساتھ مکرر سہ کرر اپنے خاندانی فضائل اور شرافت نسبی کو اس لئے بیان فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خداوند قدوس کی طرف سے اعلاء کلمۃ اللہ اور تبلیغ دین کے ذمہ دار بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ اس لئے خداوند قدوس ان کو ان کے زمانہ میں ہر طرح سے کامل و مکمل خوبی سے آراستہ کر کے بھیجتا ہے۔ علم، قوۃ، شجاعت، سخاوت، حسن صورت، شرافت، نسبی وغیرہ تمام ہی اوصافِ حمیدہ ان میں ودیعت رکھے جاتے ہیں تاکہ مکمل طور پر اتمام حجت ہو جائے اور آخرت میں کسی کو گنجائش نہ رہے کہ آپ کے نبی میں یہ عیب تھا۔ جس کی وجہ سے ہم نہ اس کے قریب آ سکے اور نہ اس پر ایمان لا سکے۔ چونکہ عام طور پر حسب و نسب پر اعتراض طعن و تشنیع لوگوں کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبی شرافت اور اپنے خاندان بنو ہاشم کی فضیلت کو خوب واضح فرما دیا جیسا کہ احادیث مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے۔

خاندان قریش کے فضائل :

باقی خاندان قریش جس میں بنو فاطمہ، بنو ہاشم اور حضرات خلفاء راشدین بھی داخل ہیں۔ وہ عرب کے خاندانوں میں افضل ترین خاندان ہے اس کی بھی احادیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اہمیت کے ساتھ بہت فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی حدیث :

چنانچہ بخاری شریف صفحہ ۴۹۷ میں ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْ قُرَیْشٍ

مَا بَقِیَ مِنْهُمُ اثْنَانِ۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ امر خلافت ہمیشہ قریش ہی میں رہے گا جب تک کہ دو شخص قریش کے باقی ہوں۔

اس حدیث میں استحقاق خلافت کو خاندان قریش ہی میں منحصر کر دیا گیا ہے کہ اگر دنیا میں دو شخص بھی قریش کے باقی ہوں تو انہیں میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے۔

دوسری حدیث :

(عَنْ مُعَاوِیَةَ رضی اللہ عنہ)فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ هٰذَ الْاَمْرَفِیْ قُرَیْشٍ لَا یُعَادِیْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا کَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوْا الدِّیْنَ۔(بخاری شریف صفحہ ۴۹۷)۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ یہ امر خلافت قریش ہی میں رہے جوان سے برسرپیکار ہوگا اللہ رب العزت اس کو اوندھا گرادے گا بشرطیکہ قریش بھی دین کو قائم کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

تیسری حدیث :

عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اَذَقْتَ اَوَّلَ قُرَیْشٍ نَكَالًا فَاَذِقْ آخِرَهُمْ نَوَالًا۔(راوہ الترمذی)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ تو نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب چکھایا تو بعد والوں کو اپنے انعام واکرام سے نواز دے۔

چوتھی حدیث :

عَنْ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ یُرِدْ هَوَانَ قُرَیْشٍ اَهَانَهُ اللّٰهُ۔(رواہ الترمذی)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو

قریش کی اہانت کرے گا اللہ اس کی اہانت کرے گا۔

دوسری اور چوتھی حدیث میں مخالفین قریش پر آنحضور ﷺ نے بددعاء فرمائی تیسری حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے لئے دعاء فرمائی کہ ان کو اپنے انعام واکرام سے نوازے اس دعاء کی مقبولیت حضرات خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی شکل میں ظاہر ہوئی یہ تینوں حضرات خاندان قریش ہی میں تھے خداوند قدوس نے حضور ﷺ کی دعاء قبول فرما کر ان حضرات کو کتنی نعمتوں سے نوازا۔ خاندان قریش کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، اگر کوئی فاطمی یا ہاشمی نہیں ہے تو صرف قریشی ہونا ہی اس کی خاندانی عظمت وشرافت کے لئے بہت کافی ہے۔ اس پر اس کو اللہ کا شکر کرنا چاہیے نہ یہ کہ بنو فاطمہ اور بنو ہاشم کی تذلیل وتوہین کرے۔

قریش کی عورتوں کی فضیلت :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ جسے آپ دیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا، اور جس سے آپ روک لیں اسے کوئی دے نہیں سکتا اور ذی عزت کو آپ کے سامنے اس کی عزت نفع نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اسے دین کی سمجھ عطاء فرما دیتا ہے اور اونٹ پر سواری کرنے والی بہترین عورتیں قریش کی نیک عورتیں ہیں جو اپنی ذات میں شوہر کی سب سے زیادہ محافظ ہوتی ہیں اور بچپن میں اپنے بچے پر انتہائی مہربان۔(مسند احمد مترجم جلد ۷ صفحہ ۴ مسند شامیین)۔

اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت نہیں :

فسیلہ نامی عورت اپنے والد واثلہ سے نقل کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ بات بھی عصبیت میں شامل ہے کہ انسان اپنی قوم سے محبت کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں عصبیت یہ ہے کہ انسان ظلم کے کام پر

اپنی قوم کی مدد کرے۔(مسند احمد مترجم جلد۷ صفحہ ۶۷مسند الشامیین)۔

خاندانی تفاضل کی شکایت اور آنحضور ﷺ کا جواب :

باقی خاندانی تفاضل کی شکایت آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بھی پیش آچکی ہے جس کا جواب آنحضور ﷺ نے دیا اور اس جواب پر صحابہ کرام مطمئن ہو گئے۔ چنانچہ بخاری شریف صفحہ ۵۳۵ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ خَیْرَ دُوْرِ الْاَنْصَارِ دَارُ بَنِی النَّجَّارِ ثُمَّ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ ثُمَّ دَارُ بَنِیْ الحَارِثِ ثُمَّ بَنِی سَاعِدَةَ وَ فِیْ کُلِّ دُوْرِ الْاَنْصَارِ خَیْرٌ فَلَحِقَنَا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ اَبُوْ اُسَیْدٍ اَلَمْ تَرَ اَنَّ نَبِیَ اللهِ خَیَّرَ الْاَنْصَارَ فَجَعَلَنَا آخِراً فَاَدْرَکَ سَعْدٌ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللهِ خُیِّرَ الْاَنْصَارُ فَجُعِلْنَا آخِراً فَقَالَ اَوَلَیْسَ بِحَسْبِکُمْ اَنْ تَکُوْنُوْا مِنَ الْخِیَارِ۔

ابوحمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصار کے گھرانوں میں سب سے بہتر بنونجار کا پھر بنوعبدالاشہل کا پھر بنوحارث کا پھر بنوساعدہ کا گھرانہ ہے باقی انصار کے تمام ہی خاندان بہتر ہیں۔ابوحمید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ہماری ملاقات سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ابو اسید رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ کو معلوم نہیں، آنحضور ﷺ نے انصار کے بہترین گھرانوں کی نشاندہی کی مگر ہم کو سب سے آخر میں رکھا چنانچہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ نے انصار کے بہترین گھرانوں کے بیان میں ہمارے گھرانہ (بنوساعدہ) کو سب سے آخر میں کر دیا تو آنحضور ﷺ نے جواب دیا کہ کیا تم اس پر مطمئن نہیں ہو کہ تمہارا گھرانہ بھی (اگرچہ آخری نمبر پر ہے مگر پھر بھی بہترین گھرانہ ہے)۔

قارئین کرام! مقدمہ کو ہم یہاں پر ہی ختم کرتے ہیں آگے اصل کتاب شروع ہوتی ہے،(سید مشتاق علی شاہ)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا صَاحِبَ الْجَمَالِ وِیَاسَیِّدَ الْبَشَرِ ۔۔۔ مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرَ
لَا یُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ ۔۔۔ بَعْدَ اَزْ خُدا بُزُرگ تُوئیِ قِصَّه مُخْتَصَرْ

تذکرہ اولیاءِ سادات

جمع وترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ کرنالوی

ناشر

پیر جی کتب خانہ محلہ گوبند گڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر C/36 کالج روڈ گوجرانوالہ
فون نمبر: 055-4445401 موبائل: 0333-8182910

سید کا لغوی معنی :

سید کے لغوی معنی متعدد ہیں جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ زیادہ تر یہ لفظ سردار، رئیس، معزز اور شریف آدمی پر بولا جاتا ہے۔

لیکن اصطلاحی اور عُرفی اعتبار سے سید بمعنی نسبی صرف اور صرف ذریت رسول پر بولا جاتا ہے۔

ہم یہاں لغوی اعتبار سے سید کا معنی مختلف حیثیت سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اصطلاحی اور عرفی معنی بیان کریں گے۔

(۱) اپنی قوم کا معزز شخص سید ہے :

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لفظ سید کی تشریح میں لکھتے ہیں ....

سید وہ ہے جو اپنی قوم پر فائق ہو اور یہ سیادت، ریاست، قیادت اور بلندیٔ رتبہ سے عبارت ہے۔ (مشارق الانوار جلد ۳ صفحہ ۲۸۶)۔

(۲) قوم کی تکلیف کو دور کرنے والا سید ہے :

نیز قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ....

امام ہروی نے فرمایا سید وہ ہے جو خیر میں اپنی قوم پر فائق ہو اور دوسرے علماء کرام نے فرمایا سید وہ ہے جس سے قوم مصائب اور مشکلات میں رجوع کرے تو وہ ان کے معاملات کو درست کرنے ان کے بوجھ کو برداشت کرے اور ان سے مشکلات کو دفع کردے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم جلد ۷ صفحہ ۵۸۲)۔

(۳) ہر شریف و بردبار شخص سید ہے

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں ....

مالک، شریف، فاضل، سخی اور بردبار کو سید کہتے ہیں۔

(لسان العرب جلد ۶ صفحہ ۴۲۲)۔

(۴) جو غصہ میں مغلوب نہ ہو وہ سید ہے :

علامہ مرتضی زبیدی لکھتے ہیں ....

سید وہ ہے جس کو اس کا غصہ مغلوب نہ کرے۔

(تاج العروس جلد ۵ صفحہ ۳۲)۔

(۵) ہر سخی سید ہے :

امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں ....

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ سید کون ہے؟ فرمایا یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام انہوں نے عرض کیا آپ کی امت میں کوئی سید ہے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اسے فیاضی عطا فرمائی پھر اس نے اس کا شکر ادا کیا اور لوگوں میں اس کا کردار درست ہو تو وہ سید ہے۔ (النہایہ لابن اثیر الجزری جلد ۲ صفحہ ۳۷۴)

امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں ....

بعض احادیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے پوچھا تمہارا سید کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا اس کے باوجود کہ ہم جد بن قیس کو بخیل سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارا سید ہے۔ فرمایا بخل سے بڑا عیب اور کون سا ہے۔ (النہایہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۴، لسان العرب جلد ۶ صفحہ ۴۲۳)، تاج العروس جلد ۵ صفحہ ۳۲)۔ (ماخوذ مناقب الزہرا صفحہ ۷۹ تا ۸۲)۔

(۱) عبد الرشید نعمانی سید کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ....

سَیِّدًا سردار۔

"سِیَادَۃٌ" سے جس کے معنی سرداری کرنے اور سردار ہونے کے ہیں۔

صفت مشبہ کا صیغہ سَادَۃٌ جمع۔

راغب اصفہانی رقمطراز ہیں ....

"سَیِّدٌ" کے معنی "متولی سواد" یعنی جماعت کے متولی کے ہیں اور اسی کی

طرف اس کی نسبت ہوتی ہے۔ چنانچہ سید القوم بولا جاتا ہے۔ اور سید الثوب اور سید الفرس نہیں بولا جاتا اور کہا جاتا ہے "القوم لیسودھم" اور چونکہ مہذب النفس ہونا متولی جماعت کی شرط ہے اس لئے ہر شخص کو کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے بزرگ ہو سید کہا جاتا ہے۔ اسی معنی میں ارشاد ہے۔ "وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا" (اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائے گا) اور فرمایا "وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا" (اور دونوں نے پایا اس کے خاوند کو)۔ شوہر کو اپنی بیوی کا نگران ہونے کے باعث سید سے موسوم کیا گیا ہے۔
(لغات القرآن جلد سوم صفحہ ۲۵۵، کالم نمبر ۲، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(۷) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ محدث دار العلوم دیوبند کے شاگرد مولانا عبد الحفیظ بلیاوی نے اپنی مشہور زمانہ لغت مصباح اللغات میں لکھا ہے.........

کہ مسلمانوں کے نزدیک سید وہ لوگ ہیں جو خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور نسل سے ہوں اور "السیدان" امام حسن اور حسین کو کہتے ہیں۔
(مصباح اللغات) صفحہ ۴۰۵)

(۸) محیط المحیط صفحہ ۴۳۹ میں ہے.........

"السید من المسلمین من کان سلالۃ الرسول والسیدان الحسن اولحسین ابناء علی" مسلمانوں سے سید وہ ہیں جو کہ رسول ﷺ کی اولاد ہیں اور سیدان حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو کہا جاتا ہے جو کہ حضرت علی کے بیٹے ہیں۔

سید کا اصطلاحی و عرفی معنی :

لفظ سید کے مذکورہ لغوی معانی سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بھی ذات پات کے شخص میں ایسے اوصاف پائے جائیں تو وہ لغوی طور پر سید کہلانے یا کہے جانے کا حقدار ہوتا ہے۔ اور عملاً ایسا شخص اپنے دائرہ اثر میں سردار مانا بھی جاتا ہے اور اس کی اچھی عظمت و شہرت بھی ہوتی ہے۔ (مناقب الزہرا صفحہ ۸۲)۔

الغرض جو بھی انسان افراد معاشرہ کی تکالیف کو دور کرے اپنی جانی مالی اور عقلی قوتوں سے ان کے دکھ درد کو دور کرے اور آسائش و آرام مہیا کرے تو از خود اس کی عظمت و سرداری مسلم ہو جاتی ہے۔ ہر ایسے شخص کو عرب دنیا میں سید، فارس میں آقا یا آغا اور ہماری علاقائی زبانوں میں ان لغوی معانی میں سے کسی نہ کسی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر عرب میں ایسے شخص کو اصطلاحی طور پر "شریف" اور پاک و ہند میں اصطلاحی طور پر سید کہا اور سمجھا جاتا ہے۔

سید کے جو مختلف لغوی معانی ہم نے بیان کئے الحمد للہ یہ تمام اوصاف اور ان کے علاوہ بے شمار ایسے اوصاف نبی کریم ﷺ اور آپ کے خاندان آپ کی نسل پاک خاص کر حضرت فاطمۃ الزہرا سیدنا حسن اور سیدنا حسین اور ان کی اولاد میں تھے تو لغت کے اعتبار سے بھی یہ لوگ سب سے اعلیٰ قسم کے سید شمار ہوں گے۔ چوتھی صدی تک تو معاملہ ایسے ہی چلتا رہا یعنی لغوی اعتبار سے بھی اور اصطلاحی اعتبار سے بھی چوتھی صدی کے آخر میں یا پانچویں صدی کے شروع میں حکومتی سطح پر یہ قانون بن گیا کہ سوائے بنو فاطمہ یعنی حضرت حسن اور حسین کی اولاد کے علاوہ کسی کو سید یا شریف نہیں کہا جا سکتا۔ اور لغوی معنی کا اعتبار آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ اور صرف سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کو ہی لوگوں نے سید کہنا اور سمجھنا شروع کر دیا تھا کیوں کہ لغوی اعتبار سے تو آپ پر سید کا اطلاق ہوتا ہی تھا مگر قرآن و سنت نے آپ کو جو خصوصی اعزاز بخشا اس کی روشنی میں علماء کرام نے آپ پر ہی سید کا اطلاق فرمایا۔ امت کی اکثریت آپ ہی کو سید تسلیم کرتی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں.........

فقہ کا قاعدہ ہے کہ وصیتیں اور وقف کی چیزوں کا معاملہ شہر کے عرف کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مصر کے عرف میں فاطمی خلفاء کے عہد سے لے کر اب تک لقب "شریف" ہر حسنی اور حسینی کے لئے مخصوص ہے۔ (الحاوی الفتاوی ۴۴۰)۔

علی ہذا القیاس پاک و ہند میں اگر چہ کچھ غیر حسنی اور حسینی لوگ مثلاً قریشی حارثی، قریشی اسدی، جعفری، عقیلی، علوی، عباسی، عباسی ہاشمی، عباسی علوی وغیرہ بہت سے لوگ لاعلمی کی وجہ سے بعض ضد اور عناد اور مقابلہ بازی کی وجہ سے اپنے آپ کو سید کہلواتے ہیں۔ مگر یہاں کے عرف میں بھی سادات فقط حسنی اور حسینی ذریت کو کہا جاتا ہے۔ لہذا جب کسی کو مطلقاً سید کہا جائے گا۔ تو اس سے فقط یہی لوگ مراد ہوں گے۔ اس لئے غیر حسنی اور حسینی حضرات کو چاہیے کہ وہ خود کو مطلقاً سید یا سادات کہلاوانے سے اجتناب فرمائیں۔ یاد رکھیئے دین اسلام میں عرف کی رعایت کرنا اتنا اہم ہے کہ خود قرآن وسنت سے عرف کی رعایت ثابت ہے۔ ہم یہاں کچھ تفصیل عرف کے متعلق نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں ....

اصول فقہ کی تمام کتابیں اگر تمام نہیں تو اکثر کتابوں میں عرف کی بحث موجود ہے۔ اہل علم حضرات کو تفصیل اصل کتابوں میں دیکھنی چاہئے۔ عوام کے لئے ہم یہاں پر کچھ عرض کرتے ہیں۔

عرف کے لغوی معنی :

(۱) لغت کی مشہور کتاب المنجد میں مادہ عرف کے تحت لکھا ہے........

''العرف ماستقر فی النفوس من جهة شهادت العقول وتلقته الطبائع السليمة بالقبول۔'' عرف وہ چیز ہے جس پر لوگوں کے نفوس عقل کی گواہی کی بناء پر قائم ہوں اور سلیم طبیعتیں اس کو قبول کر لیں۔

(۲) علامہ سید جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ فرماتے ہیں ....

''العرف ما استقرت النفوس عليه بشهادة العقول وتلقته الطبائع بالقبول ''۔ عرف وہ چیز ہے جس پر لوگوں کے نفوس عقل کی گواہی کی بناء پر قائم ہوں اور طبیعتیں اس کو قبول کر لیں۔ (التعریفات جلد ۱ صفحہ ۱۹۳)۔

یہ تو عرف کے لغوی معنی ہیں اور فقہی اصطلاح میں عرف نام ہے اس چیز

کا جس کی جمہور (اکثر) لوگوں نے عادت بنالی ہو اور وہ ان کے مابین جاری و ساری ہو۔ خواہ وہ چیز فعل ہو جو لوگوں کے درمیان شائع و عام ہو گیا ہو یا وہ کوئی قول ہو جو کسی خاص معنی میں ان کے مابین مستعمل ہو اس طرح کہ وہ بولا جائے تو وہی معروف معنی کی طرف ذہن متبادر ہو۔

عرف کا اصطلاحی معنی :

استاد منصور محمد الشیخ فرماتے ہیں........

عرف وہ ہے جو لوگوں میں متعارف ہو اور لوگ اس سے مانوس ہو گئے ہوں حتی کہ وہ ان کے نفوس میں پیوست ہو گیا ہو خواہ وہ فعل ہو جو ان میں شائع ہو یا قول جس کا استعمال کثرت کے ساتھ کسی خاص معنی میں ہوتا ہو۔ اس طرح کہ اطلاق کے وقت یہی معنی اس سے مفہوم متبادر ہو نہ کہ اس کے اصلی معنی۔ (اصول الاحکام صفحہ ۲۰۰)۔

استاد مصطفیٰ محمد الزرقاء فرماتے ہیں........

اصطلاح فقہ میں عرف قوم کی اکثریت کی عادت کا نام ہے خواہ وہ قول ہو یا عمل میں۔ (المدخل الفقهی العام جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)۔

ان حوالہ جات سے چند امور واضح ہوتے ہیں۔

(۱) عرف عمل میں بھی ہوتا ہے۔ اور قول میں بھی پہلے کو عرف عملی۔ اور دوسرے کو عرف قولی کہتے ہیں۔

عرف کا ثبوت قرآن سے :

''وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ '' یعنی عرف کے مطابق حکم دیجیے۔

(پارہ نمبر ۹ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۹۹)۔

علامہ شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں ......

کہ علماء نے اس آیت سے عرف کے معتبر ہونے پر استدلال کیا ہے۔

(مجموعہ رسائل ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۱۱۵)۔

علامہ جلال الدین سیوطی ؒ المتوفی ۹۱۱ھ "الاکلیل فی استنباط التنزیل صفحہ ۱۳۲ میں اس آیت سے مستنبط مسائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں . . .

ابن الفرس نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ فیصلہ کیجئے ہر اس چیز کے موافق جس کو لوگ پہچانتے ہیں یعنی جو ان میں رائج ہے ان چیزوں میں سے جس کو شریعت رد نہیں کرتی اور یہ آیت عرف کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں قاعدہ فقہیہ کی اصل یعنی دلیل ہے۔

﴿عرف کا ثبوت حدیث سے﴾

پہلی حدیث :

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ہند بنت عقبہ نے عرض کی یا رسول اللہ ابوسفیان ؓ بہت بخیل آدمی ہیں وہ اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچے کو کافی ہو الّا یہ کہ میں ان کی بے خبری میں ان کا مال لے لوں (تو کیا یہ لینا جائز ہوگا؟) آپ نے فرمایا تیرے لئے اور تیرے بچے کے لئے جو کافی ہو معروف طریقے پر لے لو۔
(صحیح ابن حبان جلد ۱۰ صفحہ ۶۸)۔

اس حدیث میں جو آخری جملہ ہے "خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف" اس میں معروف سے مراد وہ ہے جو عادتاً معلوم ہو۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی الشافعی ؒ المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں والمراد بالمعروف القدر الذی عرف بالعادة انه الكفاية "(فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۹ صفحہ ۵۰۹) اور معروف سے مراد یہ ہے کہ تو اتنا لے لے جو عرف میں عادت کے مطابق تجھے کافی ہو۔

امام نووی ؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔
(شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۲ صفحہ ۷۵)۔

دوسری حدیث :

امام ابن خزیمہ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے حج کی تفصیل بیان فرمائی ہے جس میں عرفات کے میدان کا خطبہ بھی مذکور ہے اس خطبہ حج کے اندر آپ ﷺ نے بہت سے احکام ارشاد فرمائے اس میں آپ نے عورتوں کے متعلق یہ بھی فرمایا "ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف "یعنی تم پر اپنی عورتوں کا کھانا اور کپڑا بھی معروف طریقہ پر لازم ہے۔
(صحیح ابن خزیمہ مترجم جلد ۴ صفحہ ۴۷۸ مطبوعہ کراچی)۔

اس حدیث میں بھی معروف سے مراد عرف و عادت ہی ہے۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ عورت کا کھانا اور کپڑا عرف و عادت کے مطابق دینا شوہر کے ذمہ ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ علامہ ابن بطال ؒ سے نقل کرتے ہیں

علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے۔ کہ عورت کے لئے شوہر پر نفقہ کے ساتھ وجوبی طور پر کپڑا دینا بھی ہے اور اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ تمام شہروں کے لوگوں کو ایک ہی طریقے پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ شہر والوں پر وہی لازم ہوگا جو ان کے عرف و عادت میں شوہر کی طاقت کے بقدر عورت کو کفالت کرنے والی مقدار جاری ہے۔
(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۱۳)۔

غرض اس حدیث میں بھی معروف سے عرف و عادت مراد ہے لہٰذا اس سے عرف کا معتبر ہونا معلوم ہوا۔ اکثر فقہاء کے نزدیک بھی مسائل میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

(ہم نے عرف کی یہ ساری بحث فقہ اسلامی کے ذیلی ماخذ سے لی ہے ترمیم و اضافے کے ساتھ تفصیل کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں)۔

جب شریعت اسلامیہ میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے عمل میں بھی اور قول میں بھی تو امت کے عمل سے بھی اور قول سے بھی سیدنا حسن ؓ اور سیدنا حسین ؓ اور

ان کی ذریت کو سید کہنا ثابت ہوتا ہے۔ اب صرف لغوی معانی نہیں چلیں گے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ امت کے فقہا، علماء محدثین مفسرین نے قرآن وسنت کی روشنی میں لغوی معانی کا اطلاق کن لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور بعد میں یہ کن لوگوں کی خصوصیات میں شمار ہوا ہے۔ اور علمائے امت نے کن افراد پر سید کا اطلاق فرمایا ہے۔

﴿لفظ سید قرآن میں﴾

پہلی آیت :

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۔

ترجمہ :

کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحيٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا سردار مناںطِ نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔

(پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران آیت ۳۹)۔

دوسری آیت :

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۝۔

ترجمہ :

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور (عورت نے) چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔

(پارہ ۱۲ سورۂ یوسف آیت نمبر ۲۵)۔

تیسری آیت :

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝

ترجمہ :

اور وہ یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہا مانا انہوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا۔ (پارہ ۲۲ سورۂ الاحزاب آیت ۶۷)۔

قرآن شریف کی پہلی دو آیتوں میں سید اور تیسری میں اس کی جمع "سادتنا" آیا ہے۔ جو سردار اور آقا کے معنی ومفہوم میں آیا ہے سیدنا علی، سیدنا فاطمہ، سیدنا حسن، سیدنا حسین رضی اللہ عنہم بھی چونکہ سردار ہیں۔ اس لئے ان کو سید کہنا بالکل صحیح ہے۔

لفظ سید احادیث میں :

احادیث مبارکہ میں سید کا اطلاق اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ، ازواج مطہرات، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین، بعض صحابہ کرام اور ان کے علاوہ اور بہت سی شخصیات پر آتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ امت نے یہ اطلاق کس کے لئے خاص کر لیا ہے۔ اور اُمت کے لوگوں نے اپنے عمل سے اور قول سے کن حضرات کو زیادہ تر سید کہا ہے یا کہا جا رہا ہے یا بحیثیت قول کن لوگوں کے لئے یہ لفظ مخصوص ہوا جب ہم دیکھتے ہیں تو اسلامی لٹریچر میں نبی کریم ﷺ کی نسل کو ہی سید کہا جاتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ اور لفظ سید کی بحث :

اب جہاں تک لفظ سید کی بحث کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں بعض معترضین نے "اَلسَّيِّدُ هُوَ اللّٰهُ" کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی پر لفظ سید کا اطلاق گویا ناجائز ہے اس حدیث کا صحیح مطلب سننئے یہ حدیث ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ میں اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُطَرِّفٍ قَالَ قَالَ اَبِيْ اِنْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ اَلسَّيِّدُ هُوَ اللّٰهُ قُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَّاَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ۔

ترجمہ :

مطرف نے کہا میرے والد نے فرمایا میں بنو عامر کے وفد کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہم نے عرض کیا آپ ہمارے سید ہیں تو آپ نے فرمایا کہ سید تو اللہ ہی ہے۔ پھر ہم نے کہا کہ آپ ہم میں سب سے افضل اور انتہائی سخی با ہمت ہیں تو آپ نے فرمایا کہ فضائل بیان کر سکتے ہو مگر اس کا خیال رکھنا شیطان تم کو حدود سے آگے نہ لے جائے۔

اس حدیث کے متعلق حضرات محدثین ایک بات تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آنحضور ﷺ کی شان میں اپنے سابق سرداروں کی طرح مبالغہ آمیز بڑے بڑے القاب استعمال کرنا چاہتے تھے تو حضور ﷺ نے اس اندیشہ کے ماتحت کہ کہیں ان کی زبان سے کوئی شرکیہ کلمہ نہ نکل جائے۔ "اَلسَّيِّدُ هُوَ اللّٰهُ" فرما کر سد باب کر دیا اور یہ عین حقیقت بھی ہے کہ سیادت حقیقی اللہ ہی کے لئے ہے مخلوق میں اس کا استعمال صرف اضافی اعتبار سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف جلد۲ صفحہ ۲۴۵ میں ہے۔

﴿ حضور اکرم ﷺ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں ﴾

حدیث :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" میں قیامت کے دن (تمام) اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

(مسلم کتاب الفضائل بَابُ تَفْضِيْلِ نَبِيِّنَا ﷺ عَلٰى جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ)۔

ہمارے نبی ﷺ کے افضل الخلق ہونے کا بیان :

یہ حدیث مسلم شریف کی ہے بالکل صحیح ہے اس حدیث میں جناب رسول

ﷺ نے اپنے آپ کو تمام بنو آدم کا سید فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سید کا اطلاق بندوں پر بھی جائز ہے۔ علاوہ ازیں احادیث میں لفظ سید کا اطلاق حضرات شیخین، حضرات حسنین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم پر بھی کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا تمام عورتوں کی سردار ہے :

حدیث :

امام مسلم نے کتاب فضائل الصحابہ رضی اللہ عنہم بَابُ فَضَائِلِ فَاطِمَةَ بِنْتِ النَّبِيِّ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی حدیث نقل کی ہے اس میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا اے فاطمہ یا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ سَيِّدَةُ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ تمام مؤمن عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر مجھے وہ ہنسی آئی جس کو آپ نے دیکھا تھا۔

حدیث :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا یہ اس سے پہلے کبھی بھی زمین پر نہیں آیا تھا اس نے اللہ تعالیٰ سے مجھے سلام کہنے کی اجازت مانگی (پھر مجھے سلام کہہ کر مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ۔ "سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ" حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔

(مستدرک حاکم مترجم جلد۴ صفحہ ۲۹۷ باب مناقب فاطمہ)۔

حدیث :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ تاہم جو حضرت مریم بنت عمران کی جو فضیلت ہے وہ اپنے مقام پر ہے۔

(مستدرک حاکم جلد۴ صفحہ ۳۰۳ باب مناقب فاطمہ)۔

حدیث :

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا اے فاطمہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو اور اس امت کی عورتوں کی سردار ہو اور تمام مومنین عورتوں کی سردار ہو۔

(مستدرک حاکم جلد ۴ مترجم صفحہ ۳۰۶ باب مناقب فاطمہ کتاب معرفۃ الصحابہ)۔

غور فرمائیے کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین لفظ ارشاد فرمائے ہیں۔

سیدۃ نساء العالمین۔ (عالمین کی عورتوں کی سیدہ)۔

سیدۃ نساء هذه الامۃ۔ (اس امت کی عورتوں کی سیدہ)۔

سیدۃ نساء المومنین۔ (تمام مومنین عورتوں کی سیدہ)۔

حدیث :

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي۔

(بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۵۳۲)۔

ترجمہ :

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سیدہ ہیں اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا اور غضب میں ڈالے گا وہ مجھ کو بھی غضب میں ڈالے گا۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں بغیر کسی استثناء کے سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اہل جنت کی عورتوں کی سیدہ فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی نسل حضرت فاطمہ سے جاری ہے :

سورۂ کوثر کی آخری آیت "إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝" کے متعلق تفسیر روح المعانی جلد ۳۰ صفحہ ۲۴۷ میں ہے کہ جب حضور سرور کائنات ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو عاص بن وائل نے بہت خوشی منائی اور کہا کہ محمد ﷺ لاولد اور منقطع النسل ہو گئے اس کے جواب میں خداوند قدوس نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے محمد ﷺ تمہارا دشمن ہی ابتر اور منقطع النسل ہوگا جس کا مفہوم صاحب تفسیر نے یہ لکھا کہ "وَأَمَّا أَنْتَ فَتَبْقَى ذُرِّيَّتُكَ" یعنی اے محمد ﷺ تمہاری نسل اور ذریت باقی رہے گی اب اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو آپ کی اولاد نہ کہا جائے تو آپ کا منقطع النسل ہونا لازم آئے گا، چنانچہ صاحب تفسیر فرماتے ہیں وَفِيهَا دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ أَوْلَادَ الْبَنَاتِ مِنَ الذُّرِّيَّةِ" یعنی یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ لڑکی کی اولاد ذریت اور اولاد میں داخل ہے اس لئے بنو فاطمہ کا اپنے آپ کو آل رسول اور اولاد رسول کہنا بالکل صحیح ہوا۔

اسی وجہ سے تمام علماء فقہاء اور متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ اولاد سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا دنیا کے تمام خاندانوں میں نسبی لحاظ سے اشرف اور افضل

بنو فاطمہ عرب کے تمام ہی خاندانوں میں افضل ترین ہیں :

(۱) تفسیر روح المعانی جلد ۲۶ صفحہ ۱۶۴ میں ہے :

ثُمَّ إِنَّ أَشْرَفَ الْعَرَبِ نَسَبًا أَوْلَادُ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا لِأَنَّهُمْ يَنْتَسِبُونَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْفُقَهَاءُ

یعنی تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ نسبی لحاظ سے عرب کے تمام خاندانوں میں سب سے زیادہ اشرف اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے، کیونکہ ان کا انتساب جناب رسول ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔

(۲) عین الہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۹ میں ہے، ورنہ بنو ہاشم اور ہاشمیوں میں سے

آنحضرت ﷺ اور آپ کی اولاد اطہار بلاشبہ افضل ہیں۔

بنو فاطمہ کو بواسطہ حضرت فاطمہ شرفِ جزئیت رسول حاصل ہے:

تفسیر روح المعانی جلد ۲۶ صفحہ ۱۶۵ میں علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے ....

قَالَ الشَّرِيْفُ السَّمْهُوْدِيُّ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ اَوْلَادَهَا بَضْعَةٌ مِنْهَا فَيَكُوْنُوْنَ بِوَاسِطَتِهَا بَضْعَةٌ مِّنْهَا ﷺ وَهٰذَا فِيْ غَايَةِ الشَّرَفِ لِاَوْلَادِهَا وَعَدَمِ اِنْقِطَاعِ نَسَبِهٖ ﷺ جَاءَ اَيْضًا فِيْ حَدِيْثٍ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا بِلَفْظِ كُلِّ نَسَبٍ وَّصِهْرٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت فاطمہ کی اولاد بواسطہ حضرت فاطمہ کے آنحضور ﷺ کا جز ہے جس سے اولاد فاطمہ کا انتہائی اشرف ہونا ثابت ہوتا ہے نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جزئیت رسول ﷺ کا سلسلہ نسب جاری ہے آپ کا نسب منقطع نہیں ہوا جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ ہر نسبی اور سببی رشتہ قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا مگر میرا نسبی اور سببی رشتہ باقی رہے گا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرات علماء جزئیت رسول کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ ابن عساکر کی اس روایت کی تائید مسند احمد اور مستدرک حاکم کی روایات ذیل سے بھی ہوتی ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وَقَدْ اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَلَا كَلَامَ فِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ يَقْبِضُنِيْ مَا يَقْبِضُهَا وَيَبْسُطُنِيْ مَا يَبْسُطُهَا وَاَنَّ الْاَنْسَابَ تَنْقَطِعُ كُلُّهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غَيْرَ نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ وَحَدِيْثُ بَضْعِيَّةِ فَاطِمَةَ مُخَرَّجٌ فِيْ صَحِيْحِ

الْبُخَارِيْ (تفسیر روح المعانی)۔

جن کو امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند اور حاکم نے مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرا ایک جزء ہے جس چیز سے اس کو ناگواری ہوگی اس سے مجھ کو بھی ناگواری ہوگی اور جس چیز سے اس کو خوشی ہوگی اس سے مجھ کو بھی خوشی ہوگی۔ اور تمام انساب قیامت کے روز منقطع ہو جائیں گے بجز میرے نسبی اور سببی رشتوں کے اور جزئیت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تو بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔

نیز تفسیر روح المعانی جلد ۱۸ صفحہ ۶۵ میں ہے ....

وَقِيْلَ لَا يَنْفَعُ نَسَبٌ يَوْمَئِذٍ اِلَّا نَسَبُهٗ ﷺ فَقَدْ اَخْرَجَ الْبَزَّارُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ وَالْحَاكِمُ وَالضِّيَاءُ فِي الْمُخْتَارِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ وَقَدْ اَخْرَجَ جَمَاعَةٌ نَحْوَهٗ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ الْمَخْرَمَةِ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا وَقَدْ اَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ نَحْوَهٗ مَرْفُوْعًا اَيْضًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ خَبَرٌ مَقْبُوْلٌ لَا يَكَادُ يَرُدُّهٗ اِلَّا مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ شَائِبَةُ نُصْبٍ نَعَمْ يَنْبَغِي الْقَوْلُ بِاَنَّ نَفْعَ نَسَبِهٖ اِنَّمَا هُوَ بِالنِّسْبَةِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ تَشَرَّفُوْا بِهٖ۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت کے روز سوائے حضور ﷺ کے اور کسی کا سبب کام نہیں آئے گا۔ چنانچہ بیہقی، طبرانی، بزار، ابو نعیم، حاکم، اور ضیاء نے مختارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ہر سببی اور نسبی رشتہ قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا۔ بجز میرے سببی اور نسبی رشتوں کے اور مسور بن مخرمہ سے اسی روایت کے مثل راویوں کی ایک جماعت نے مرفوعاً روایت کی ہے اسی طرح ابن عساکر نے بھی اسی کے مثل مرفوعاً

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث قابلِ قبول ہے اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جس کے اندر خارجیت کا اثر ہوگا۔ البتہ یہ ضرور کہا جائے گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا فائدہ مند ہونا انہی مؤمنین کے لئے ہوگا جو شرف ایمان رکھتے ہیں۔

حضرات فقہاء ومحدثین کا یہ اصول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کثیر التعداد راوی کسی حدیث کو نقل کرتے ہوں تو اگرچہ وہ طرق ضعیف ہی کیوں نہ ہوں ان کو درجۂ صحت دے کر قبول کر لیا جاتا ہے خصوصاً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جس کے متعلق صاحب تفسیر روح المعانی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو خارجی ہوگا روایت تو تقریباً صحیح ہے۔

لڑکی سے نسب جاری ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے :

بہر حال ان روایات کثیرہ جن کو درجۂ قبولیت حاصل ہے اور سورۂ کوثر کی آخری آیت جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ یہ سب جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بقاءِ نسب پر دلالت کر رہی ہیں اور بقاءِ نسب کے انکار کی صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منقطع النسب ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے بہت سے علماء محققین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے سلسلۂ نسب کے جاری ہونے کو آپ کی خصوصیت پر محمول فرما رہے ہیں۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۱۴ میں ہے.........

وَادَّعٰی بَعْضُهُمْ اَنَّ هٰذَا مِنْ خَصَائِصِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَدِ اخْتَلَفَ اِفْتَاءُ اَصْحَابِنَا فِیْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَالَّذِیْ اَمِیْلُ اِلَیْهِ اَلْقَوْلُ بِالدُّخُوْلِ

یعنی بعض علماء نے دعویٰ سے یہ بات کہی ہے کہ (لڑکی سے نسب کا جاری ہونا) جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ باقی اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے فتاویٰ مختلف ہیں لیکن میری رائے یہی ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ لڑکی کی اولاد نسل اور ذریت میں داخل ہے۔

(۲) حضرت مولانا شیخ محمد طاہر صاحب محدث گجراتی نور اللہ مرقدہ متوفی ۹۸۶ھ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے آپ کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار ہے جس میں مشکلات الحدیث کی تشریح کی گئی ہے۔ تمام علماء آج تک اس سے استفادہ کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ موضع پٹن ضلع میسانہ شمالی گجرات (پالنپور کے متصل) کے رہنے والے ہیں پٹن ہی میں آپ کا مزار ہے آپ صدیقی النسل ہیں اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں.......

كُلُّ بَنِیْ آدَمَ یَنْسِبُوْنَ اِلٰی عَصَبَةِ اَبِیْهِمْ اِلَّا وُلْدَ فَاطِمَةَ فَاَنَا اَبُوْهُمْ وَاَنَا عَصَبَتُهُمْ فِیْهِ اِرْسَالٌ وَضُعْفٌ وَلٰكِنَّ لَهٗ شَاهِدٌ عَنْ جَابِرٍ رَّفَعَهٗ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ ذُرِّیَّةَ كُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِهٖ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیٍّ وَّ بَعْضُهَا تُقَوِّیْ بَعْضًا وَقَوْلُ ابْنِ الْجَوْزِیْ اَنَّهٗ لَایَصِحُّ لَیْسَ بِجَیِّدٍ وَفِیْهِ دَلِیْلٌ لِاخْتِصَاصِهٖ بِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) کہ تمام لوگ اپنے باپ کے عصبہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں بجز فاطمہ کی اولاد کے کہ میں ان کا باپ ہوں اور ان کا عصبہ ہوں یہ حدیث اگرچہ مرسل بھی ہے اور اس میں ضعف بھی ہے۔ لیکن حضرت جابر کی روایت مرفوعہ اس کی شاہد ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے ہر نبی کی اولاد کو اس کی صلب میں رکھا اور میری اولاد کو علی کی صلب میں رکھا چونکہ اس روایت کے بعض طرق بعض کی تقویت کر رہے ہیں اس لئے ابن جوزی کا اس روایت کو صحیح نہ کہنا درست نہیں پھر یہ کہ اس حدیث میں دلیل بھی ہے کہ خصوصیت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے کہ آپ کی اولاد حضرت فاطمہ سے چلے گی۔

اب غور فرمائیے شیخ محمد طاہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو صدیقی النسل ہیں وہ بھی حضرت فاطمہ سے نسب کے جاری ہونے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بتلا رہے ہیں۔ ایک صدیقی النسل جو اعلیٰ درجہ کا محقق، محدث اور فقیہ ہے وہ اپنی تحقیق پیش کر رہا ہے۔ جو

یقیناً قابلِ قبول ہوگی۔

آیت قرآنی کے تحت حضرات حسنین ذریت رسول میں داخل ہیں :

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ اپنی تفسیر معارف القرآن پارہ ۷ صفحہ ۱۸۱ میں تحریر فرماتے ہیں اس میں ایک اشکال تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہوسکتا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دختری اولاد میں سے ہیں یعنی پوتے نہیں ہیں تو ان کو ذریت کہنا کیسے صحیح ہوگا اس کا جواب عام علماء وفقہاء نے یہ دیا ہے کہ لفظ ذریت پوتوں اور نواسوں دونوں کو شامل ہے اور اسی سے استدلال کیا ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما رسول کریم ﷺ کی ذریت میں داخل ہیں۔

فقہاء کے نزدیک بھی اولاد بنات اولاد میں داخل ہیں :

فتاویٰ عالمگیری میں ہے.........

وَلَوْ وَقَفَ عَلٰی نَسْلِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ دَخَلَ فِیْہِ اَوْلَادُ الْبَنِیْنَ وَ اَوْلَادُ الْبَنَاتِ قَرُبُوْا اَوْ بَعُدُوْا۔

اگر کسی شخص نے اپنی نسل اور اپنی ذریت پر کچھ وقف کیا تو اس میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی اولاد داخل ہوگی خواہ قریب کے ہوں یا دور کے۔

فتاویٰ عالمگیری کے اس مسئلہ کی رو سے اولاد فاطمہ کو اولاد رسول میں داخل کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو سید کہا ہے :

حدیث :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری والدہ نے مجھ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ سے کب ملے ہو میں نے کہا اتنی مدت ہوچکی ہے کہ میں ملاقات نہیں کرسکا وہ اس پر ناراض ہوگئیں اور مجھے برا بھلا کہا میں نے کہا مجھے اجازت دو میں حضرت نبی کریم

ﷺ کے پاس حاضر ہوکر آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتا ہوں اور عرض کروں گا کہ آپ میرے لئے اور آپ کے لئے بخشش کی دعا فرمائیں۔

چنانچہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مغرب کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی (پھر میں وہیں ٹھہرا رہا)۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد گھر کی طرف چلے پڑے تو میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے میری آواز سنی تو فرمایا کون؟ حذیفہ ہے" میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا کیا کام ہے اللہ تعالیٰ تجھ کو اور تیری والدہ کو معاف کرے اور فرمایا یہ فرشتہ ہے جو آج رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ وہ مجھ پر سلام عرض کرے اور مجھے بشارت دے کہ فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ اور حسن اور حسین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ (ترمذی)

حدیث :

حضرت سعید بن ابی سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے حسن بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے انہوں نے آتے ہی سلام کیا ہم نے سلام کا جواب دیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے آنے کا علم نہ ہوا ہم نے ان کو بتایا کہ حسن بن علی سلام کہہ رہے ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور ان کو سلام کا یوں جواب دیا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا سَیِّدِیْ پھر بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ سید ہیں۔ حاکم اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ۔

(مستدرک حاکم مترجم جلد ۴ صفحہ ۳۲۶ کتاب معرفۃ الصحابہ رضی اللہ عنہ)۔

حدیث :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن

علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گرہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔

(مستدرک حاکم جلد نمبر صفحہ ۳۳۹ کتاب معرفۃ الصحابہ)۔

جب سیدہ کا لقب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لئے اور سید کا لقب حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو اب یہ لقب (سید) ان پر اور ان کی اولاد پر بولا جائے گا۔ اور امت کے عمل سے یہ ہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی پر جمہور کا عمل ہے۔ اور ان روایات کو تلقی بالقبول حاصل ہے اگر ان کے علاوہ کسی اور شخص کو بھی سید کہا گیا ہے تو وہ لغوی اعتبار سے سمجھا جائے گا۔ اور سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے سید ہونے پر اُمت کا متواتر عمل چلا آرہا ہے۔ اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے تو غلط نہ ہوگا۔

اہل بیت کے فضائل قرآن میں

پہلی آیت :

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾۔ (پارہ نمبر ۲۲، سورۃ الاحزاب)۔

ترجمہ :

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے۔

اس آیت میں اہل بیت کی بہت بڑی فضیلت کا ذکر ہوا ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں۔

اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ :

اس بات کی تعیین میں مفسرین کا کچھ اختلاف ہے بعض نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مراد لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق وسباق سے واضح ہے قرآن نے یہاں ازواج مطہرات ہی کو اہل بیت کہا ہے قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ ہود آیت ۷۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾۔

ترجمہ :

فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے تم پر اے اس گھر کے

لوگو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں بے شک اللہ حمد وثنا کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔

اس لئے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔

بعض حضرات بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں۔ اور ازواجِ مطہراتؓ کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں۔ جب کہ اول الذکر ان اصحاب اربعہ کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں۔ تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں ازواج مطہرات تو نصِ قرآنی کی وجہ سے اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۱ :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم ﷺ پر ایک منقش (نقش ونگار والی) سیاہ چادر تھی اور آپ دن چڑھے باہر نکلے اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے وہ بھی اس میں داخل ہوگئے پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ نے ان کو بھی داخل کرلیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے ان کو بھی داخل کرلیا اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ اے اہل بیت اللہ تعالیٰ تم سے پلیدی دور کر کے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ کتاب فضائل الصحابہ الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)۔

یہ مسلم شریف کی صحیح حدیث ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء میں اس حدیث کو متواتر لکھا ہے۔

حدیث نمبر۲ :

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت امام

ن، امام حسین، حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کو چادر اوڑھا کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور میرے حمایتی ہیں ان کی پلیدی کو دور فرما ان کو خوب پاک وصاف کر دے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر درخواست کی کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا تم بھی اچھے مقام پر ہو۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۷)۔

اس حدیث سے ان چاروں حضرات کا خصوصی طور پر شرف ثابت ہوتا ہے۔

حدیث نمبر۳ :

مسند احمد مترجم جلد ۷ مسند الشامیین صفحہ ۲۷ میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے بھی یہ واقعہ مروی ہے۔

قرآن وسنت کے مختلف دلائل کی روشنی میں علماء امت نے تمام دلائل میں غور کر کے اہل بیت کی تین قسمیں بنائی ہیں۔ جس سے تمام دلائل کا تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے اور ہر آدمی کے لئے عمل کرنے کی راہ بھی نقل آتی ہے۔ آدمی کسی کی توہین وتنقیص کرنے سے بھی بچ جاتا ہے۔

پہلی قسم...... سکنی اہل بیت۔
دوسری قسم...... نسبی اہل بیت۔
تیسری قسم...... اعزازی اہل بیت۔

۱)...... سکنی اہل بیت یعنی گھر میں قیام رکھنے والے اس میں حضور اکرم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات داخل ہیں۔

۲)...... نسبی اہل بیت جن کا حضور اکرم ﷺ سے نسبی ونسلی تعلق ہے اس میں حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت علی، حضرت حسنین کریمین یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

۳)...... اعزازی اہل بیت اس میں وہ تمام ہستیاں شامل ہیں جن کو حضور اکرم ﷺ نے اپنی آل میں بطور اعزاز واکرام کے شامل فرمایا جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ''سلمان منا آل البیت ''یعنی سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے۔ حضرت اسامہ کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ''اسامة منا آل البیت ''یعنی اسامہ ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔

تمام متقی پرہیزگار مومن لوگوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ''کل تقی آل محمد ''یعنی ہر متقی مومن محمد ﷺ کی آل ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۶۹)

علماء کرام کی اس تطبیق سے تمام دلائل اپنی اپنی جگہ سیٹ ہو جاتے ہیں۔

دوسری آیت :

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ ۔

آپ (ان سے) یوں کہیے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دینگے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔ (پارہ ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر :

فائدہ نمبر ۳ :

یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات وفلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی وخاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ میرا کہنا یہ ہے کہ تم اگر میری بات نہیں مانتے نہ مانو۔ میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی لیکن کم از کم قرابت ورحم کا خیال کر کے ظلم واذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں۔ کیا اتنی

دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔

تنبیہ :

آیت کے یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیحین (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الشوریٰ ۲۳ باب اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى، مشاق) میں منقول ہے بعض سلف نے ''(اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى)'' کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی محبت کرو اور حق قرابت کو پہچانو اور بعض نے ''قُرْبٰى'' سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو خدا سے قریب کرنے والے ہوں مگر صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے۔ بعض علماء نے ''مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى'' سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا، بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم ﷺ کی محبت وتعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم وواجب اور جزء ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایات صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور ﷺ کی شانِ رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا، واللہ اعلم۔

(تفسیر عثمانی پارہ ۲۵ سورۃ شوریٰ صفحہ ۶۳۰ حاشیہ ۳)۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ....

آلِ رسول ﷺ کی تعظیم ومحبت کا مسئلہ :

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی خدمت کے معاوضہ میں قوم سے اپنی اولاد کی محبت وعظمت کے لئے کوئی درخواست نہیں کی اس کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں کہ اپنی جگہ آل رسول مقبول ﷺ کی محبت وعظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ومحبت کا ساری کائنات

سے زائد ہونا جزوِ ایمان بلکہ مدارِ ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ ﷺ سے ہے اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانے سے واجب ولازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قرابت حاصل ہے۔ اس لئے ان کی محبت بلاشبہ جزوِ ایمان ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواجِ مطہرات اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو رسول ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قربت اور قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کردیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ محبِ اہل بیت وآلِ رسول اللہ ﷺ کا مسئلہ امت میں کبھی زیرِ اختلاف نہیں رہا۔ باجماع واتفاق ان کی محبت وعظمت لازم ہے۔ اختلاف وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ آلِ رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو ان کی محبت وعظمت عین سعادت واجر وثواب ہے اور چونکہ بہت لوگ اس میں کوتاہی برتنے لگے۔ اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اشعار میں اس کی سخت مذمت فرمائی وہ اشعار یہ ہیں اور درحقیقت یہی جمہورِ امت کا مسلک ومذہب ہے۔

یَارَاکِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِّنًی ۔۔۔ وَاهْتِفْ بِسَاكِنِ خَيْفِهَا وَالنَّاهِضِ

سَحَرًا اِذَا فَاضَ الْحَجِيْجُ اِلٰى مِنًى ۔۔۔ فَيْضًا كَمُلْتَطِمِ الْفُرَاتِ الْفَائِضِ

اِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّيْ رَافِضِيْ

ترجمہ:

اے شہ سوار منیٰ کی وادی محصب کے قریب رک جاؤ اور جب صبح کے وقت عازمین حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح منیٰ کی طرف روانہ ہو تو اس علاقے کے ہر باشندے اور ہر راہرو سے پکار کر یہ کہہ دو کہ اگر صرف آلِ محمد ﷺ کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو اس کائنات کے تمام جنات اور انسان گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ہفتم صفحہ ۶۹۱، ۶۹۲)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار تفسیر روح المعانی اور تحفہ اثناعشریہ وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

تیسری آیت:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾۔

ترجمہ:

تو تو کہہ دے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔ (پارہ ۳ سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۶۱)۔

اس آیت کی تفسیر حدیث سے:

حدیث:

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص سے ایک لمبی حدیث نقل فرمائی ہے جس میں یوں منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ" (اے نبی کریم) فرما دیجیے۔ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ...... تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، سیدہ فاطمہ، اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

(مسلم فضائل الصحابہ باب فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں......

فائدہ ۱:

آیت میں اپنے تن سے مراد تو خود اہل مباحثہ ہیں اور نساء سے خاص زوجہ مراد نہیں، بلکہ اپنے گھر کی تمام عورتیں مراد ہیں جس میں دختر بھی شامل ہے چنانچہ آپ بوجہ

اس کے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سب اولاد میں زیادہ عزیز تھیں۔ ان کو لائے اس طرح "اَبْنَآءَ نَا" سے خاص صلبی اولاد مراد نہیں بلکہ عام ہے۔ اولاد کی اولاد کو بھی اور ان کو بھی جو مجازاً اولاد کہلاتے ہوں یعنی عرفاً مثل اولاد کے سمجھے جاتے ہوں اس مفہوم میں نواسے اور داماد بھی داخل ہیں۔ چنانچہ آپ حضرات حسنین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو لائے۔ (قرآن پاک مترجم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ناشر تاج کمپنی حوالہ ۶۴، صفحہ ۵۱)۔

چوتھی آیت :

آدمی کا نسبی اور سسرالی رشتے کا ذکر قرآن میں :

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿54﴾۔

اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے (نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا۔ (ترجمہ حکیم الامت)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

چنانچہ باپ دادا وغیرہ شرعی خاندان اور ماں، نانی وغیرہ عرفی خاندان ہیں جن سے پیدائش کے ساتھ ہی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں پھر شادی کے بعد سسرالی رشتے پیدا ہو جاتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ....

نسب :

اس رشتہ اور قرابت کو کہا جاتا ہے۔ جو باپ یا ماں کی طرف سے ہو اور صہر وہ رشتہ و تعلق ہے جو بیوی کی طرف سے ہو جس کو عرف میں سسرال بولتے ہیں۔ یہ سب تعلقات اور قرابتیں اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں جو انسان کی خوشگوار زندگی کے لئے لازمی ہیں۔ اکیلا آدمی کوئی کام نہیں کرسکتا۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ۶ صفحہ ۴۸۰، ۴۸۶)۔

چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سسرالی

رشتے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیوں (حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما) کو آپ کی ازواج مطہرات میں سے ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو آپ کے داماد ہونے کا شرف حاصل تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو دوہرے داماد تھے کہ پہلے ان کی شادی آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ سے ہوئی رضی اللہ عنہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کا شرف حاصل ہوا اسی بناء پر ان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

اگر رشتے داریاں فضول ہوتیں تو قرآن اس کو بیان نہ فرماتا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا رسول اللہ کے سسر ہونے پر ہم سنی فخر کرتے ہیں اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دماد ہونے پر ہم فخر کرتے ہیں۔ یہ سب خاندانی شرافت ہی کی وجہ سے ہے۔

پانچویں آیت :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴿21﴾۔

ترجمہ : اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پارہ ۲۷ سورۂ طور آیت ۲۱)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ....

یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور ان ہی کاموں کی راہ پر چلیں۔ جو خدمات ان کے بزرگوں نے انجام دی تھیں یہ بھی ان کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں ان ہی کے ساتھ ملحق کر دے گا گو ان کے اعمال اور احوال ان کے اعمال و احوال سے کماً و کیفاً فروتر ہوں تاہم ان بزرگوں

کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائے گا۔ اور ممکن ہے بعض کو بالکل ان ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دیا جائے گا؟ نہیں! یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا ابھار کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔

تنبیہ :

احقر نے وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ کا جو مطلب لیا ہے صحیح بخاری کی یہ حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ قَالَتِ الْاَنْصَارُ (یا رسول اللہ) اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ اَتْبَاعًا وَ اِنَّا قَدْ اتَّبَعْنَاكَ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ اَتْبَاعَنَا مِنَّا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَتْبَاعَهُمْ مِنْهُمْ۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۶۸۰)۔

اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ جب عام مومنین جنت میں اپنی اولاد کے ساتھ رہیں گے تو پھر حضور اکرم ﷺ کی اولاد کا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔ دوسرے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نسب کا کوئی قاعدہ نہیں ان کا رد بھی اس آیت سے ہو گیا۔

چھٹی آیت :

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ﴿۸۲﴾۔

ترجمہ :

اور رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا (جو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے)۔ اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے وہ) ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں۔ (پارہ ۱۶ سورۃ

الکہف آیت ۸۲)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں ....

یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور ہدایت لوگ اٹھا لیتے بچوں کا باپ مرد صالح تھا اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پا لیں کہتے ہیں اس خزانے میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر "محمد رسول اللہ" (ﷺ) لکھا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۳۹۲)۔

اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ لڑکوں کا باپ نیک آدمی تھا اور باپ کے نیک ہونے کی وجہ سے ان کو فائدہ پہنچا۔ تو اس آیت سے ثابت ہوا کہ ماں باپ کے نیک ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد کو فائدہ ہوتا ہے۔

محمد ابن منکدر نے فرمایا ....

اللہ تعالیٰ بندے کی نیکی سے اس کی اولاد کو اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے کنبہ والوں کو اور اس کے محلہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔

مولانا محمد اسماعیل حقی حنفی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں ....

حرم شریف کے کبوتر اس کبوتری کی اولاد ہیں جس نے ہجرت کی رات غارِ ثور پر انڈے دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کبوتری کی برکت سے اس کی اولاد کا اتنا احترام فرمایا۔ تو قیامت تک حضور ﷺ کی اولاد کا کتنا احترام ہوگا۔

ساتویں آیت :

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ ۔

ترجمہ :

اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔ (پارہ

۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۵)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں.................

یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان اُن میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو کیسی دردناک سزا دلواتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۶۶۷)۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ صرف مسلمانوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کو روک لیا۔

آٹھویں آیت :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴿۴۱﴾۔

ترجمہ :

اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطورِ غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا ہے۔ اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے۔ اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے۔ (پارہ ۱۰ سورۃ الانفال آیت ۴۱)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عثمانی لکھتے ہیں.................

فائدہ نمبر ۱ :

آغاز سورۃ میں فرمایا تھا "قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مالِ غنیمت کافروں سے لڑکر ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں.........

۱)...... اپنی ذات پر۔

۲) اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مدز کوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا۔

۳) یتیموں پر۔

۴) حاجت مند مسلمانوں پر۔

۵) مسافروں پر۔

پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے حنفیہ کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے کیونکہ حضور (ﷺ) کی رحلت کے بعد حضور ﷺ کی ذات کا خرچ نہیں رہا۔ اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور ﷺ کی نصرت قدیمہ کی بنا پر ملتا تھا۔ البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور ﷺ کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد امیر المؤمنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس میں سے ملنا چاہیے، واللہ اعلم۔

بعض روایات میں ہے کہ جب غنیمت میں سے خمس (اللہ تعالیٰ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم ﷺ اول اس میں کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکال لیتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی، پارہ نمبر ۱۰، سورۃ الانفال، آیت نمبر ۴۱، صفحہ نمبر ۲۳۵)۔

اس آیت سے بھی حضورِ اکرم ﷺ کے خاندان اور قرابت داروں کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ سب مسلمان برابر ہیں وہ اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔

فضائل اہل بیت احادیث کی روشنی میں

حدیث نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے اس لئے اس سے محبت کرو۔ اور اللہ کی محبت کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے لئے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔ (مستدرک حاکم جلد۴ مترجم صفحہ ۲۹۵ کتاب معرفۃ الصحابہ، ترمذی ابواب المناقب باب مناقب اہل بیت جلد۲ صفحہ ۲۱۹/ معجم طبرانی جلد۳ صفحہ ۴۲/ شعب الایمان جلد۲ صفحہ ۱۳)۔

حدیث نمبر۲:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جو شخص میرے اہل بیت سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں ڈالے گا۔ (مستدرک حاکم مترجم جلد۴ صفحہ ۲۹۵)۔

حدیث نمبر۳:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ....

كُلُّ سَبَبٍ وَ نَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ ۔ قیامت کے دن ہر واسطہ اور نسبی تعلق ختم ہو جائے گا البتہ میرا واسطہ اور نسبی تعلق قائم رہے گا۔ (المعجم الكبير للطبرانی حديث نمبر ۲۶۳۳ و ۲۶۳۵ بحواله سلسلة الاحاديث الصحيحة حديث نمبر ۲۰۳۶)۔

یہ حدیث ابن عباس، حضرت عمر، ابن عمر، مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اس حدیث کے متعلق شیخ ناصر الدین البانی غیر مقلد فرماتے ہیں.........

"مختصر بات یہ ہے کہ یہ حدیث کثرتِ اسانید کی بنا پر صحیح ہے"۔ (سلسلة الاحاديث الصحيحه)۔

حدیث نمبر۴:

حضرت عمر بن حزم ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے (یعنی درود پڑھا کرتے تھے)۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ وَعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ وَعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے اللہ! محمد ﷺ ان کے اہل بیت یعنی ازواج مطہرات اور اولاد پر اپنی رحمتیں اسی طرح نازل فرما جیسے آلِ ابراہیم پر نازل فرمائیں۔ بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے اور محمد ﷺ ان کے اہل بیت یعنی ازواج مطہرات اور اولاد پر اپنی برکتیں اسی طرح نازل فرما جیسے آلِ ابراہیم پر نازل فرمائیں، بے شک تو قابل تعریف و بزرگی والا ہے۔ (مسند احمد مترجم جلد دہم صفحہ ۳۶۷ مسند الانصار)۔

حدیث نمبر۵:

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حسن (مثنیٰ) بن حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ان کی بیٹی سے اپنے لئے پیغام نکاح بھیجا۔ انہوں نے قاصد سے کہا کہ حسن (مثنیٰ) سے کہنا کہ وہ عشاء میں مجھ سے ملیں، جب ملاقات ہوئی تو مسور رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور اما بعد کہہ کر فرمایا خدا کی قسم! تمہارے نسب اور سسرال سے زیادہ کوئی حسب ونسب اور سسرال مجھے محبوب نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس چیز سے وہ تنگ ہوتی ہے میں بھی تنگ ہوتا ہوں اور جس چیز سے وہ خوش ہوتی ہے میں بھی خوش ہوتا ہوں اور قیامت کے دن میرے حسب و

نسب اور سسرال کے علاوہ سب نسب ناطے ختم ہو جائیں گے۔

آپ کے نکاح میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ (صغریٰ) آپ کے نکاح میں تھیں۔ یہاں پر فاطمہ کی بیٹی سے مراد آپ کی پوتی ہیں) پہلے سے ہے اگر میں نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا تو رسول اللہ ﷺ تنگ ہوں گے۔ یہ سن کر حسن مثنیٰ نے ان کی معذرت قبول کر لی اور واپس چلے گئے۔ (مسند امام احمد بن حنبل مترجم جلد ۸ صفحہ ۲۹۵، مسند الکوفیین مطبوعہ رحمانیہ لاہور، حدیث نمبر ۱۹۱۳۸ و ۱۹۱۱۴۔ مستدرک حاکم مترجم جلد ۴ صفحہ ۳۰۹ حدیث ۴۷۴۷)۔

حدیث نمبر ۶ :

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو فضیلت دی پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی۔ پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم میں سے مجھے فضیلت دی۔ (مسند احمد مترجم جلد ۲ و مسند الشامیین۔ مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی ﷺ)۔

حدیث نمبر ۷ :

زید بن حیان کہتے ہیں کہ میں حصین بن بسرہ اور عمرو بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جب ہم ان کے پاس بیٹھے تو حصین نے کہا اے زید آپ کو بہت خیر کثیر حاصل ہوئی آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ ان کی حدیث سنی ان کے ہمراہ جہاد کیا اور ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔ اے زید! آپ ہم کو رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنایئے۔ حضرت زید نے کہا اے بھتیجے بخدا اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور ایک مدت گزر گئی اور رسول اللہ ﷺ کی جو احادیث مجھے یاد تھیں ان میں سے بعض کو میں بھول گیا سو جو حدیث میں تم کو بیان کروں اس کو قبول کر لو اور جس کو میں نہ بیان کروں اس کا تم مجھے مکلف نہ کرو۔ پھر انہوں نے کہا ایک دن

رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لئے مدینہ اور مکہ کے درمیان اس تالاب پر اترے ہوئے جس کو غدیر خم کہتے ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا اے لوگو! سنو میں ایک بشر ہوں عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا (یعنی فرشتۂ اجل) میرے پاس آئے گا۔ اور میں اس کو لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اللہ کی کتاب پر عمل کرو اور اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ پھر آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف رغبت دلائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ حصین نے کہا اے زید آپ کے اہل بیت کون ہیں؟۔ کیا آپ کی ازواج اہل بیت سے نہیں ہیں آپ نے فرمایا آپ کی ازواج بھی اہل بیت سے ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام کر دیا گیا، کہا وہ کون ہیں؟۔ کہا وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر، آلِ عباس ہیں۔ حصین نے کہا ان سب پر صدقہ حرام ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل الصحابۃ باب فضائل علی بن ابی طالب/مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، نسائی، ترمذی)۔

اس حدیث میں جن لوگوں پر صدقہ حرام بتایا گیا ہے ان میں صرف چار خاندانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ عباس جبکہ ازواجِ مطہرات اور آلِ حارث پر بھی صدقہ حرام ہے۔ اس حدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے دوسری احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

ازواجِ مطہرات پر بھی صدقہ حرام ہے

حدیث نمبر ۸ :

ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت خالد بن سعید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر صدقہ کی ایک گائے بھیج دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسے واپس لوٹا دیا اور فرمایا اِنَّا آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ لَاتَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ ۔ہم آلِ محمد ﷺ کے لئے صدقہ حلال نہیں۔(مصنف ابن ابی شیبہ باب لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ علی بنی هاشم)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ کی تمام ازواجِ مطہرات لفظ آل کے تحت داخل ہیں۔دوسرے ان پر بھی صدقہ حرام ہے جس طرح آلِ جعفر، آلِ عقیل آلِ عباس پر صدقہ حرام ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ پر بھی صدقہ حرام ہے

حدیث نمبر۹ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے گھر جاتا ہوں اور وہاں اپنے بستر پر ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھتا ہوں اسے کھانے کے لئے اٹھاتا ہوں پھر اس خدشہ سے اس کو پھینک دیتا ہوں کہ کہیں یہ کھجور صدقہ کی نہ ہو۔(مسلم کتاب الزکوۃ باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ)۔

حدیث نمبر۱۰ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھو تھو، اسے پھینک دو۔کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔(مسلم کتاب الزکوۃ باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ)۔

حدیث نمبر۱۱ :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک کھجور پائی آپ نے فرمایا اگر یہ صدقہ کی نہ ہوتی تو میں کھالیتا۔(مسلم کتاب الزکوۃ باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ)۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ پر بھی صدقہ حرام ہے۔اور آپ

کی اولاد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر صدقہ حرام ہے۔

آلِ حارث پر بھی صدقہ حرام ہے

حدیث نمبر۱۲ :

عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ بن حارث اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما جمع ہوئے اور انہوں نے کہا بخدا اگر ہم ان دو لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیں (یہ میرے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق کہا) اور یہ دونوں رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ آپ ان دونوں کو زکوۃ وصول کرنے پر عامل بنادیں اور یہ دونوں آپ کو اس طرح لاکر دیں جس طرح اور لاکر دیتے ہیں اور جو اور لوگوں کو ملتا ہے وہ ان لوگوں کو بھی مل جائے۔

اسی اثنا میں حضرت علی بن ابی طالب بھی آکر کھڑے ہو گئے انہوں نے حضرت علی سے بھی اس بات کا تذکرہ کیا حضرت علی نے فرمایا ایسا مت کرو آپ اس طرح کرنے والے نہیں ہیں۔اس پر ربیعہ بن حارث حضرت علی کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا خدا کی قسم کہ تم صرف حسد کی بنا پر ایسا کہہ رہے ہو، تمہیں رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہے ہم تو اس بنا پر تم سے حسد نہیں کرتے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا ان دونوں کو روانہ کردو ہم دونوں چلے گئے اور حضرت علی لیٹ گئے جب رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو ہم آپ سے پہلے حجرے میں جا پہنچے اور آپ کے تشریف لانے تک حجرے کے پاس کھڑے رہے۔آپ تشریف لائے اور ہم دونوں کے کان پکڑے اور فرمایا جو تمہارے دل میں ہے اسے بتلا دو پھر آپ اور ہم حجرے میں چلے گئے۔

اس دن آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے ہم نے ایک دوسرے سے بات کرنے کا کہا پھر ہم میں سے ایک نے گفتگو کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سب سے زیادہ احسان اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔اور ہم نکاح کے قابل ہو گئے ہیں

ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ ہمیں ان بعض صدقات پر عامل بنادیں ہم بھی آپ کو مال وصول کر کے لاکر دیں جیسا کہ اور لوگ لاکر دیتے ہیں اور ہم کو بھی اس میں سے اسی طرح حصہ مل جائے جیسا کہ لوگوں کو ملتا ہے۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کافی دیر تک خاموش رہے حتی کہ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم آپ سے اس بارے میں بات کریں اور حضرت زینب ہمیں پردہ کے پیچھے سے بات نہ کرنے کا اشارہ کررہی تھیں ربیعہ کہتے ہیں کہ پھر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَنبَغِیْ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ ۔آلِ محمد کو صدقہ استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ لوگوں کا میل ہوتا ہے۔ تم محمیہ کو بلاؤ (وہ خمس پر مامور تھے) نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلاؤ وہ دونوں آگئے آپ نے محمیہ سے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح اس لڑکے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے کردو۔ انہوں نے (اپنی لڑکی کا) اس سے نکاح کردیا اور نوفل بن حارث سے فرمایا اس لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کردو۔ انہوں نے (اپنی لڑکی کا) مجھ سے نکاح کردیا اور آپ نے محمیہ سے فرمایا ان کو اتنا اتنا مہر خمس سے دے دو۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ باب تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ)۔

اس حدیث سے آلِ حارث پر بھی صدقہ کے حرام ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ عبدالمطلب ربیعہ کے بیٹے ہیں اور ربیعہ حارث کے اور حارث عبدالمطلب کے اور عبدالمطلب ہاشم کے۔ اس طرح حارث کی نسل بھی بنو ہاشم میں شامل ہے۔ جن پر زکوٰۃ صدقہ حرام ہے۔

حدیث نمبر ١٣ :

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع میں عرفہ کے روز اپنی اونٹنی القصواء پر بیٹھ کر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ اس وقت آپ یہ فرمارہے تھے ''اے لوگو! میں نے تمہارے اندر وہ کچھ چھوڑا ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور میری

اولاد میرے اہل بیت''۔ (ترمذی جلد ٢ صفحہ ٢١٩ باب مناقب اہل البیت)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ اس مفہوم کی روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ملاحظہ فرمائیں

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں تمہارے اندر وہ کچھ چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو گمراہ نہ ہوں گے ان میں سے ایک شئے دوسری سے بڑی ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب جو الٰہی رسی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور میری اولاد یعنی میرے گھر والے لوگ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز الگ نہ ہوں گے جب تک کہ وہ دونوں حوض کوثر پر مجھ سے آکر نہ مل لیں، پس دیکھو کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ (ترمذی جلد ٢ صفحہ ٢١٩ باب مناقب اہل البیت/ مستدرک حاکم)۔

حدیث نمبر ١٤ :

عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اس وقت وہ غصے کی حالت میں تھے اور اس وقت میں بھی آپ ﷺ کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا آپ کو کس شخص نے غصہ دلایا ہے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! قریش کو کیا ہوگیا ہے؟ جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو خوشی خوشی ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ان کا چہرہ بدل جاتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ کو غصہ آگیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں ایمان اس قوت تک داخل نہیں ہوتا جب تک وہ تم سے اللہ و رسول کی بنا پر محبت نہیں کرتا۔ پھر فرمایا اے لوگو! جس نے اذیت دی میرے چچا کو اس نے مجھے اذیت دی اس لئے کہ چچا آدمی کا مثل باپ کے ہے۔ (ترمذی ابواب المناقب، باب مناقب ابی الفضل عم النبی ﷺ / مسند احمد، جلد ا صفحہ ٢٠٧ / مستدرک حاکم جلد ٤ صفحہ ٨٥)۔

حدیث نمبر ۱۵ :

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کعبۃ اللہ کا دروازہ پکڑ کر بولے جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میں ابوذر ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال وہی ہے جو نوح علیہ السلام کی قوم میں ان کی کشتی کی تھی، جو اس میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا اور جو رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ (مستدرك حاكم مترجم جلد ۴ صفحه ۲۹۷ كتاب معرفة الصحابه باب مناقب اهل رسول الله ﷺ، مشكوٰة جلد ۲ صفحه ۵۹۵، كشف الاستاد للهيثمی جلد ۳ صفحه ۲۲۱، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحه ۱۶۸ ۔ امام احمد بن حنبل كتاب فضائل الصحابه جلد ۲ صفحه ۷۸۶۔ طبرانی الصغير جلد ۲ صفحه ۲۲ و جلد ۱ صفحه ۱۳۹)۔

حدیث نمبر ۱۶ :

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کا سخت غضب (عذاب) ہو گا جو میرے گھرانے کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ (کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۔ الصواعق المحرقه صفحہ ۸۶، ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ)۔

حدیث نمبر ۱۷ :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تمام تعلق و نسب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے تعلق اور نسب کے۔ (حلیة الاولیاء جلد ۷ صفحہ ۳۱۴)۔

یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور بعض روایات میں کچھ الفاظ کا فرق بھی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۵۱، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۷۳۔ فیض القدیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۔ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۲۳

ائر العقبیٰ صفحہ ۳۸۔ کنزل العمال جلد ۱ صفحہ ۹۸۔ تاریخ بغداد جلد ۶ صفحہ ۱۸۲۔ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۸)۔

حدیث نمبر ۱۸ :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک عنقریب مجھے (اللہ کی طرف سے روانگی کے لئے) بلایا جائے گا تو میں دنیا سے پردہ فرما جاؤں گا اور بے شک میں تم میں دو بڑی شان والی چیزیں چھوڑنے والا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت میرے گھر والے (ازواجِ مطہرات اور اولاد) اور بے شک (اللہ) لطیف و خبیر ذات نے مجھے بتایا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آملیں گی تو دیکھو تم میرے بعد ان کے بارے میں کیسا برتاؤ کرتے ہو؟۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۹۳، مسند ابی یعلی جلد ۲ صفحہ ۶)۔

حدیث نمبر ۱۹ :

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبدالمطلب کی اولاد میں نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگی ہیں ایک یہ کہ وہ تمہارے دلوں کو (اسلام پر) ثابت و قائم رکھے اور دوسری یہ کہ تمہارے جاہل اور ان پڑھ کو دین کا علم دے اور تمہارے بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھائے اور تیسری یہ دعا کی ہے کہ تمہیں کریم و سخی بنائے۔ آپس میں مہربان کر دے۔ تو اگر ایک شخص رکن اور مقام (یعنی رکن یمانی اور مقام ابراہیم مراد ہے) کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور روزہ رکھے پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ حضرت محمد ﷺ کے گھرانے والوں سے بغض رکھتا ہو تو وہ دوزخ میں داخل ہو گیا۔ (معجم کبیر طبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۶۱)۔

حدیث نمبر ۲۰ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی ہاشم اور انصار سے بغض کفر اور اہل عرب سے بغض منافقت ہے۔ (معجم الکبیر طبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸)۔

امام ابن عدی نے بھی اپنی سند کے ساتھ ''الاکلیل'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے اہل بیت کے ساتھ بغض رکھا وہ منافق ہے۔ (جواہر العقدین جلد ۲ صفحہ ۲۵)۔

امام احمد بن حنبل نے المناقب میں اس حدیث کے الفاظ یوں نقل کئے ہیں ''من ابغضنا اھل البیت منافق'' کہ جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

حدیث نمبر ۲۱ :

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ بن خدیج سے فرمایا۔ اے معاویہ بن خدیج اپنے آپ کو ہمارے ساتھ بغض رکھنے سے بچانا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے ساتھ جو بھی بغض رکھے گا ہمارے ساتھ حسد کرے گا قیامت کے دن حوضِ کوثر سے آگ کے کوڑوں کے ساتھ دور کیا جائے گا۔ (المعجم طبرانی جلد ۳ صفحہ ۸۱۔ المعجم الاوسط طبرانی جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)۔

حدیث نمبر ۲۲ :

امام ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے گھر والوں اور انصار کا حق نہ پہچانا اس میں تین باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ یا تو وہ منافق ہوگا یا زنا کی پیداوار ہوگا یا ناپاکی کا بچہ ہوگا۔ یعنی اس (بچہ) کی ماں ناپاکی کی حالت میں حاملہ ہوئی ہوگی۔ (الکامل لابن عدی جلد ۳ صفحہ ۱۰۶۔ شعب الایمان جلد ۲ صفحہ ۲۳۲۔ الفردوس جلد ۳ صفحہ ۶۲۶۔ امام سمہودی نے جواہر العقدین میں اس حدیث کو امام ابوالشیخ

کی کتاب کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

حدیث نمبر ۲۳ :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرماتے ہوئے جو آخری بات فرمائی وہ یہ تھی کہ تم میرے بعد میرے گھر والوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ (مجمع الزوائد للھیثمی جلد ۹ صفحہ ۱۶۳)۔

حدیث نمبر ۲۴ :

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے اس حال میں جاملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا ہوگا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں داخل ہوگا اور مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی بندے کو اس کا نیک عمل جو اس نے کیا فائدہ نہ دے گا جب تک وہ ہمارا حق نہ پہچانے گا۔ (معجم الاوسط طبرانی جلد ۳ صفحہ ۱۲۲)۔

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں

اہل بیت کے حق کو پہچاننے سے مراد ان کے نبی ﷺ کے ساتھ قریبی تعلق کو پہچاننا ہے جو اس تعلق کو پہچانے گا وہ اس وجہ سے ان کے حق واحترام کے لزوم و وجوب کو جان لے گا۔ (شفا شریف جلد ۲ صفحہ ۴۸)۔

حدیث نمبر ۲۵ :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا جس میں آپ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! جس نے ہمارے اہل بیت کے ساتھ بغض رکھا قیامت کے دن اللہ اسے یہودی کر کے اٹھائے گا۔ (المعجم الاوسط جلد ۵ صفحہ ۱۴)۔

حدیث نمبر ۲۶ :

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

ستارے آسمان والوں کے لئے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لئے امان ہیں۔(المطالب العالیہ ابن حجر عسقلانی جلد۴ صفحہ ۲۶۲۔ مختصر اتحاف السادۃ المھمرہ للبوصیری جلد۵ صفحہ ۲۱۰۔ نوادر الاصول حکیم ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۹۹۔ المعجم الکبیر جلد ۷ صفحہ ۲۲۔ المعرفۃ والتاریخ فسوی جلد ۱ صفحہ ۵۳۸۔ ذخائر العقبیٰ طبری صفحہ ۴۹ شیخ علی متقی کنز العمال جلد۱۲ صفحہ ۱۰۱۔ مسند رویانی جلد۲ صفحہ ۲۵۳)۔

حدیث نمبر۲۷ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں تم ان (کو مضبوطی سے تھامنے) کے بعد کبھی نہیں بھٹکو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری چیز میرا نسب ہے اور یہ دونوں ایک دوسری چیز سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آملیں گی۔ (کشف الاستار للھیثمی جلد۳ صفحہ ۲۲۳۔ مجمع الزوائد جلد۹ صفحہ ۱۶۳)۔

حدیث نمبر ۲۸ :

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر شئی کی بنیاد ہے اور اسلام کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کے گھر والوں کی محبت ہے۔ (تاریخ ابن نجار)۔

حدیث نمبر۲۹ :

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب نواسوں، نواسیوں کی نسبت ان کے باپ کی طرف ہوتی ہے ماسوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے ان کا عصبہ میں ہوں تو میں ان کا باپ ہوں وہ میری طرف منسوب ہوں گے۔ (المعجم الکبیر جلد۳ صفحہ ۴۴۔ مجمع الزوائد جلد۴ صفحہ ۲۲۴)۔

حدیث نمبر۳۰ :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے اس وقت لوگوں کو بتایا جب انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کی صاحبزادی (ام کلثوم) سے نکاح کیا۔ لوگو! کیا تم مجھے مبارک باد نہیں دیتے ہو میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سب حسب اور نسب ٹوٹ جائیں گے مگر میرا سبب (سسرالی اور دامادی رشتہ) اور نسب نہیں ٹوٹے گا۔ (معجم الاوسط جلد۶ صفحہ ۲۸۲۔ سنن کبریٰ جلد۷ صفحہ ۱۰۷۔ معجم کبیر جلد۳ صفحہ ۴۵۔ امام دولابی الذریۃ الطاہرہ صفحہ ۱۱۵)۔

حدیث نمبر۳۱ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر سبب اور نسب قیامت کے دن ٹوٹ جائے گا مگر میرا سبب اور نسب نہیں ٹوٹے گا۔ (مجمع الزوائد جلد۹ صفحہ ۱۷۳)۔

حدیث نمبر۳۲ :

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے اس کے لئے میری شفاعت ہے جس نے میرے اہل بیت سے محبت کی۔ (تاریخ بغداد جلد۲ صفحہ ۱۴۶)۔

حدیث نمبر۳۳ :

امام طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت میں سب سے پہلے اپنے گھر والوں کی شفاعت کروں گا۔ (تاریخ بغداد جلد۲ صفحہ ۱۲۶)۔

حدیث نمبر۳۴ :

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے

حوضِ کوثر پر مجھ سے میرے اہل بیت ملیں گے۔ (کنز العمال جلد۱۲صفحہ۱۰۰)۔

حدیث نمبر۳۵ :

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو تین باتیں سکھاؤ۔ اپنے نبی کی محبت، اپنے نبی کے اہل بیت کی محبت اور قرآن پڑھنا۔ بے شک قرآن کے علم والے اس دن (قیامت کے دن) جس دن اللہ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ کی رحمت کے سایہ میں انبیاء اور نیک بندوں (ولیوں) کے ساتھ ہوں گے۔ (کنز العمال جلد۱۶صفحہ ۴۵۶۔ محدث عجلونی نے کشف الخفاء جلد۱صفحہ۴۷ میں بھی اس حدیث کو نقل فرمایا ہے)۔

تشریح :

قرآن والے وہ ہیں جو صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت ہوں اور قرآن کا علم خود سیکھا ہو اور دوسروں کو سکھایا ہو اور قرآن پر عمل بھی کرتے ہوں اور وہ لوگ جنہوں نے اس کام میں مدد کی اور کرتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم کے لئے مدرسے قائم کرتے ہیں یا جو حضرات قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کی دنیاوی ضروریات کا خیال کرتے ہیں تا کہ وہ ہمہ تن اس کام میں لگے رہیں یہ سب قرآن والے ہیں۔

حدیث نمبر۳۶ :

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کل قیامت (کے دن) پل صراط پر تم میں سے وہ زیادہ ثابت قدم ہوگا جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت کرے گا۔ (کامل ابن عدی جلد۲صفحہ ۳۰۴۔ کنز العمال جلد۱۴صفحہ۹۶)۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ پل صراط پر وہی سب سے زیادہ ثابت قدم ہوگا جو اپنے دل میں حضورِ اکرم ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کو

ع کرے گا۔ الحمد للہ یہ سعادت اہل سنت کے ہی حصہ میں آتی ہے۔

حدیث نمبر۳۷ :

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں چار قسم کے لوگوں کی قیامت کے دن شفاعت کروں گا ایک اس کی جو میری اولاد کی تعظیم کرے گا۔ دوسرا اس کی جو ان کی ضرورتیں پوری کرے گا تیسرا اس کی جو اس وقت ان کے کام کے لئے بھاگ دوڑ کرے گا جب وہ مجبور ہوں گے اور چوتھا وہ جو ان (یعنی میرے گھرانے والے) کی دل اور زبان (دونوں) سے ان سے محبت کرے گا۔

امام دیلمی کے علاوہ اس حدیث کو کئی اور محدثین نے بھی نقل کیا ہے مثلاً......

(۱)...... امام طبری نے ذخائر العقبی صفحہ۵۰ پر۔

(۲)...... شیخ علی متقی نے کنز العمال جلد۱۲صفحہ۱۰۰ پر۔

(۳)...... امام زبیدی نے اتحاف السادۃ المتقین فی تخریج احیاء علوم دین جلد۸صفحہ۳۷ پر۔

(۴)...... امام سمہودی نے جواہر العقدین جلد۲صفحہ۲۸۳ پر اسے روایت کیا ہے۔

حدیث نمبر۳۸ :

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو طلب سے زیادہ بہت پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کو جو اپنے رب کی فرمانبرداری سے بے پرواہی کرتا ہے، اور اس کو جو اپنے نبی ﷺ کی سنت کا تارک ہے۔ اور اس کو جو اپنے نبی ﷺ کی عترت (گھرانے والوں) سے بغض رکھتا ہے اور اس کو جو اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ (کنز العمال جلد۱۴صفحہ۸۷)۔

حدیث نمبر ٣٩ :

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اور ہر نبی نے لعنت فرمائی جن کی دعا قبول ہوتی ہے.........

(١)...... وہ جو اللہ کی کتاب میں کچھ بڑھادے۔

(٢)...... وہ جو اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا ہو۔

(٣)...... وہ جو میری امت پر زبردستی حکمران بن جائے، اور اس حکومت کی طاقت کے بل بوتے پر انہیں عزت وعہدے دے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل قرار دیا ہے۔

(٤)...... وہ جو اللہ کے حرم کی بے ادبی کرے۔

(٥)...... وہ جو میرے اہل بیت کی بے ادبی کرے ان کے ساتھ وہ کام کرے جو ان کے حق میں اللہ نے حرام ٹھہرایا۔

(٦)...... وہ جو میری سنت کا تارک ہو۔

(ترمذی، مستدرک حاکم عربی جلد ١ صفحہ ٩١۔ مستدرک مترجم جلد ٣ صفحہ ٦١٤)۔

حدیث نمبر ٤٠ :

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سارے لوگوں میں بہتر عرب ہیں اور عرب میں بہتر قریش ہیں اور قریش میں بہتر بنی ہاشم ہیں۔ (فردوس الاخبار حدیث نمبر ٢٨٩٢)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اہل بیت :

(١) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک لمبی حدیث نقل فرمائی ہے جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا.........

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں سے حسن سلوک۔ کرنا میرے نزدیک اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے ضرور زیادہ پسندیدہ ہے۔ (بخاری کتاب المناقب فضائل الصحابہ باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ)۔

(٢)..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا.........

''اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا ﷺ فِيْ اَهْلِ بَيْتِهٖ''۔ حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت کا خیال رکھو۔ (بخاری کتاب المناقب فضائل الصحابہ مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ)۔

(٣)...... حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی پھر وہ باہر نکل کر جا رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھالیا اور کہا ان پر میرے باپ فدا ہوں یہ نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہوئے ہنس رہے تھے۔ (بخاری مناقب باب صفۃ النبی ﷺ)۔

اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہل بیت سے شدید محبت کا

اندازہ ہوتا ہے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اہل بیت :

۱)...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگوں پر قحط پڑا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کی اور یہ دعا کی اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برسا دیا کرتا تھا، اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ کو پیش کر رہے ہیں سو تو ہم پر بارش برسا۔ راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ پھر واقعتاً بارش نازل ہوئی۔ (بخاری کتاب الاستسقاء باب سوال الناس، طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۰۶، اردو)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا صرف اس وجہ سے تھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کے رشتہ میں چچا لگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا میں آپ کا نام لینے کی بجائے "بِعَمِّ نَبِيِّنَا" نبی کریم ﷺ کا چچا فرمایا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری کام آتی ہے۔

۲)...... مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا.........

أَمَا شَعَرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ)۔

۳)...... اسامہ بن زید بن اسلم نے اپنے باپ دادا سے روایت کی کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھا جب ان کے سامنے ناموں کی فہرست پیش کی گئی، اس میں اس طرح درج تھا کہ بنو ہاشم کے بعد بنو تیم اور بنو تیم کے بعد بنو عدی۔ میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا کہ عمر کو اس کے مقام پر رکھو (یعنی اسے بڑھاؤ نہیں)۔ شروع ان سے کرو جو رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوں۔

بنو عدی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ اپنے کو اس مقام پر رکھتے جہاں اس جماعت نے رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا خوب، خوب اے بنی عدی! تم نے میرے نام سے بلندی چاہی کہ میں حسنات سے تمہارے باعث محروم ہو جاؤں۔ نہیں اور تا بمرگ نہیں، چاہے دفتر تم پر بند ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یعنی اگر چہ تم لوگ سب سے آخر میں لکھے جاؤ۔ میرے دونوں صاحب (یعنی رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ایک طریقے پر چلے اگر میں ان کی مخالفت کروں تو میرے ساتھ بھی مخالفت کی جائے گی۔

واللہ ہم نے دنیا میں جو فضیلت پائی اور آخرت میں اپنے اعمال کی بدولت ہم جو کچھ اللہ کے ثواب کی اُمید رکھتے ہیں۔ وہ صرف محمد ﷺ کے سبب سے ہے۔ آپ ہمارے شرف ہیں۔ آپ کی قوم سارے عرب سے اشرف ہے۔ جو آپ سے زیادہ قریب ہے وہی شرف میں بھی زیادہ نزدیک ہے۔ عرب کو رسول اللہ ﷺ کی بدولت شرافت حاصل ہوئی۔ اگر چہ ہم میں سے بعض کا نسب آپ ﷺ کے اجداد سے مل جاتا ہے۔ ہمارے اور آپ کے نسب ملنے میں کوئی حائل نہیں ہے ہم آدم تک آپ سے (نسب میں) جدا نہیں ہوتے۔ سوائے چند باپ دادا کے تاہم واللہ اگر عجمی بارگاہ ایزدی میں اعمال نیک لائیں اور ہم بغیر عمل کے آئیں تو وہ لوگ قیامت میں ہم سے زیادہ محمد ﷺ سے قریب ہوں گے۔ لہٰذا کوئی شخص قرابت کو نہ دیکھے اور جو نعمت اللہ کے پاس ہے اس کے لئے عمل کرے۔ کیونکہ جس کے عمل نے اس کے ساتھ کمی کی اسے اس کا نسب پورا نہیں کر سکے گا۔ (طبقات ابن سعد اردو جلد ۳ صفحہ ۱۳ بعنوان مردم شماری میں درجہ بندی، **اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم صفحہ ۱۹۸، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ**)۔

۴)...... امام زُہری سے مروی ہے کہ جب محرم ۲۰ ھ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیوان (وظائف کا رجسٹر) مرتب کرنے پر اتفاق کر لیا تو بلحاظ مرتبہ (ترتیب) بنی

ہاشم سے شروع کیا پھر جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب تھے۔ (طبقات ابن سعد اردو حصہ سوم صفحہ ۸۳ بعنوان دیوان کی ترتیب میں بنو ہاشم سے آغاز)۔

۵) ..... طبقات ابن سعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مرقوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مہاجرین وانصار بدر میں موجود تھے ان سے شروع کیا اور ان میں سے ہر شخص کے لئے پانچ ہزار دراہم سالانہ مقرر کیا۔ جس میں ان کے حلیف اور ان کے مولی سب برابر رکھے گئے ان لوگوں کو جن کا اسلام مثل اہل بدر کے اسلام کے تھا جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے اور احد میں حاضر ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار ہزار درہم سالانہ مقرر کیا۔

اہل بدر کے لڑکوں کے لئے دو دو ہزار دراہم مقرر کئے۔ سوائے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے کہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی وجہ سے ان کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رکھا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے بھی بوجہ قرابت رسول ﷺ پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم اردو صفحہ ۸۴، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)۔

۶) ..... حضرت عثمان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کو مال تقسیم کرنے کا حکم :

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ان کے آگے مال کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہر ڈھیر پر گوشت کا ایک دست تھا، (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ میں نے غور کیا تو مدینے میں تم دونوں سے زیادہ خاندان والا کسی کو نہیں دیکھا، تم دونوں اس مال کو لوگوں میں تقسیم کر دو اگر کچھ بڑھے تو اسے واپس کر دینا۔ (طبقات ابن سعد اردو جلد ۳ صفحہ ۷۶ تا ۷۷)۔

۷) ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو اپنی سواری سے اتر پڑتے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ.....

"اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کبھی حضرت عمر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرتے تو حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اپنی سواری سے اتر پڑتے اور جب تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کافی دور نہ چلے جاتے وہ اپنی سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے یہ کیفیت تھی جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا کے احترام کی۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۹۴)۔

مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اور سیدنا محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بن حسین رحمۃ اللہ علیہ بن علی رضی اللہ عنہ :

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث جعفر بن محمد کی سند سے روایت کی ہے، اس میں آتا ہے.........

"جعفر بن محمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کا حال دریافت کیا جب میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے کہا میں محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہوں۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور میرے سر پر ہاتھ رکھا اور پہلے میری قمیص کا اوپر کا بٹن کھولا اور پھر نیچے کا بٹن کھولا پھر اپنی ہتھیلی میرے سینہ پر دونوں چھاتیوں کے درمیان رکھی۔ میں ان دنوں نوجوان لڑکا تھا، پھر فرمایا: اے بھتیجے مرحبا جو چاہو دریافت کرو؟ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کچھ سوالات کئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔ (مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ)۔

اس واقعہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت امام محمد باقر کی عزت و احترام کی نشاندہی ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آل رسول ﷺ کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آلِ رسول ﷺ اور اولادِ رسول ﷺ کا ادب واحترام کریں۔

سلف صالحین اور سادات

﴿حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی اور سادات﴾

طبقات ابن سعد مترجم حصہ پنجم صفحہ ۳۱۱ میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ (صغریٰ) بنت علی بن ابی طالب رحمہما اللہ علیہا سے کہا اے دختر علی! واللہ (اللہ کی قسم) مجھے روئے زمین پر کوئی خاندان آپ لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں اور آپ لوگ تو مجھے اپنے متعلقین سے بھی بڑھ کر محبوب ہیں۔

﴿علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور سادات﴾

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۵ میں لکھتے ہیں.....

قَالَ مٰلِكٌ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَ رَكْعَةٍ اِلٰى اَنْ مَاتَ قَالَ وَ كَانَ يُسَمّٰى زَيْنَ الْعَابِدِيْنَ لِعِبَادَتِهٖ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بڑی کثرت سے عبادت کرتے تھے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آخر تک دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے۔

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۲۴ میں لکھتے ہیں.......

اِشْتَهَرَ بِالْبَاقِرِ مِنْ قَوْلِهِمْ بَقَرَ الْعِلْمَ تَعْنِيْ شَقَّهٗ فَعَلِمَ اَصْلَهٗ وَخَفِيَّهٗ۔

ان کا لقب باقر اس لئے ہے کہ بقر کے معنی چیرنے کے ہیں یعنی انہوں نے اس قدر علمی تحقیقات کیں کہ تمام اصول اور خفی علوم حاصل کئے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۶۶ میں لکھتے ہیں.....

جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الشَّهِيْدِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبِ الْهَاشِمِيُّ الْاِمَامُ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ الْعَلَوِيُّ الْمَدَنِيُّ الصَّادِقُ اَحَدُ السَّادَةِ

الْاَعْلَامِ۔

امام جعفر بن محمد بن علی بن شہید حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، صادق لقب بہت اونچے درجہ کے علماء اور سادات میں سے ہیں۔

﴿مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور سادات﴾

مثنوی میں لفظ سید کو قومیت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے.........

اب سے آٹھ سو سال پہلے حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں لفظ سید کو قومیت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

دیں دگر شہزادۂ سلطان ما است
سید است از خاندان مصطفیٰ است

دیکھئے حضرت مولانا سید بھی فرما رہے ہیں اور اس کو خاندان مصطفیٰ ﷺ کا ایک فرد قرار دے رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام قاعدہ ہے ہر شخص اس سے واقف ہے کہ جب کوئی لفظ نام یا لقب کی پوزیشن اختیار کر لیتا ہے تو اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ مثلاً فیض عالم، سید عالم، سردار عالم، خورشید عالم اکرم وغیرہ ان ناموں کے چونکہ حقیقی معنی مراد نہیں صرف مسمی کی ذات مراد ہے اس لئے آج تک کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح لفظ اعمش ایک بہت بڑے محدث کا لقب ہے اس سے صرف ان کی ذات مراد ہے حقیقی معنی یعنی چندھا مراد نہیں اس لئے حضرات علماء نے اس پر نہ غیبت کا حکم لگایا اور نہ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کے تحت لا کر اس کو ناجائز قرار دیا۔

﴿مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور سادات﴾

مکتوبات امام ربانی میں ائمہ اہل بیت کیلئے مقام قطبیت ثابت کیا گیا ہے:

علامہ آلوسی حنفی تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۱۹ پر مجدد صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں.........

وَرَاَیْتُ فِیْ مَکْتُوْبَاتِ الْاِمَامِ الْفَارُوْقِی الرَّبَّانِیِّ مُجَدِّدِ الْاَلْفِ الثَّانِیْ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ مَا حَاصِلُہٗ اَنَّ الْقُطْبِیَّۃَ لَمْ یَکُنْ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِصَالَۃِ اِلَّا لِاَئِمَّۃِ اَھْلِ الْبَیْتِ الْمَشْھُوْرِیْنَ ثُمَّ اِنَّھَا صَارَتْ بَعْدَھُمْ لِغَیْرِھِمْ عَلٰی سَبِیْلِ النِّیَابَۃِ عَلَیْھِمْ حَتّٰی انْتَھَتْ اِلَی الشَّیْخِ السَّیِّدِ عَبْدِ الْقَادِرِ الْکِیْلَانِیِّ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ فَنَالَ مَرْتَبَۃَ الْقُطْبِیَّۃِ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِصَالَۃِ فَلَمَّا عُرِجَ بِرُوْحِہِ الْقُدْسِیَّۃِ اِلٰی اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ نَالَ مَنْ نَالَ بَعْدَہٗ تِلْکَ الرُّتْبَۃَ عَلٰی سَبِیْلِ النِّیَابَۃِ فَاِذَا جَاءَ الْمَھْدِیُّ یَنَالُھَا اِصَالَۃً کَمَا نَالَھَا غَیْرُہٗ مِنَ الْاَئِمَّۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ :

مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ قطبیت کا مقام اصلی طریقہ پر تو انہی ائمہ اہل بیت کو حاصل تھا جو مشہور ہیں، پھر ان ائمہ اہل بیت کے بعد دوسروں کو بطور نیابت حاصل ہوا حتی کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو اصلی طریقہ پر یہ مقام قطبیت حاصل ہوا، حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد پھر نیابت کے طور پر دوسرے حضرات کو حاصل ہوتا رہے گا۔ حتی کہ جب امام مہدی آئیں گے تو مقام قطبیت دیگر ائمہ اہل بیت کی طرح ان کو اصالۃً حاصل ہوگا، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ملاحظہ فرمائیں یہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی النسل ہیں مگر ان ائمہ اہل بیت کے متعلق باطنی اعتبار سے مقام قطبیت جو روحانی اعتبار سے سب سے اونچا مقامِ ولایت ہے اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور صاف طور پر ان کو ائمہ اہل بیت فرما رہے ہیں۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مراتب کی بلندی، دنیا کی شہرت اور ظاہری کارناموں پر موقوف نہیں ہے بلکہ عند اللہ مرتبہ کی بلندی تقرب الی اللہ اور اس کی خداداد

صلاحیت پر موقوف ہے۔ جس میں جتنی اونچی صلاحیت خداوند قدوس نے ودیعت رکھی ہے اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ وہ اس کو حاصل کر لیتا ہے۔ اسی صلاحیت کے بقدر اعمال کا ثواب بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر چار حج کئے اور امت میں سے کسی نے چالیس حج کر لئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایک طواف کے برابر بھی اس کے چالیس حج شاید نہ ہو سکیں۔ صحابہ کا مرتبہ اسی لئے پوری امت میں سب سے افضل ہے کہ ان کو ان کی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت کے بقدر تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اگر ہم کو ان کی صلاحیت کے بقدر ثواب ملے تو ہم اس کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ وہ باطنی دنیا میں اپنی روحانی توجہات سے اصلاح امت کے کام میں مشغول ہیں جو عند اللہ ان کا اعلیٰ ترین عمل ہے اور اللہ کے یہاں ان کا بہت ہی بڑا مرتبہ ہے ہم اور آپ ان کو جانتے بھی نہیں۔ مثل مشہور ہے ''ولی را ولی می شناسد'' یعنی ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے۔

بہر حال جب آپ کو ان حضرات کے حالات سے واقفیت نہیں تو ان ائمہ کرام کی بدگوئی اور اہانت کا کوئی حق نہیں۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فی الواقع بہت اونچی شخصیت ہیں، انہوں نے ان ائمہ عظام کو پہچانا۔

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اہل بیت کے فضائل میں سولہ حدیثیں ذکر کی ہیں :

انہی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات کے اندر مکتوب نمبر ۳۶ دفتر دوم میں فضائل اہل بیت کی سولہ حدیثیں تحریر فرمائی ہیں جن میں آخری حدیث یہ ہے کہ پل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ شخص رہے گا جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے محبت کرے گا، اپنے اس مکتوب کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار پر ختم فرمایا

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ برقول ایمان کنی خاتمہ
گر دعوتم رد کنی در قبول — من دوست و دامانِ آلِ رسول

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جو فاروقی النسل ہیں اپنے مکتوبات صفحہ ۹۷ دفتر دوم میں ارقام فرماتے ہیں..........

"والد بزرگوار ایں فقیر کہ عالم بودند بعلم ظاہری وعلم باطنی درا کثر اوقات ترغیب محبت اہل بیت می فرمودند و می فرمودند کہ ایں محبت رادر سلامتی خاتمہ مدخلیتے است عظیم رعایت آں باید نمود در مرض موت ایشاں ایں فقیر حاضر بود چوں معاملہ ایشاں بآخر رسید و شعور بایں عالم کم ماند فقیر دراں وقت سخن ایشاں را بیاد ایشاں داد و ازاں محبت استفسار نمود دراں حالت بے خودی فرمودند غرقِ محبت اہل بیتم شکر خدا عزوجل دراں وقت بجا آوردہ شد محبت اہل بیت سرمایۂ اہل سنت است مخالفاں ازیں معنی غافل"۔

اس فقیر کے والد بزرگوار جو علم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اکثر اوقات اہل بیت رسول کی محبت کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کا حسن خاتمہ میں بہت بڑا دخل ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے۔ ان کے مرض الموت میں یہ فقیر حاضر تھا جب معاملہ قریب الموت ہوا اور بے خودی کا عالم طاری ہونے لگا تو ان کی بات ان کو یاد دلائی اور محبت اہل بیت کے متعلق میں نے ان سے معلوم کیا تو اسی بے خودی کے عالم میں فرمایا کہ محبت اہل بیت میں، میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اس وقت اللہ رب العزت کا شکر بجالایا۔ محبت اہل بیت سرمایہ اہل سنت ہے مخالف لوگ اس سے غافل ہیں۔

مجدد صاحب قدس اللہ سرہٗ کا یہ مکتوب عقائد اہل سنت کی تشریح پر مشتمل اور ہمارے لئے مشعل ہدایت ہے چونکہ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فنا فی الرسول تھے جس کا لازمی نتیجہ اتباع سنت اور حب اہل بیت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس مقام پر پہنچ کر انسان

کے اندر سے قوم برادری، حسب ونسب کے تعصبات غرض یہ کہ ہر قسم کی انانیت ختم ہو جاتی ہے پھر اس کی ہر محبت اور ہر تعلق محض اللہ کے لئے ہوتا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کا یہی مطلب ہے ورنہ تو نسب کے تحفظ کا اہتمام شرعاً بلاشبہ جائز ہے۔

﴿سرسید احمد خان اور سادات﴾

سید کے لفظ کا استعمال غیر بنی فاطمہ پر :

سید کا لفظ بنی فاطمہ علیہا السلام پر بطور اظہارِ سلسلہ نسب عام طور پر مستعمل ہے۔ اور اس لفظ کا ان معنوں میں ایسا عام استعمال ہے کہ کوئی شخص اس کے سوا دوسرے معنی اور دوسرا مطلب سمجھتا ہی نہیں اور عرف عام دلیل شرعی ہے۔ پس اس لفظ کا استعمال اپنے نام کے ساتھ ایسے شخص کو جو بنی فاطمہ نہیں ہے جائز نہیں اور جو شخص بنی فاطمہ نہ ہو اور اس لفظ کو اپنے نام کے ساتھ استعمال کر کے وہ وعید داخل النسب اور خارج النسب میں داخل ہے۔ (مقالات سرسید حصہ پانزدہم صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور)۔

﴿حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور سادات﴾

ملفوظ نمبر ۲۱۵ :

فرمایا کہ مولوی قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر روز زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی ایک دن کسی جمال کے لڑکے کو کہ سید تھا طمانچہ مارا اس دن سے زیارت منقطع ہوگئی۔ (امداد المشتاق صفحہ ۱۰۴ و صفحہ ۱۰۵، اسلامی کتب خانہ لاہور)۔

ملفوظ :

فرمایا کہ آدمیوں میں تین قسم کے لوگوں کا مجھے بڑا خیال رہتا ہے..........

(۱)..... طالب علم اور وہ آدمی کہ بصورتِ فقیر و درویش ہو۔

(۲)..... سید۔

(۳)...... جو کوئی عمر میں اپنے سے بڑا ہو۔

اکثر ان میں صادق ہوتے ہیں ان سے خدمت لینا مجھے بہت شاق ہوتا ہے۔

(شمائم امدادیہ اردو ترجمہ نفحات مکیہ من مآثر امدادیہ حصہ دوم صفحہ ۶۱ مطبوعہ کتب خانہ شرف الرشید شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ، پاکستان۔

﴿مولانا اشرف علی تھانوی اور سادات﴾

حکیم الامت اپنی مشہور زمانہ کتاب اصلاح انقلاب امت حصہ دوم صفحہ ۱۰۸ تا ۱۰۹ پر لکھتے ہیں ......

اصلاحِ معاملہ متعلقہ بہ کفاءت :

شرع نے کفاءت (برابری) میں چند اوصاف کا اعتبار کیا ہے، جن میں ایک نسب بھی ہے، اس کے متعلق خاص ہندوستان میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

کفاءت نسب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں :

ایک کوتاہی یہ ہے کہ نسب میں ماں کا بھی اعتبار کرتے ہیں، یعنی اگر ماں کسی کی نجیب (شریف) نہ ہو تو اس کو نجیب نہیں سمجھتے، اور اس لئے اس کا اپنا ہمسر نہیں جانتے، حالانکہ شریعت نے کفاءت نسب کے باب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں کیا، اسی طرح دوسرے احکام نسبیہ میں بھی ماں کا اعتبار نہیں کیا، مثلاً ایک شخص کی ماں صرف بنی ہاشم میں سے ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے، پس صرف نجیب الاب ہمسر ہے نجیب الطرفین کا۔

ماں کی طرف سے سیادت نسبیہ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کے لئے ثابت ہے :

البتہ اس کلیہ سے صرف ایک جزئیہ مستثنیٰ (ایک جز علیحدہ) ہے، وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی سیادت نسبیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی ثابت ہو کر آپ کی اولاد میں جو لوگ ہیں وہ بھی سید ہیں، اور افضل ہیں۔ دوسرے بنی ہاشم سے۔ حتیٰ کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بھی ہوں مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہ ہوں، وہ

سید نہ ہوں گے بلکہ علوی ہوں گے اور یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نسب ناموں میں دادیوں کے ناموں کے ساتھ "سید" ملا ہوا ہے یہ صحیح نہیں۔ اور علویوں کا دعویٰ سیادت محض غلط ہے، البتہ بنی ہاشم میں سے ہیں اور بنی ہاشم کے جو فضائل ہیں وہ ضرور ان کے لئے حاصل ہیں۔

نسب میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے :

ایک کوتاہی یہ ہے کہ نسب پر فخر کرتے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ نسب کوئی فخر کی بات نہیں، البتہ حق تعالیٰ شانہ کی نعمت ہے جس پر شکر کرنا چاہیے نہ کہ کبرو تحقیر (تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا)۔ جو کہ پوری ناشکری ہے۔ خصوص جبکہ خود اس پر کوئی دلیل کافی نہیں کہ یہ مفتخرین (فخر کرنے والے) جس (دادا) کی طرف انتساب (منسوب ہونے) کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دعویٰ صحیح بھی ہے، بلکہ بعض قرائن (دلائل) سے اس کے خلاف کا شبہ ہوتا ہے۔(۱)

چنانچہ ایک شبہ احقر نے بعض بڑے بڑے مجامع (مجلسوں) میں جہاں ایسے

---

(۱) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۔ (الحجرات آیت نمبر ۱۳)۔ یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

واقعی صحیح ہے ......

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(احقر قریشی)۔

حضرات کا اجتماع تھا بیان کیا، وہ یہ کہ اکثر جگہ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً حضرات خلفائے اربعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔

ہندوستان کے نسب ناموں میں ایک قوی اشکال :

اب خلجان (شبہ) اس میں یہ ہے کہ ہندوستان میں فتوحات وغزوات کے لئے خاص انہی حضرات کی اولاد منتخب ہوکر آئی یا اوروں کی نسل منقطع ہوگئی اور یہ دونوں امر عادۃً مستبعد (ناممکن) ہیں، اس سے صاف یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید دوسروں نے انہی حضرات کی طرف افتخار (فخر کرنے) کے لئے منسوب کردیا، تو ایسے شبہ کے ہوتے ہوئے اس قدر فخر کرنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

شرافت نسبیہ کا شریعت نے اعتبار کیا ہے :

ایک کوتاہی اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں میں یہ پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ عرفاً شریف نہیں ہیں، مگر زبردستی اپنے کو اصطلاحی شریفوں میں داخل کرتے ہیں، اور اپنے لئے نسب غیر معروف وغیر ثابت بالدلیل کا محض مجازفت (تخمینہ اور انکل) سے دعویٰ کرتے ہیں، حدیث میں ایسے مدعی کو (دعویٰ کرنے والے) پر لعنت آئی ہے، ان عرفی غیر شریفوں میں سے بعض نے اپنے اوپر ایک اور طریق سے یہ دھبہ دھونا چاہا ہے، وہ یہ کہ شرافت نسبیہ ہی کی سرے سے نفی کرنے لگے، کہ سب بنی آدم برابر ہیں، کسی کو کسی پر نسباً شرف نہیں، سو اس کا اگر یہ مطلب ہے کہ ایسا شرف نہیں جس پر دنیوی فخر کیا جائے یا اس کو اخروی نجات میں کچھ دخل ہے تو تو ٹھیک ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ شرفِ نسب میں تفاوت (فرق) کا بالکلیہ کسی حکم میں اعتبار نہیں تو محض غلط ہے، خود شریعت نے نکاح کفاءت کا اعتبار کیا ہے، امامت کبریٰ میں قریشیت کو شرط ٹھہرایا ہے، امامت صغریٰ میں اشرفیہ نسبیہ (خاندانی شرافت) کو مرجحات (ترجیح ہوئے) میں سے کہا ہے۔

﴿مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور سادات﴾

کفایۃ المفتی میں ہے کہ اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھنا جائز ہے :

"لفظ سید کا اظہار قومیت کی غرض سے استعمال اور اپنے نام کے شروع میں لکھنا شرعاً نہ بدعت ہے اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے نہ یہ حرام ہے نہ ناجائز" :

دیکھئے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کفایۃ المفتی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں.........

"ہر شخص کو اپنی نسل کے لحاظ سے سید یا قریشی یا مغل وغیرہ کا لقب اپنے نام کے ساتھ ملحق کرنا جائز ہے۔ فقط۔

کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(دہلی)۔

نیز کفایۃ المفتی صفحہ ۲۵۳ میں ہے.........

جواب :

بنو فاطمہ کے علاوہ دوسرے ہاشمی بھی لغۃً واحتراماً سید ہیں اور حرمت صدقہ کے حکم میں شامل ہیں مگر اصطلاحاً سید کا لفظ بنو فاطمہ کے لئے خاص ہوگیا ہے۔ محمد کفایت اللہ۔

ان فتاویٰ کی رو سے لفظ سید لکھنے اور بولنے دونوں کا جواز صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔ نیز مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنو فاطمہ اور بنو ہاشم کا کتنا احترام فرما رہے ہیں۔ یہ ان کے تعلق مع الرسول کی دلیل ہے۔

مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اور سادات

مفتی صاحب کی یہ تحریر ہمیں مولانا مفتی سید مشہود حسن صاحب کی کتاب

’’رسول اللہ ﷺ کے خاندانی فضائل‘‘ سے ملی ہے۔ جو بطورِ تقریظ کتاب میں شامل ہے۔ کچھ ترمیم کے ساتھ ہم نے اسے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَمْدًا لِمَوْلَانَا الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ فَكَرَّمَهٗ ثُمَّ اصْطَفٰى مِنْهُمْ اَصْفِيَاءَهٗ وَرُسُلَهٗ وَفَضَّلَ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ حَتّٰى جَعَلَ سَيِّدَهُمْ حَبِيْبَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَمَّا بَعْدُ!

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد کے شروع میں اس موضوع پر طویل گفتگو کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز میں تفاضل رکھا ہے، جمعہ کے دن کو باقی چھ دنوں پر فضیلت حاصل ہے، سال کی تمام راتوں میں شب قدر کو فضیلت حاصل ہے، سال کے تمام مہینوں میں ماہِ رمضان کو فضیلت حاصل ہے، بقاع ارض میں کعبہ معظمہ کو دیگر خطوں پر فضیلت حاصل ہے، علامہ نے ایسی بہت سی فضیلتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور یہ تفاضل مساوات کے منافی بالکل نہیں ہے، کیونکہ اعتبارات مختلف ہیں، مساوات ذاتی اور تفاضل عرضی، تمام ایام بالذات مساوی ہیں اور جمعہ کا دن اس میں پائے جانے والے خصوصی واقعات اور اہم عبادات کی وجہ سے افضل ہے، تمام راتیں بالذات یکساں ہیں اور شب قدر بایں وجہ کہ اس میں نزول قرآن ہوا ہے۔ ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ مہینے سب ذاتی اعتبار سے یکساں ہیں اور ماہِ رمضان نزولِ قرآن کی برکت اور روزوں وغیرہ عبادات کی وجہ سے افضل قرار پایا ہے۔ اجزائے زمینی ہونے کے اعتبار سے زمین کے تمام خطے مساوی ہیں مگر تجلی گاہ رب العالمین ہونے کی وجہ سے کعبہ مشرفہ کو دیگر بقاع پر فضیلت حاصل ہے۔

اسی طرح انسان کی فضیلت دیگر مخلوقات پر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ اٰدَمَ (بنی اسرائیل) میں منصوص ہے اور یہ فضیلت خلقی اعتبار سے تو کلی ہے یعنی پوری نوع انسانی کو حاصل ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ میں اسی کا بیان ہے۔ اور دینی یعنی اخروی اعتبار سے جزئی ہے، یعنی صرف مؤمنین کو حاصل ہے، پھر انسانوں میں صنف رجال کو صنف نساء پر فضیلت حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، اور مساوات مرد و زن [نوع]ی اعتبار سے ہے۔ اور تفاضل صنفی اعتبار سے ہے پس دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جس طرح تمام انسان یکساں ہیں مگر بعض اعتبارات سے بالغ کو بچوں پر، خواندہ کو ناخواندہ پر متخصص کو غیر متخصص پر، آباء کو ابناء پر، اساتذہ کو تلامذہ پر اور ملوک کو رعایا پر فضیلت حاصل ہے۔

اسی طرح انسانوں میں تفاضل کی ایک بنیاد انتماء (منسوب ہونا) ہے، خواہ یہ نسبت روحانی ہو یا نسبی، ابناء ملوک (شہزادوں) کی جو فضیلت لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہے اسی طرح استادزادوں اور پیرزادوں کا جو احترام دنیا کرتی ہے اس کی وجہ یہی انتماء ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں تفاضل اور خاتم النبیین ﷺ کی امت کی خیریت کی بنیاد بھی یہی نسبتوں کا اختلاف ہے۔

دوسری بنیاد اخروی کمالات ہیں۔ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِى الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا فِى الدِّيْنِ میں اسی کا بیان ہے۔

اور ایک لوگوں کی خود ساختہ بنیاد خاندانی تعلیاں اور مزعومہ برتریاں ہیں۔ قرآن کریم نے اس عاری نسبی تعلیوں کے برتری کی بنیاد ہونے کی شدت سے مخالفت کی ہے، اور فرمایا ہے کہ انسانوں کی شعوب و قبائل میں تقسیم محض باہمی تعارف کے لئے۔ اس کو تفاخر کی بنیاد بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔ البتہ مذکورہ تین بنیادیں شرعی بنیادیں

ہیں، اور انہی بنیادوں کی وجہ سے عرب کو غیر عرب پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ عربوں کا انتماء سید الاولین والآخرین کی طرف ہے، ایک قدرے ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ عربوں سے محبت تین وجوہ سے کرو.........

(۱)...... اس وجہ سے کہ میں عربی ہوں۔

(۲)...... قرآنِ کریم عربی زبان میں ہے۔

(۳)...... اور جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔

اور اسی بنیاد کی وجہ سے قریش کو دیگر عربوں پر فضیلت حاصل ہے، اور لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ میں نفی ایسی طبقاتی تقسیم کی ہے کہ جس کی وجہ سے نوعی تساوی بھی باقی نہ رہے۔ جیسے ہندو اقوام نے اپنے درمیان ایسی باہمی طبقاتی تقسیم کر دی ہے کہ ان میں نوعی تساوی بھی باقی نہیں رہتی ہے اس طرح کی انسانوں کی کوئی بھی تقسیم غیر شرعی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ تفاضل کی مذکورہ بالا تین شرعی بنیادوں میں سے اگر کسی جگہ دو یا تینوں اکٹھا ہو جائیں تو نور علیٰ نور۔ اس کی فضیلت اور برتری میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اگر کسی جگہ تعارض ہو جائے تو دوسری اور تیسری بنیادیں اصل ہیں، اور پہلی بنیاد یعنی انتماء ثانوی درجہ کی چیز ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ مسئلہ خود منقح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل خلفائے اربعہ میں خلافت راشدہ کی ترتیب کے مطابق اور اس تفضیل کی بنیاد دینی کمالات، اخروی فضائل، تقویٰ و طہارت اور اسلام کے لئے خدمات ہیں۔ اس تفاضل میں انتماء کو بنیاد نہیں بنایا گیا ہے کیونکہ وہ ثانوی درجہ کی چیز ہے بلکہ خلفائے اربعہ کے بعد اصحاب بدر پھر اصحاب بیعت رضوان...... الخ کی فضیلت کی بنیاد بھی یہی امور قرار پائے ہیں۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء میں جو تفاضل کی بحث ہوئی ہے اس کی بنیاد بھی یہی

ینی کمالات ہیں۔

مگر جب اس کے ساتھ انتماء کو بھی ملایا جاتا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یلت مسلمہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اول دو کا انتماء زوجیت کا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بت جزئیت کی ہے، اور ظاہر ہے کہ جزئیت کی نسبت قوی تر ہے اور جن بزرگوں نے ف کمالاتِ دینی اور خدماتِ اسلام کو ملحوظ رکھا، انتما کو اس باب میں دخیل نہیں سمجھا۔ وں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی فضیلت یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت انی وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔

مگر جب بحث خاندانوں کے تفاضل کی آتی ہے یا اولادِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فاضل کی بات آتی ہے تو وہاں بنیاد صرف یہی انتما ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اولاد اطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اجلی بدیہیات میں سے ہے۔ اور اس پر اجماعِ امت بھی ہے پھر ہاشم کی فضیلت ہے ثم و ثم۔ کیونکہ بنی فاطمہ کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔

(۱)...... خاندانی، یعنی بنو ہاشم میں سے ہونا۔

(۲)...... جزئیت و بعضیت یعنی حضور ﷺ کی اولاد ہونا۔

اور بنو ہاشم کو صرف پہلی نسبت حاصل ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اولاد کا انتما ان کے آباء کی طرف ہے، اور ان کے آباء گو فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں مگر سید کونین کی نسبت سے فروتر ہیں۔ اور بنی فاطمہ کو فضیلت حضرت فاطمہ کی طرف ما سے حاصل نہیں ہے۔ بلکہ ذاتِ نبوی کی طرف انتساب کی وجہ سے حاصل ہے۔

امروہہ کے نام نہاد محققوں کو اس جگہ دھوکا لگا ہے۔ انہوں نے یہ خیال جما لیا ے کہ بنی فاطمہ کو فضیلت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف انتما کی وجہ سے حاصل ہے، اور خلفاء کی اولاد کو حضرات خلفاء کی طرف انتما کی وجہ سے اور خلفاء اربعہ کی فضیلت حضرت فاطمہ پر مسلم ہے پس ان کی اولاد بھی افضل ہوگی۔

مگر حقیقت حال وہ ہے جو میں نے عرض کی کہ بنی فاطمہ کو فضیلت ذاتِ رسول

اللہ ﷺ کی طرف انتماء کی وجہ سے حاصل ہے۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضور ﷺ کی اولاد ہے۔ اور آنحضور ﷺ سید الکائنات ہیں۔ پس آپ کی اولاد کا بھی مقام بلند ہوگا۔ اور اس بات کی دلیل کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضور ﷺ کی اولاد ہے یہ ہے کہ اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ان کی حضرت فاطمہ کے علاوہ دیگر ازواج سے ہے، بلاشبہ افضل ہے۔

اگر فضیلت کی بنیاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف نسبت ہوتی تو معاملہ برعکس ہوتا۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہرحال افضل ہیں۔ مگر ایسا اس لئے نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہے، اور اولادِ علی رضی اللہ عنہ سے اولادِ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت و برتری اظہر من الشمس ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وعلیٰ آلہٖ وازواجہ واصحابہ اجمعینَ ○

کتبہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری

خادم حدیث شریف دار العلوم دیوبند

۵ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ۔

﴿ہمارے پیرو مرشد **سید نفیس الحسینی** رحمۃ اللہ علیہ اور سادات﴾

ملفوظ نمبر ۱:

احقر سید مشتاق علی ایک دفعہ حاضر خدمت ہوا۔ احقر نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت بعض لوگ یہ جملہ کہتے ہیں کہ "شاہواں دی ایک رگ ودھ ہوندی اے"۔ حضرت نے یہ بات سن کر کچھ دیر کے بعد قلم اپنے ہاتھ سے رکھ دی اور فرمایا: پیر جی صاحب! اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے وہ رگ زائد رکھی ہو تو اس کو کون کاٹے؟۔

ملفوظ نمبر ۲:

ایک دفعہ احقر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اپنے بستر پر بیٹھے تھے حضرت نے مجھے اپنے پاس چارپائی پر بٹھالیا بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ دوران گفتگو میں نے کہا کہ حضرت یہ جو بات مشہور ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی (حسنی، حسینی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تمام ولیوں کی گردن پر میرا قدم ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ہماری گردن تو اب بھی حاضر ہے۔ اور فوراً اپنا سر مبارک جھکا دیا۔

ملفوظ نمبر ۳:

ایک مرتبہ مشہور شاعر سید سلمان گیلانی صاحب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ایک قصیدہ سنایا جس کا ایک شعر یوں تھا ۔

بنت رسول خلد میں حیدر کے ساتھ ہے

اور بنت یارِ غار پیمبر کے ساتھ ہے

حضرت نے یہ شعر سن کر فرمایا: گیلانی صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رتبہ اور مقام بہت بلند ہے اور محشر میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ہوں گی۔ مگر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی رسولِ اکرم ﷺ کی لاڈلی بیٹی ہیں۔ وہ بھی نبی پاک ﷺ کے ساتھ ہی رہیں گی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ ہی ہوں گے۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ ہی ہوں گے۔ اور ہم گنہگار بھی سادات میں سے ہیں۔ ہم بھی ان شاء اللہ وہیں ہوں گے۔ (مجلس نفیس صفحہ ۷۵)۔

ہمارے پیرو مرشد حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آلِ رسول ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ نے خود بھی اہلِ بیت کی شان میں کتابیں لکھیں اور اپنے ملنے والوں سے بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھوایا۔ اور بہت سی نایاب کتب آپ نے شائع فرمائیں۔ بلکہ عربی، فارسی کتب کے تراجم بھی کروائے۔ ہماری یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ البتہ

آپ کی روح اقدس ہماری اس کوشش سے ضرور مسرور ہوگی۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نوراللہ مرقدہٗ اور سادات

ایک بار ہمارے پیرومرشد سید انور حسین شاہ صاحب المشہور سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے مدرسہ نصرۃ العلوم تشریف لائے شاہ صاحب اکثر مدرسہ میں آتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب کی ناظم صاحب کے کمرہ میں حضرت صوفی صاحب سے ملاقات ہوئی مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی اور چائے وغیرہ بھی پی۔ جب شاہ صاحب واپس جانے لگے تو حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوتوں کا رخ سیدھا کرنے کے لئے جوتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت شاہ صاحب نے آپ کا ہاتھ پکڑلیا اور فرمانے لگے کہ آپ ہمارے سے بڑے ہیں اور آپ عالم ہیں آپ ایسا نہ کریں۔ حضرت صوفی صاحب نے اپنے خاص لہجہ میں فرمایا کہ بڑے تو آپ ہیں آپ سید ہیں۔ صوفی صاحب کے جواب کا انداز دیکھ کر شاہ صاحب خاموش ہوگئے۔ اور حضرت صوفی صاحب نے آپ کے جوتے اٹھا کر سیدھے کئے۔ اور آپ کو کار تک خود چھوڑ کر آئے۔

مولانا نعیم الدین صاحب اور سادات

مولانا نعیم الدین صاحب نے کئی واقعات سادات کی عظمت کے اپنی کتابوں میں درج فرمائے ہیں۔ ہم یہاں پر دو واقعات درج کرتے ہیں۔

واقعہ نمبر ا:

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما میں سے کوئی گھوڑے پر سوار ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر پڑتی تو بڑھ کر رکاب تھام لیتے اور اس کو اپنے لئے شرف سمجھتے۔

واقعہ نمبر ۲

ان دونوں میں کوئی طواف بیت اللہ کو نکلتا تو آپ کو سلام کرتے ،مصافحہ کرنے کے لئے لوگ ان پر اس طرح پروانہ وار ٹوٹ کر گرتے کہ ڈر لگتا کہ کہیں ان کو صدمہ نہ پہنچے۔(مجلس نفیس صفحہ ۵۹۸)۔

واقعہ نمبر ۳:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے دوش مبارک پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو لئے ہوئے جارہے تھے تو ایک شخص نے دیکھ کر کہا "نعم المرکب رکبت یا غلام" صاحبزادے بڑی اچھی سواری پر بیٹھے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نعم الراکب هو" اور سوار بھی بہترین ہے۔(مجلس نفیس صفحہ ۵۹۹)۔

﴿حکایاتِ سادات﴾

قارئین کرام! اب ہم کچھ سادات کرام کی عظمت اور بزرگی کے واقعات حکایات کی شکل میں نقل کرتے ہیں کیونکہ بعض کم علم لوگ جو قرآن وسنت کی باتیں صحیح طریقہ سے نہیں سمجھ سکتے ان کو علمائے کرام مثالوں یا واقعات سے سمجھاتے ہیں، اس لئے ہم نے بھی کچھ حکایات نقل کردی ہیں۔

قاضی شہاب الدین اور سید اجمل کا قصہ

حکایت نمبر۱ :

خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۵۹۰ سے ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے.........

قاضی شہاب الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو سید نصیر الدین حسنی چراغ دہلی کے خلیفۂ اعظم مولانا محمد خواجگی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے جن کو صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں.........

''درعلوم ظاہری طاق و برموز باطنی شہرۂ آفاق بود قلم وزباں را طاقت آں نیست کہ بتحریر وتقریر اوصافش پرداز''۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ قاضی صاحب کے ساتھ دربارِ شاہی کے مصاحبین میں ایک صاحب سید اجمل بھی تھے جن کے ساتھ دربار میں آگے پیچھے بیٹھنے پر قاضی صاحب کا کچھ تکرار ہوگیا تو قاضی صاحب نے ایک رسالہ لکھا جس میں علم کی سیادت پر فضیلت

ثابت کی اس کے اندر منجملہ اور دلائل کے یہ بھی تحریر کیا کہ علماء کی فضیلت بوجہ علم کے نہایت واضح اور یقینی ہے برخلاف سیادت کے کہ اس کی فضیلت موہوم ہے کہ بسا اوقات اس کا ثابت کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ اس رسالہ کی تحریر کے بعد قاضی صاحب کو خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا۔

دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ ناراضگی فرمارہے ہیں۔ اور سید اجمل کو راضی کرنے کا حکم دے رہے ہیں، صبح کو جب قاضی صاحب نیند سے بیدار ہوئے تو سید اجمل صاحب کے گھر تشریف لے گئے اور معذرت کرکے ان کو راضی کرلیا پھر اس واقعہ کے بعد قاضی صاحب نے مناقب السادات، کے نام سے ساداتِ کرام کے فضائل میں ایک کتاب لکھی اس کتاب کا تذکرہ علامہ بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں بھی کیا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری)۔

اس واقعہ سے ایک تو قاضی صاحب کی عاجزی وانکساری خلوص وللّٰہیت اور بے نفسی کا اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ منامی پر فوراً اپنی غلطی کا احساس کرکے سید اجمل صاحب کے راضی کرنے کو اپنی کسرِ شان نہ سمجھا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نسبی اہانت، اور اپنی اولاد کے ساتھ لوگوں کا رقیبانہ سلوک کس قدر ناگوار ہے۔ اب جو لوگ حضور علیہ السلام کے خاندان پر اپنے خاندانوں کو فضیلت دینا چاہتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ ان کے اس طرزِ عمل سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نسبی کمتری لازم آئے گی وہ آپ کے لئے کس قدر تکلیف دہ ہوگی۔ بہتر ہے کہ تمام تعصبات سے کنارہ کش ہوکر حقیقت پر غور کریں اور جس خاندان کا جو مقام شریعت نے رکھا ہے اس کو اپنے دل میں جگہ دیں۔

حکایت نمبر۲ :

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''مسامرات الاخیار'' میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ متقدمین کو حج کی بڑی

آرزو تھی۔ انہوں نے فرمایا مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے اُن کے ساتھ حج کیلئے جانے کا ارادہ کیا۔ پانچ سو دینار لے کر میں بازار کی طرف نکلا تا کہ حج کی ضروریات خرید لاؤں۔ میں ایک راستے پر جا رہا تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے میں سیدزادی ہوں میری بچیوں کے لئے تن ڈھانپنے کا کپڑا نہیں ہے۔ اور آج چوتھا دن ہے کہ میں نے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی، میں نے وہ پانچ سو دینار اس کے دامن میں ڈال دیئے۔ اور ان سے کہا کہ آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کریں۔

میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ کو ایک سیدزادی کی امداد کی توفیق عطا فرمائی اور واپس آ گیا۔ میں کئی سال حج کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بار حج پر جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا۔ دوسرے لوگ چلے گئے۔ حج کیا اور واپس چلے آئے۔ میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں۔ اور انہیں مبارکباد پیش کر دوں۔

چنانچہ میں گیا جس دوست سے ملتا اُسے سلام کرتا اور کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے۔ اور تمہاری کوشش کی بہترین جزا عطا فرمائے تو وہ مجھ سے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی حج قبول فرمائے۔ کئی دوستوں نے اسی طرح کہا اور جب رات کو سویا تو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ تمہیں حج کی مبارک باد پیش کر رہے ہیں اس پر تعجب نہ کرو۔ تم نے میری ایک کمزور اور ضرورت مند بیٹی کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اس نے ہو بہو تجھ جیسا ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمہاری طرف سے حج کرتا رہے گا۔ (برکاتِ آلِ رسول)۔

حکایت نمبر۳ :

ابوالفرج اصفہانی عبیداللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے

ی بن سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے وہ نوعمر تھے ان کی بڑی بڑی زلفیں تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اونچی جگہ بٹھایا ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں۔ جب وہ تشریف لے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قوم نے ان کی ملامت کی اور کہا کہ آپ نے ایک نوعمر بچے کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ سے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن رہا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا.......

''انما فاطمة بضعته منی یسر نی ما یسرها ''یعنی فاطمہ میری لخت جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے کے ساتھ کیا اس سے ضرور خوش ہوتیں۔ (برکاتِ آلِ رسول ﷺ صفحہ ۳۶)۔

حکایت نمبر۴ :

حدیث شریف میں ہے کہ ابولہب کی مسلمان بیٹی سبیعہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ........

''ان الناس یقولون انت بنت حطب النار رسول اللہ ﷺ وهو مغضب فقال مابال اقوام یوذوننی فی قرابتی ومن اذانی فقد اذی اللہ''۔

(ابن منذر، مواہب مع زرقانی جلد ۱ صفحہ ۸۶)۔

ترجمہ :

لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو دوزخ کے ایندھن کی بیٹی ہے۔ سو حضور ﷺ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ جو مجھے میرے رشتہ داروں کے بارے میں ایذا دیتے ہیں اور (انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ) جو مجھے ایذا دیتا ہے وہ اللہ کو ایذا دیتا ہے۔

حکایت نمبر ۵ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چند قریشی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے گھر جمع ہو کر فخر کا اظہار کرنے لگے۔ اس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ہم میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ کہنے لگے بنجر زمین (معاذ اللہ) میں کھجور یا کوئی درخت نمودار ہو گیا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں۔ لوگ آ گئے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر پوچھا! میں کون ہوں؟۔ سب نے عرض کی آپ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے خاندان کی تنقیص وتحقیر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں اُن سے نسب میں افضل اور مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں۔ (مسالك الحنفاء از علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)۔

حکایت نمبر ۶ :

بغداد کے حاکم ابراہیم بن اسحاق کو ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا "قاتل کو رہا کر دو"۔ یہ سن کر حاکم بغداد کانپتا ہوا اٹھا اور اپنے عملے سے پوچھنے لگا کہ کیا کوئی قتل کا ملزم بھی آیا ہے؟۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں ایک شخص ہے حاکم بغداد نے کہا اسے میرے سامنے لاؤ۔ چنانچہ اسے لایا گیا۔ حاکم نے اسے کہا سچ سچ بتاؤ واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا سچ کہوں گا اور ہرگز جھوٹ نہ بولوں گا۔

بات یہ ہوئی کہ ہم چند آدمی مل کر بدمعاشی اور عیاشی کرتے تھے۔ ایک بڑھیا کسی نہ کسی بہانے سے کوئی نہ کوئی عورت ہر رات ہمارے پاس لے آتی تھی۔ ایک رات وہ ایک ایسی عورت لے آئی جس نے میری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ یہ نووارد ہمارے سامنے آئی تو چیخی، چلائی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ میں اسے ایک دوسرے کمرے میں لے گیا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ آخر وہ ہوش میں آئی

میں نے چیخنے اور بے ہوش ہونے کی وجہ پوچھی، وہ بولی..........

"اے نوجوان! میرے حق میں اللہ سے ڈر۔ پھر کہتی ہوں کہ اللہ سے ڈر۔ یہ بڑھیا مجھے فریب دے کر ادھر لے آئی ہے میں ایک شریف اور سیدہ ہوں۔ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میری ماں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ خبردار! اس نسبت کا لحاظ رکھنا اور میری طرف بدنگاہی سے نہ دیکھنا"۔

میں یہ سن کر لرز اٹھا اور دوستوں کو اس حقیقت حال سے آگاہ کر کے بہت سمجھایا کہ اس سیدزادی کی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ مگر انہوں نے اسے ڈھونگ سمجھا اور یہ خیال کیا کہ شاید میں ارتکابِ گناہ میں انہیں شریک نہیں کرنا چاہتا چنانچہ وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ جرم نہ خود کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا۔

چنانچہ وہ مجھ پر جھپٹ پڑے اور مجھے ایک زخم بھی آ گیا۔ ایک شخص جو سیدہ کے کمرے کی طرف بڑھا تو میں نے اس پر چھری سے وار کر دیا اور مار ڈالا۔ پھر اس سیدہ کو اپنی حفاظت میں لے کر نکلا تو شور مچ گیا۔ چھری میرے ہاتھ میں تھی، پکڑا گیا اور آج یہ بیان دے رہا ہوں۔

حاکم بغداد نے کہا "جاؤ! تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رہا کیا جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۸۱۳)۔

نکتہ :

جب ایک عام سیدزادی کے ادب کا یہ مقام ہے تو بلاواسطہ اہل بیت کرام علیہم الرضوان کی منزل کیا ہو گی؟۔

حکایت نمبر ۷ :

شیخ عدوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب منتظم سے نقل کیا ہے کہ ......

بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی بیوی اور چند بیٹیاں تھیں۔ قضائے الٰہی سے وہ شخص فوت ہوگیا۔ ان کی بیوی کہتی ہیں کہ میں لوگوں کی عداوت کے خوف سے سمرقند چلی گئی۔ میں وہاں سخت سردی میں پہنچی۔ میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں لے جا کر بٹھا دیا اور خود خوراک کی تلاش میں نکل پڑی۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ رئیس شہر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچی اور اپنا حال زار بیان کیا۔ اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو۔ اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

میں مسجد کی طرف واپس چل پڑی۔ میں نے راستے میں بلند جگہ پر ایک بڈھا بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟۔ لوگوں نے کہا یہ محافظ شہر ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچی اپنی سرگزشت بیان کی اور رئیس شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اسے بھی بیان کیا اور اسے بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نے اپنے غلام کو بلایا اور کہا اپنی مالکہ (یعنی میری بیوی) سے کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آجائے۔

چنانچہ وہ آگئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں۔ بوڑھے نے اپنی بیوی سے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں چلی جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آ۔ وہ میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی۔ شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لئے الگ رہائش گاہ مقرر کیا۔ غسل کا انتظام کیا ہمیں بہترین کپڑے پہنائے۔ اور طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

جب آدھی رات ہوئی رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوئی ہے اور لواء الحمد رسول اللہ کے سر انور پر لہرا رہا ہے۔ آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا اس نے عرض کیا، حضور! آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں۔ حالانکہ میں مسلمان ہوں۔ نبی

م ﷺ نے فرمایا

''اقم البینه عندی انك مسلم'' اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو، وہ
ص حیرت زدہ رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے اس علوی عورت سے جو کچھ
ا تھا اسے بھول گیا۔ یہ محل جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ اس شیخ کا ہے۔ جس
ے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا اس نے اپنے
لاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ
ورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے۔ یہ رئیس اُس مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی
ورت کہاں ہے؟۔ اس نے کہا میرے گھر میں ہے۔ رئیس نے کہا اسے میرے یہاں
یج دو۔ شیخ نے کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو۔ اور اسے
ے یہاں بھیج دو۔ شیخ نے کہا **لا و الله بمائة الف دینار** قسم خدا کی ایسا نہیں ہوسکتا
ر چہ تم لاکھ دینار بھی دو۔

جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اس سے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے
یں نے بھی وہ دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے تم اس لئے مجھ پر فخر کر
ے ہو کہ تم مسلمان ہو گئے۔ ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں۔ مجھے خواب میں
ول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''**هٰذا القصر لك و لا هلك بما فعلت مع العلوية وانتم من اهل الجنة**'' چونکہ تم نے اس علوی
اتون کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ اس لئے یہ محل تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے
لئے ہے اور تم جنتی ہو۔ (برکات آلِ رسول ﷺ صفحہ ۲۶۷)۔

کایت نمبر ۸ :

سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سید شریف نے حضرت
طاب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بیان کیا کہ کاشف الجیرہ نے ایک سید کو مارا تو اسی رات

خواب میں اسے رسول اللہ ﷺ کی اس حال میں زیارت ہوئی کہ آپ اس سے اعراض فرمار ہے ہیں۔اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میرا کیا گناہ ہے؟۔فرمایا.........

تضربنی وانا شفيعك يوم القيمة تو مجھے مارتا ہے حالانکہ میں قیامت کے دن تیرا شفیع ہوں۔اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو مارا ہو آپ ﷺ نے فرمایا اما ضربت ولدی کیا تو نے میری اولاد کو نہیں مارا؟۔اس نے عرض کیا ہاں، فرمایا وقعت ضربتك الاعلى زراعی هٰذا تیری ضرب میری ہی کلائی پر پڑی ہے۔پھر آپ نے اپنی کلائی نکال کر دکھائی جس پر ورم تھا جیسے کہ شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو۔(برکاتِ آلِ رسول ﷺ صفحہ ۲۶۹)۔

تذکرہ اولیاء سادات

جمع وترتیب:

پیر جی سیّد مشتاق علی کرنالوی

ناشر:

پیر جی کُتب خانہ

محلّہ گوبند گڑھ گلی نمبر 8 مکان 36/ سی کالج روڈ گوجرانوالہ

فون: 055-4445401 موبائل: 0333-8182910

سیدنا امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

علی نام، ابوالحسن کنیت، زین العابدین لقب، حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند اصغر اور ریاضِ نبوت کے گل تر تھے، کربلا کے میدان میں اہلِ بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیم سعادت پھیلی، اور حسین رضی اللہ عنہ کا نام باقی رہا۔

دادہالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے، لیکن نانہالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے، مشہور عوام یہ ہے کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسہ تھے۔

اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ انہیں بھی بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا کہ شاہزادیوں کے ساتھ عام لوگوں کی لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے، اس کی قیمت جتنی بھی لگے گی جو لے گا اسے ادا کرنا ہوگی۔ چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خرید لیا اور ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد رضی اللہ عنہ کو دے دی، دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو۔ ان کے بطن سے حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ، حضرت سالم بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔

قدیم مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴) میں لکھا ہے کہ زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ماں سندھ کی تھیں اوران کا نام سلافہ یا غزالہ تھا، ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہے۔ لیکن سلسلہ نسب نہیں دیا ہے۔ اور نہ یزدگرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہرحال پہلی روایت عقل ونقل ہر اعتبار سے نا قابل اعتبار ہے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفاروق'' میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے، جس سے ان کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہے۔

مگر بہرحال یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں، مگر ان کی سعادت اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ نبوت کا سلسلہ نسب انہی کے واسطہ سے دنیا میں قائم ودائم رہے گا۔

ولادت :

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ (ابن خلکان جلد اول ص ۳۲۱)۔

واقعۂ کربلا :

اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے، اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا، اس سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، لیکن علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرادینا چاہا لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے، عمرو بن سعد بھی پہنچ گیا، اس نے شامیوں کو روک دیا، کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۷)۔

قید :

اہل بیت کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر بہت مہربان ہوگیا تھا، اس نے آپ کو چھپالیا وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا، اس درجہ اس کو آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا، اور روتا ہوا واپس جاتا تھا، اسکے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے، لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی، ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے تین سو اشرفی کا انعام مقرر کیا تھا، اس کی طمع میں شامی نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۷)۔

ابن زیاد سے مکالمہ :

گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کیے گئے، اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے، آپ نے فرمایا علی، نام سن کر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کر دیا؟ آپ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا ان کو لوگوں نے قتل کیا ہے، ابن زیاد بولا لوگوں نے نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا، حضرت امام خاموش رہے، ابن زیاد نے پھر پوچھا آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائی..........

(۱) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ۝۔ (زمر، ۵)۔

اللہ ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے۔

(۲) وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝۔ (آلِ عمران، ۱۵)۔

اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے کا اختیار نہیں ہے۔

یہ آیت سن کر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو اور آپ کے قتل کا حکم صادر کر دیا، یہ حکم سن کر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان عورتوں کو کس کے سپرد کروگے؟ آپ کی پھوپھی حضرت زینب یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں۔ اور حضرت زین

العابدین رضی اللہ عنہ سے چمٹ کر ابن زیاد سے بولیں، اگر تو انہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے، لیکن حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر مطلق کوئی خوف وہراس طاری نہ ہوا، آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو انہیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے، ان کا یہ استقلال دیکھ کر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا، اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا چنانچہ اس نے عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑ دیا۔

(ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۷ و ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷۰، ۷۱)۔

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ :

اس کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھجوا دیا، شام پہنچنے کے بعد یہ حضرات یزید کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہا، علی جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ اس کا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی اور حکومت میں جھگڑا کیا، امام ممدوح نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی ......

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۝ (حدید ـ ۲۲)۔

تم کو زمین میں اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں، ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس ہی بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کا جواب دو، مگر وہ نہ دے سکا، تو یزید نے خود بتایا کہ تم یہ آیت پڑھو۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ۝ (شوریٰ ـ ۳۰)۔

اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے اور

اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے۔ (طبری جلد ۷ صفحہ ۳۷۶)۔

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں، حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے مسلمان قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۷)۔

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے ان کو شاہی حرم سرا میں ٹھہرا دیا، یہ سب عورتیں ان کی عزیز تھیں، اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا، جب تک یہ لوگ مقیم رہے یزید ان کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا، زین العابدین کو اپنے دستر خوان پر کھلاتا تھا۔ (طبری، جلد ۷ صفحہ ۳۷۸)۔

مدینہ کی واپسی اور یزید کے دعدے :

چند دنوں کے قیام کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدین سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو، میں صلہ رحمی سے پیش آؤں گا اور تمہارا پورا حق ادا کروں گا اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جا سکتے ہو، میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہوں گا، زین العابدین نے واپس جانے کی خواہش کی۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۷)۔

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انہیں بحفاظت واپس کر دیا اور رخصت کرتے وقت زین العابدین سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آ جاتی بہر حال اب تو قضائے الٰہی پوری ہو چکی آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے مجھے فوراً لکھنا۔ (طبری، جلد ۳ صفحہ ۳۷۹)۔

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی :

اعزہ کی شہادت گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدین کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے عزلت نشینی اختیار کرلی، اور آئندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا، اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے، یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا ہنگامہ اور زین العابدین کی کنارہ کشی :

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کرلی، مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا، یزید نے حرمین کے باشندوں کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، اور امیر عسکر کو ہدایت کردی کہ زین العابدین کو گزند نہ پہنچنے پائے، اہل مدینہ مقابلہ میں آئے، لیکن نہایت فاش شکست کھائی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی رہی، اس جنگ میں زین العابدین اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے، مدینہ کو ویران کرنے کے بعد جب مسلم عقیق گیا تو زین العابدین کو پوچھا معلوم ہوا موجود ہیں، زین العابدین کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے کے لئے آئے اور اپنے ساتھ اپنے چچازاد بھائیوں ابو ہاشم عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیتے آئے، مسلم بڑی عزت وتکریم کے ساتھ ان سے ملا، انہیں اپنے تخت پر بٹھا کر مزاج پرسی کے بعد کہا امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے فرمایا خدا ان کو اس کا صلہ دے، مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا زین العابدین نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں، یہ معلوم کرکے مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی، اس خوش آئند ملاقات کے بعد زین العابدین واپس گئے۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۶۵۔۲۶۷ وابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۹)۔

مختار کا خروج اور زین العابدین کی علیحدگی :

ایسے زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصولِ حکومت کی طمع میں محب اہل بیت کے روپ میں خونِ حسین کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا، ہزاروں آدمی ساتھ ہوگئے، اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدین کے پاس ایک گرانقدر رقم نذر بھیج کر درخواست کی کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے، لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کی درخواست ٹھکرادی، اور مسجد نبوی میں جا کر اس کے فسق و فجور اور کفر والحاد کا پردہ فاش کرکے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنایا ہے، اس کے فریب میں نہ آنا، ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا، یہ اس کے فریب میں آگئے، زین العابدین نے انہیں بھی روکا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے، وہ محض محبانِ اہل بیت کو مائل کرنے کے لئے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے۔ ابن حنفیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت سے تمام محبان اہل بیت خصوصاً اہل ہاشم کے دلِ زخمی تھے اور ایسی حالت میں جذبات واقعات اور حقیقت دونوں پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہ کو زین العابدین کا کہنا ماننے سے روکا۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ وصفحہ ۴۸۰)۔

اس کے بعد مختار اٹھا اور بنی امیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ لیکن حضرت امام ان سب سے کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہوجانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ علی بن حسین باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے، ایک شخص نے کہا خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ

ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا، فرمایا: وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول پر بہتان باندھتا تھا۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۸)۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتدا میں عبدالملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا، چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام بجبر بلوالیا تھا، لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی کہ زین العابدین کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے، انہیں دن رات اپنے نفس اور خدا کی عبادت سے کام ہے وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے۔ زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

لیکن غالبًا یہ بالکل ابتدا کا واقعہ ہے ورنہ بعد میں دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے تھے، مروان اور عبدالملک دونوں انہیں بہت مانتے تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ زین العابدین اپنے خاندان میں سب سے زیادہ سلامت رو اور مطیع تھے، مروان اور عبدالملک تمام اہل بیت میں ان کو سب سے زیادہ مانتے تھے۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۹)۔

وفات :

۹۴ھ میں مدینۃ الرسول ﷺ میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے روضہ میں دفن کئے گئے۔ (ابن خلکان، جلد اول صفحہ ۳۲۱)۔

فضل وکمال :

آپ جس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ تھے وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا، آپ کے جد امجد علم و عمل کے مجمع البحرین تھے، اس لئے علم کی دولت گویا آپ کو ورثہ میں ملی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شئے سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم و فن کی کتاب بھی آپ نے تہہ کر دی تھی۔ اس لئے آپ کے علمی

کمالات کا ظہور نہ ہو سکا، لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب الاسماء نووی جلد اول صفحہ ۳۴۳)۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ ہر شئے میں ان کی جلالت و عظمت پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء نووی جلد اول صفحہ ۳۴۳)۔

حدیث :

حدیث آپ کے گھر کی دولت تھی، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا تھا، اگرچہ آپ کا شمار اکابر حفاظِ حدیث میں نہیں ہے، تاہم آپ کی مرویات کثرت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ....

''کان ثقة ماموناً كثير الحديث عالياً رفيعاً''.. (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)۔

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اپنے بابا حسن رضی اللہ عنہ اپنے چچیرے دادا ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی دادی عائشہ، ام سلمہ، صفیہ رضی اللہ عنہن اور اپنے خاندانی غلام ابورافع رضی اللہ عنہ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ) ان کے لڑکے عبیداللہ، حضرت عائشہ کے غلام ذکوان رضی اللہ عنہ اور دوسرے بزرگوں میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسور بن مخرمہ اور سعید بن مسیب سے استفادہ کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۰۴)۔

روایت میں آپ کے والد اور دادا کا سلسلہ، سلسلۃ الذہب سمجھا جاتا ہے۔ ابوبکر بن شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسین رضی اللہ عنہ ان کے والد اور ان کے دادا کے سلسلہ سے مروی ہیں وہ اصح الاسانید ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۰۴)۔

تلامذہ :

خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، آپ کے صاحبزادوں میں محمد، زید، عبداللہ اور عمر اور عام رواۃ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، طاؤس بن کیسان، امام زہری، ابولزناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبیداللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عتیبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن، مسلم البطین، یحیٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن یزید بن جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۰۵)۔

فقہ :

فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۶۵)۔ آپ کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہا کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا۔ (اعلام الموقعین جلد اول صفحہ ۲۲)۔

حکیمانہ اقوال :

آپ کے اقوال بھی آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پند و موعظت اور حکمت و حقیقت کے اسباق ہیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کئے جاتے ہیں.........

فرماتے تھے مجھے اس مغرور اور فخر کرنے والے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل مردار ہو جائے گا اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے۔ حالانکہ خود اس کی پیدائش اس کے سامنے ہے اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو ایک فانی مقام کے لئے عمل کرتا ہے اور دار بقا کو چھوڑ دیتا ہے احباب کا کھو دینا مسافرت ہے۔ خدایا میں تجھ سے اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو تو اچھا دکھا لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کر دے۔ خدایا میں نے جب کوئی برائی کی تو تو نے میرے ساتھ بھلائی کی، آئندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر۔

☆...... کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے، کچھ (جنت کی) طمع میں عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے، کچھ خالص شکر الٰہی میں عبادت کرتے ہیں، یہی آزادوں کی عبادت ہے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۴)۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

☆ ... آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا، میں نے عرض کیا کون فرمایا، فاسق کے ساتھ وہ تم کو ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم میں بیچ دے گا میں نے پوچھا اس سے کیا کم شئے ہے؟ فرمایا ایک لقمہ کی طمع کی جائے اور وہ بھی نہ ملے۔ میں نے پوچھا دوسرا کون، فرمایا بخیل، وہ اس چیز کو جس کی تم کو سب سے زیادہ ضرورت ہوگی تم سے علیحدہ کر دے گا، میں نے پوچھا تیسرا کون، فرمایا کذاب، وہ سراب کی طرح قریب کو تم سے دور کر دے گا اور دور کو قریب، میں نے عرض کیا چوتھا کون، فرمایا کہ احمق کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا مگر الٹے نقصان پہنچا دے گا۔ میں نے کہا پانچواں کون، فرمایا قاطع رحم میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

☆...... فرماتے وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہو سکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت کے موافق لو تو اس کو خوشی نہ ہو۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

فضائل، اخلاق :

اس ظلمت کدۂ عالم میں اخلاق کی روشنی آپ ہی کے گھر سے پھیلی، آپ اسی آفتاب کی کرن اور اسی نور کا پرتو تھے، اس لئے آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کی وہ نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستنیر ہوتے تھے، آپ خلق نبوی کی مجسم تصویر تھے، خاندانِ بنی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا۔ (تہذیب الاسماء جلد اول صفحہ ۳۴۳)۔

خشیت الٰہی :

خشیت الٰہی ہی وہ تخم ہے جس سے شجر اخلاق کی شاخیں پھوٹتی ہیں، آپ کا دل خشیت الٰہی سے لبریز رہتا تھا، اور اکثر وہ اس خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسین حج کو گئے، احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا۔ لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے، فرمایا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے ''لا لبیک'' تیری حاضری قبول نہیں، لوگوں نے کہا مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے، لوگوں کے اصرار سے کہا، مگر جیسے ہی زبان سے لبیک نکلا اور بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے، اور حج ہونے تک یہی کیفیت طاری رہی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۰۶)۔

جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذابِ الٰہی کے خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۴)۔

عبادت وریاضت :

آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون صالح تھا، جن کی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی، اس کا یہ اثر تھا کہ ان کی ذات زہد وعبادت کا مجسم پیکر تھی، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ جو خود بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے فرماتے تھے کہ علی بن حسین سے زیادہ ورع میری نظر سے نہیں گزرا۔ عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، آپ کے اوقات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا۔ شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے، اور مرتے دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا، اس عبادت کی وجہ سے زین العابدین لقب ہو گیا تھا۔ قیام لیل وسفر وحضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۷)۔

اخلاص فی العبادت اور خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، عبداللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لئے

کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، لوگوں نے پوچھا آپ کو کیا ہو جاتا ہے، فرمایا تم لوگ کیا جانو، میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔ (ابن سعد، جلد ۵ صفحہ ۱۲۰)۔

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کچھ بھی ہو جائے آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگی، لوگوں نے آپ کو بھی پکارا، یا ابن رسول اللہ آگ لگی، یا ابن رسول اللہ آگ لگی۔ لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا تا آنکہ آگ بجھ گئی، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو آگ کی جانب سے اس قدر بے پرواہ کس نے کر دیا تھا؟ فرمایا دوسری آگ (آتش دوزخ) نے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

روزانہ کا معمول تھا کہ آپ اور سلیمان بن یسار مسجد نبوی میں قبر نبوی اور منبر نبی کے درمیان دن چڑھے تک مذاکرۂ حدیث اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اٹھتے وقت عبداللہ بن ابی سلمہ قرآن کی ایک سورۃ سناتے تھے، قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۲۰)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر :

آپ کے جد امجد دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ نے اس کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا، اس سے غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے تھے، فرماتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے، بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اسے نہ چھوڑے، لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا، فرمایا جب کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۲۰)۔

انفاق فی سبیل اللہ :

انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریا دلی آپ کا خاص وصف تھا، آپ خدا کی راہ

میں بے دریغ دولت لٹاتے تھے، فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لئے ہمیشہ آپ کا دست کرم دراز رہتا تھا۔ مدینہ کے معلوم نہیں کتنے غریب گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پائی، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد اول صفحہ ۳۴۳)۔

لوگوں سے چھپانے کے لئے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچا آتے تھے، مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ معلوم ہوتا تھا، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر ان کے گھروں پر دے آتے تھے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۴)۔

غلہ کے بڑے بڑے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے، وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں۔ جنہیں آپ راتوں کو لاد کر غربا کے گھر پہنچاتے تھے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے ہیں کہ خفیہ خیرات زین العابدین کے دم سے تھی، سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے، جب کوئی سائل آتا تو ''میرے توشہ کو آخرت کی طرف لے جانے والے مرحبا'' کہہ کر اس کا استقبال کرتے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

سائل کو خود اٹھ کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۰)۔ عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دیدیا۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۲)۔ پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہن کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۱)۔

اکل حلال :

اکل حلال کا آپ کو اس درجہ اہتمام تھا کہ اگر آپ چاہتے تو اپنے بزرگوں کے نام پر بڑی دولت کما سکتے تھے، لیکن آپ نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۰۵)۔

حلم و بردباری :

تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے، آپ تحمل کی ایسی چٹان تھے کہ زبان کے تیز سے تیز نشتر اس پر اثر نہ کرتے تھے، ناگوار سے ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے، کوئی جواب نہ دیتے، آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا تھا کہ جب مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے، اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵)۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بکنے والے کے جانب متوجہ ہی نہ ہوتے، گویا آپ کو کہہ ہی نہیں رہا ہے، بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتاتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا ہوں، یہ سننے کے بعد بھی آپ جواب دیتے کہ میں چشم پوشی کرتا ہوں۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۷)۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو کچھ ناملائم الفاظ کہے، آپ سنی ان سنی بنا گئے، اس شخص نے کہا میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا میں چشم پوشی کرتا ہوں، اگر کبھی جواب بھی دیتے تو ایسا کہ ایسا کہنے والا خود منفعل ہو جاتا، ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے، راستہ میں ایک شخص ملا اور آپ پر گالیاں برسانی شروع کر دیں، آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے، آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا کہ میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں۔ تمہاری کوئی ایسی ضرورت ہے جس میں میں تمہاری امداد کر سکتا ہوں، یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دیدیا

اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے۔ اس شخص پر آپ کے اس ''حسن انتقام'' کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۷)۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے آپ اس خبر دینے والے کو لے کر اس شخص کے پاس پہنچے، خبر دینے والا یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لئے اپنے ساتھ لیا ہے وہاں پہنچ کر آپ نے اس شخص سے فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارہ میں کہا ہے اگر وہ صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے اور اگر جھوٹ ہے تو خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۷)۔

عفو و درگزر :

آپ اپنے انتہائی کینہ پرور دشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے، ہشام بن اسماعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا اور بر سر منبر اس کو بیان کرتا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرتا تھا، ولید بن عبدالملک نے جو شاید اس سے کسی بات پر کچھ برہم تھا، اپنے زمانہ میں اسے معزول کر دیا، اور حکم دیا کہ لوگوں کے مجمع میں کھڑا کیا جائے کہ لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لیں، ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسین کی جانب سے تھا کہ وہ ایک با اثر آدمی تھے، لیکن انہوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ہشام سے تعرض نہ کرے، آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے عرض کیا، کیوں؟ خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں، ہم کو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا، فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا، ہشام پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس کو زین العابدین کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۳)۔

نرمی و ملاطفت :

آپ فطرۃً بڑے نرم خو تھے، درشتی اور سختی کا آپ میں نام تک نہ تھا، جانوروں تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علی سواری پر مکہ جاتے تھے اور واپس آتے تھے اور اس طویل سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے۔ (ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۲۰)۔

محبوبیت و جلالت :

اس تحمل، اس عفو و درگزر اور اس نرمی و ملاطفت کی وجہ سے آپ کی محبت و عظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزیں تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا تھا، اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبدالملک کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔ ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کے ساتھ حج کو گیا۔ طواف کرنے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا، لیکن ہجوم اتنا تھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا، مجبور ہو کر رک گیا، اور اژدحام کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں امام زین العابدین آئے اور طواف کر کے حجر اسود کی طرف بڑھے۔ انہیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی، اور انہوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا، یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے، ہشام آپ کو خود پہچانتا تھا، لیکن محض شامیوں کے دلوں میں زین العابدین کی عظمت نہ قائم ہونے اور ان کی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا، فرزدق شاعر بھی موجود تھا، یہ تجاہل عارفانہ سن کر اس کی شراب عقیدت جوش میں آ گئی۔ اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں، شامی نے پوچھا کون ہیں، فرزدق نے اسی وقت زین العابدین کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا، جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔ (یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے)۔

هٰذا الذی تعرف البطحاء وطأته | والبیت یعرفه والحل والحرم

هٰذا ابن خير عباد الله كلهم	هٰذا التقى النقى الطاهر العلم
اذا رأته قريش قال قائلها	الى مكارم هٰذا ينتهى الكرم
وليس قولك من هٰذالضائره	العرب تعرف من انكرت والعجم
ماقال لاقط الا فى تشهده	ولولاالتشهد كانت لاءُ نعم
يكاد يمسكه عرفان راحته	ركن الحطيم اذا ماجاء يستلم
مقدم بعد ذكر الله ذكرهم	فى كل امر ومختوم به الكلم
يغضى حياء ويغضى من مهابته	ولايكلم الا حين يتبسم
هٰذا ابن فاطمة ان كنت جاهله	بجده انبياء الله قد ختموا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے بگڑ گیا اور اس کو قید کر دیا، امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے مدح کی تھی، انعام کی طمع میں نہیں، امام زین العابدین اس پیام کے ساتھ پھر اس کے پاس بھجوا دیا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمہاری نیت سے واقف ہے وہ اس کا اجر علیحدہ دے گا خدا تمہاری سعی مشکور فرمائے، اس پیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے روپیہ لے لیا۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۶)۔

غرور سے نفرت :

آپ جس خانوادے کے رکن رکین اور جس رتبہ کے بزرگ تھے اس کے لحاظ سے آپ میں عجب وغرور کا پیدا ہو جانا تعجب انگیز نہ تھا، لیکن آپ میں اس کا شائبہ تک نہ تھا۔ بلکہ اس کے برعکس بڑے متواضع اور منکسر تھے، غرور سے سخت نفرت کرتے تھے، فرماتے تھے مجھے اس متکبر اور مغرور انسان پر تعجب آتا ہے کہ جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل پھر مردار ہو جائے گا۔ (مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۳)۔

آپ کی چال ایسی متواضعانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ

بڑھنے پاتے تھے۔ (ابن سعد، جلد ۵ صفحہ ۱۲۰)۔

مساوات :

غرور نسب کو عملاً مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود عقد کر لیا تھا، عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمہارے لئے نمونہ ہے، آپ نے صفیہ بنت حیی کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا، اور اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۹)۔

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت :

عموماً مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، امام زین العابدین اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انہیں ایسی محبت سے روکتے تھے، فرماتے تھے کہ تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو، خدا کی قسم تم لوگ ہمارے متعلق یہاں تک کہتے رہے کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہم کو مبغوض بنا دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۸)۔

کبھی فرماتے "ہمارے ساتھ خدا کے لئے اسلام کی بتائی ہوئی محبت کیا کرو، تمہاری محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی ہے"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵۸)۔

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ حسن عقیدت :

اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ امام زین العابدین علیہ السلام بھی سچی عقیدت رکھتے تھے، ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے اور برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے، ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے

پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کے ہمنوا ہوں گے، آپ کے سامنے خلفائے ثلاثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کیں آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی طرف (لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○)۔ (سورۃ الحشر، آیت نمبر ۸)۔

مالِ غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کئے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں"۔

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا تم کہہ سکتے ہو کہ تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کئے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں اور اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ عراقیوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف "وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○۔ (سورۃ الحشر، آیت نمبر ۹)۔

اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے (مہاجرین) پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کرکے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور (مالِ غنیمت) جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے اپنے دل میں اس کی خواہش نہیں پاتے، اور خواہ ان پر تنگی کیوں نہ ہو، (مہاجرین کو) اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں جو اپنے نفس کو بخل سے بچانے کا وہی لوگ فلاح پائیں گے"۔

جو انصار کے فضائل میں ہے اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں میں ہو جو

ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت کے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں، اور ایمان لا چکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں؟۔ عراقیوں نے کہا ان میں سے بھی نہیں ہیں فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو، اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو جن کے متعلق خدا فرماتا ہے......

"وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○۔ (سورۃ الحشر، آیت نمبر ۱۰)۔

اور وہ لوگ جو ان کے (مہاجرین) بعد آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سب سے پہلے ایمان لا چکے مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو رؤف ورحیم ہے"۔

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ۔ (صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۴)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کئے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۰)۔

حلیۂ مبارکہ:

صورۃ نہایت حسین وجمیل تھے، بدن سے خوشبو پھوٹتی تھی۔ شانوں تک زلفیں تھیں، مانگ نکلی رہتی تھی۔ خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۰)۔

لباس:

نہایت خوش لباس تھے، خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے، جبہ اور اسی کی چادر

استعمال کرتے تھے، ایک ایک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرفی تک ہوتی تھی، اور محض ایک موسم پہن کر اس کو بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے تھے، سردیوں میں لومڑیوں کا سمور استعمال کرتے تھے، رنگوں میں سپید، سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ استعمال کرتے تھے گول سر کی جوتی پہنتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۶۰)۔

نفاست :

مزاج میں بڑی لطافت و نفاست تھی، گندگی کو مطلق برداشت نہ کر سکتے تھے، بہت سی چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسین بیت الخلا گئے میں ہاتھ دھونے کے لئے پانی لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا تھا، بیت الخلا سے نکلنے کے بعد فرمایا، میں نے بیت الخلا میں ایسی شئے دیکھی جس نے مجھے شک میں ڈال دیا، میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا کہ مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ کر آدمی کی جلد پر بیٹھتی ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لئے ایک خاص لباس بنواؤں، پھر سوچ کر فرمایا، کہ میں جس چیز کی لوگوں کو استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہیے۔

(ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۵۰)۔ (ماخوذ از سیر الصحابہ از معین الدین ندوی)۔

سیدنا امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن حسین رضی اللہ عنہ

نام و نسب :

محمد نام، ابو جعفر کنیت، باقر لقب، حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے، ان کی ماں ام محمد حضرت امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اس لئے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی۔

پیدائش :

صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی۔

فضل و کمال :

باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی، پھر حضرت امام زین العابدین جیسے مجمع البحرین باپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی، ان موروثی اثرات کے علاوہ خود آپ میں فطرۃً تحصیل علم کا ذوق تھا، ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنا دیا تھا، وہ اپنے وفورِ علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے "بقر" کے معنی عربی میں پھاڑنے کے ہیں اسی سے بقر العلم ہے یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس کی جڑ اور اندرونی اسرار سے واقف ہو گئے تھے۔

(تہذیب الاسما، نووی جلد اول، صفحہ ۸۷)۔

بعض علماء ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے، محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا، جسے علی بن حسین پر ترجیح دی جا سکتی، یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا۔ (تہذیب التہذیب

جلد۹صفحہ ۳۵۰)۔

وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں ''کان سید بنی هاشم فی زمانہ'' امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے، ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے، ان کا شمار مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں تھا۔

حدیث :

حدیث ان کے گھر کی دولت تھی، اس لئے وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ''کان ثقة کثیر العلم والحدیث''۔ (ابن سعد جلد۵ صفحہ ۲۳۸)۔

اس گنج گراں مایہ کو انہوں نے اپنے والد محترم امام زین العابدین اپنے نانا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے دادا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے چچیرے دادا محمد بن حنفیہ اور اپنے جد امجد کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس، اپنی دادی حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہ کے مخزن سے بالواسطہ حاصل کیا تھا۔ یعنی ان بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں اپنے گھر کے باہر انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب، عبداللہ بن ابی رافع، حرملہ، عطاء بن یسار، یزید بن ہرمز اور ابومرہ وغیرہ سے مستفید ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد۹صفحہ ۳۵۰)۔

تلامذہ :

اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ امام اوزاعی، اعمش، ابن جریج، امام زہری، عمرو بن دینار اور ابواسحاق سبیعی وغیرہ اکابر تابعین اور تبع تابعین کی بڑی جماعت آپ کے خرمن کمال کی خوشہ چین تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد۹صفحہ ۳۵۰)۔

فقہ :

فقہ میں آپ کو خاص دستگاہ حاصل تھی، ابن برقی آپ کو فقیہ وفاضل کہتے ہیں، امام نسائی فقہا تابعین میں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے فقہا اور ائمہ میں شمار کرتے

ہیں۔ (تہذیب الاسماء جلد اول، صفحہ ۸۷)۔

زہد وعبادت :

آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت [illegible] اور ایسے ماحول میں آپ کی نشو ونما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ذکر اور اس کی تسبیح [illegible] سے گونجا کرتا تھا۔ اس لئے عبادت کی وہی روح آپ کے رگ وپے میں سرایت [illegible] تھی، عبادت وریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا، شبانہ یوم میں ڈیڑھ سو رکعتیں نماز پڑھتے تھے، سجدوں کی کثرت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا، لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔ (ابن سعد جلد۵صفحہ ۲۳۶)۔

شیخین کے ساتھ عقیدت :

اپنے اسلاف کرام اور بزرگانِ عظام کی طرح شیخین کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے، جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل [illegible]یت میں کوئی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں بھی دیتا تھا؟ فرمایا نہیں میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ (ابن سعد جلد۵صفحہ ۲۳۶)۔

سالم بن ابی حفصہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق سے ابوبکر وعمر کے بارہ میں پوچھا، انہوں نے فرمایا سالم میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے تبری کرتا ہوں، یہ دونوں امام ہدیٰ تھے، [illegible]ہیں نے اپنے اہل بیت میں سے ہر شخص کو ان کے ساتھ تولا ہی کرتے پایا۔ (تہذیب التہذیب، جلد۹، صفحہ ۳۵۱)۔

صحت عقیدہ :

بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کردیئے ہیں جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا، وہ امورِ دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ جابر روایت کرتے ہیں کہ میں

نے محمد بن علی سے پوچھا کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے۔ فرمایا نہیں، میں نے دوسرا سوال کیا ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا فرمایا نہیں۔ (ابن سعد جلد۵ صفحہ ۲۳۶)۔

وفات :

مقام حمیمہ میں انتقال فرمایا، لاش مدینہ لاکر جنت البقیع میں دفن کی گئی، سنہ وفات کے بارہ میں بیانات مختلف ہیں بعض ۱۱۴ھ بعض ۱۱۷ھ اور بعض ۱۱۸ھ بتاتے ہیں۔ عمر کے بارہ میں بھی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ اٹھاون سال کے تھے، دوسری یہ کہ ۷۳ سال کے تھے لیکن دوسری روایت قطعاً غلط ہے، پہلی اقرب الی الصحۃ ہے، اس لئے کہ ان کی پیدائش بالاتفاق ۵۷ھ میں ہوئی، اس حساب سے آپ کی عمر پہلے سنہ وفات کے مطابق اکسٹھ سال سے زیادہ ہوگئی۔ (ابن سعد جلد۵ صفحہ ۲۳۸)۔

اولاد :

امام باقر کے کئی اولادیں تھیں، جعفر، عبداللہ یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے۔ قاسم کی بیٹی ام فروہ کے بطن سے تھے، ابراہیم یہ ام حکیم بنت اسید کے بطن سے تھے، علی اور زینب یہ دونوں ام ولد سے تھے، ام سلمہ یہ بھی ام ولد سے تھیں، ان میں جعفر الملقب بہ صادق سب میں نامور اور باپ کے جانشین تھے۔ (ابن سعد جلد۵ صفحہ ۲۳۵)۔

لباس :

امام باقر نہایت خوش لباس تھے، خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے، ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے اور وسمہ اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔ (ابن سعد، جلد۵، صفحہ ۲۳۶/ ماخوذ از سیر الصحابہ)۔

سیدنا امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن حسین رضی اللہ عنہ

نام و نسب :

جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد الملقب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ آپ کی ماں ام فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

پیدائش :

۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، صفحہ ۱۵۰)۔

فضل و کمال :

آپ اس خانوادۂ علم و عمل کے چراغ تھے، جس کے ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ باقر آپ کا لقب تھا، آپ کے حلقہ درس سے امام اعظم ابوحنیفہ النعمان جیسے اکابر امت نکلے، اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثۃً ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے، حافظ ذہبی آپ کو امام اور احد السادۃ الاعلام لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد۱ صفحہ ۱۴۹)۔

اہل بیت کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے۔ (تہذیب التہذیب، جلد۲، صفحہ ۱۰۴)۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء صفحہ ۱۵۰)۔

حدیث :

حدیث آپ کے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال ہیں، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا، چنانچہ آپ مشہور حفاظِ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ''کان کثیر الحدیث''۔ (تہذیب التہذیب، جلد۲ صفحہ ۱۴۰ بحوالہ ابن سعد)۔

حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۵۰)۔

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقر، محمد بن منکدر، عبیداللہ بن ابی رافع، عطا، وہ قاسم بن محمد نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ، دونوں سفیان، ابن جریج، ابو عاصم، امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔ (تہذیب التہذیب، جلد۲ صفحہ ۱۰۳)۔

احترام حدیث :

حدیث رسول کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب، جلد۲ صفحہ ۱۰۵)۔

فقہ :

فقہ میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ فقہ الفقہاء امام زمن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱ صفحہ ۱۵۰)۔

علماء کا مرتبہ :

آپ فرماتے تھے کہ فقہاء رسولوں کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی

آستاں بوسی نہ کریں۔

اقوال :

آپ کے اقوال وکلمات طیبات تہذیب اخلاق، علم وحکمت اور پند وموعظت کا دفتر ہیں، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا، سفیان جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو زیادہ دوں گا'' جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو تو استغفار زیادہ کرو، اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ ۔
(سورہ نوح، آیات ۱۰ تا ۱۲)۔

اپنے رب سے مغفرت چاہو، وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، تم پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے گا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا، اور آخرت میں تمہارے لئے جنت اور نہریں بنائے گا۔

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو وہ کشادگی کی کنجی ہے، جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے، جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر متہم کرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے، خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ دری کر دیتا ہے، جو بغاوت کے لئے تلوار کھینچتا ہے وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے، جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے وہ حقیر ہو جاتا ہے جو علماء سے ملتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے، جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ حق بات کہو

خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف، آدمی کی اصل اس کی عقل ہے، اسکا حسب اس کا دین ہے، اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے، تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں، سلامتی بہت نادر چیز ہے، یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشۂ گمنامی سے مختلف ہے، اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

استغفار :

فرماتے تھے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے۔

دنیا :

فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے اسے تھکا دے۔

اچھے کاموں کے شرائط :

فرماتے تھے، بغیر تین باتوں کے اچھا کام مکمل نہیں ہوتا، جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہوگی، اور جب تم اس میں جلدی کرو گے تو خوشگواری محسوس کرو گے۔

حسن ظن :

فرماتے تھے جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لئے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو اس کے جواز کے لئے ایک سے ستر تک اس کی تاویلیں تلاش کرو، اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی، جس کا تم کو علم نہیں۔ اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اس کو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو، جب وہ محمول نہ

ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

تہذیب واخلاق :

فرماتے تھے چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہیے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اس کی دیکھ بھال میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں۔

ایک نکتہ :

جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دیدیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔ (یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں)۔

فضائل اخلاق :

آپ کی ذات فضائل واخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لئے کافی تھا، عمرو بن المقدام رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں۔ (تہذیب الاسماء جلد ا صفحہ ۱۰۵)۔

عبادت وریاضت :

عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی، آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا۔ آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا، یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے۔ (تہذیب جلد ۲، صفحہ ۱۰۴)۔

انفاق فی سبیل اللہ :

انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی و سیر چشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک وصف رہا ہے، جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، ہیاج بن بسطام

روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے۔ اور خود ان کے اہل وعیال کے لئے کچھ نہ باقی رہ جاتا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ا صفحہ ١٥٠)۔

لباس امارت میں خرقہ فقر :

آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے، لیکن اندر لباس فقر مخفی ہوتا تھا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، اس وقت ان کے جسم پر خز کا جبہ اور دخانی خز کی چادر تھی، میں نے کہا آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے اور اس زمانہ میں دولت بہ رہی ہے یہ کہہ کر انہوں نے اوپر کا کپڑا اٹھا کر دکھایا تو خز کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا، اور فرمایا ثوری رحمۃ اللہ علیہ یہ ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے، اور وہ تم لوگوں کے لئے جو خدا کے لئے پہنا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے اور جو تم لوگوں کے لئے تھا اس کو اوپر رکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ا صفحہ ١٥٠)۔

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت :

مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے، فرماتے تھے تم لوگ خصومت فی الدین سے بچو، اس لئے کہ وہ قلب کو پھنسا دیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ا صفحہ ١٥٠)۔

جرأت :

نہایت جری نڈر، اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جبابرہ کے سامنے بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آکر بیٹھی وہ بار بار ہنکاتا تھا، اور مکھی بار بار آکر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آگیا، مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں جعفر رحمۃ اللہ علیہ پہنچ گئے، منصور نے ان سے کہا ابو عبداللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے؟ فرمایا جبابرہ کو ذلیل کرنے کے لئے۔ (صفوۃ الصفوہ، صفحہ ١٤١)۔

حضرت ابوبکر کے متعلق عقیدہ :

گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لئے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ مجھے علی سے جتنی شفاعت کی امید ہے اتنی ہی ابوبکر سے ہے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ٢ صفحہ ١٠٤)۔

وفات :

١٤٨ھ میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الحفاظ، جلد ا صفحہ ١٥٠۔ ماخوذ از سیر الصحابہ، ترمیم و اضافہ کے ساتھ۔)۔

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب :

ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آکر رہنے لگے اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر ابن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضی رضی اللہ عنہ۔

تعلیم :

تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے جن کے بارہ میں لکھتے ہیں ....

''اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول وفروع میں امام، اور معانی میں بلند تھے۔ بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا۔ اور اکابر واجلۂ اہل تصوف میں تھے۔ اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے۔ مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے ایک گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں وہ پراگندہ ہوتی تھیں مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے

نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔ امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا وعقبی سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ ''اَشْتَهِيْ عَدَمًا لَا وَجُوْدَ لَهٗ'' یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں۔ اور فارسی میں کہتے ہیں ....

''مرآدمی را بایست محال باشد ومرانیز بایستنی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آں نباشد''۔ اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب وبلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو، دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جل جلالہ کی ہستی ہے کہ اس کے لئے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں، اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو اور یہی صحت فنا کا اصلی قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین)۔

حضرت شیخ ابوالعباس اشقانی کا ذکر ایک جگہ اور کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں ''ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور روتے ہیں اور پھر نعرہ لگاتے ہیں پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے؟ تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں۔ (کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین)۔

اپنے ایک اور استاد شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں.......

''وہ رؤسائے متصوف میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں''۔ (کشف المحجوب)۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ ''استاذ'' برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا۔ مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے۔ اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے، شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الکرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، چنانچہ ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی اور یہ لکھ کر کہتے ہیں کہ ......

''مرا وے اسرار بسیار بود، اگر باظہار آیات وی مشغول کردم از مقصود نمانم''۔ (کشف المحجوب)۔

ائمہ متاخرین میں ابوالعباس احمد بن محمد القصاب، ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف بالذاستانی ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان کا ذکر خاص طور پر لطف ولذت کے ساتھ کیا ہے۔ ان کی تصانیف وتعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابواحمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ ومشاہدہ سے متاثر تھے، اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انہوں نے دیکھ کر پوچھا کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا سماع انہوں نے فوراً قوال کو بلایا اور جب مجلس سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بے قراری طاری رہی اور جب میرا جوش وخروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لئے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لئے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا اور جب مشاہدہ ہو جائے گا شوق سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت

جزو طبیعت نہ بن جائے۔ (کشف المحجوب، ذکر آئمہ متاخرین)۔

تعلیم طریقت :

باطنی وروحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنید یہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں ......

''وتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری اقتداء، طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر وروایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے بیرونی کے دوست اور ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشین ہو کر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے۔ ان سے زیادہ کسی کو پر رعب نہیں دیکھا''۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہیں

جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور مانیا زری کے درمیان ہے اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا۔ میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہیے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہیے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا، اور جاں بحق ہو گئے۔

سیاحت :

روحانی کسب کمال کے لئے تمام اسلامی ممالک، شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدی، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابواسحاق بن شہریار، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیر کانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد جمادی سرخسی اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔

منازل سلوک طے کرنے میں جو مجاہدے کئے ان میں ایک عجیب وغریب واقعہ خود ہی بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا۔ آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی، اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربوزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔ (کشف المحجوب، باب ششم)۔

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لئے ہوئے ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لئے ہوئے ہو میں نے آگے بڑھ کے قدم چومے اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے۔ آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا۔ اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی امام ابوحنیفہ۔ اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہ گو جسمانی طور سے فانی ہو چکے ہیں مگر احکام شرعی کے لئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (کشف المحجوب، ذکر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)۔

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے۔ جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے۔ ایک شخص نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لئے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لئے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے۔ (کشف المحجوب، فصل تیسری)۔

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے۔ لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی، اور ہر جمعہ کو نماز کے لئے کسی قصبہ میں قیام فرمایا۔

کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

''وعبادت آنجا کہ می خواہی می کن ومشائخ رحمہم اللہ علیہم حق ادب ان نگاہداشتہ اند ومریدانرا بدان فرمودہ اند. یکے می گوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود، وہر آدینہ بقصبۂ بودم''۔

خاکسار مولف کا خیال ہے کہ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو مصیبت وریا کہتے ہیں اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے. چنانچہ اس حدیث (من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التھم) کو لکھ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے لئے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے۔ (کشف المحجوب، ذکر الفرق بین المقام والحلال)۔

ازدواجی زندگی :

تعلقات زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچالیا۔

کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بودہ، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود و یک سال مستغرق آں بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف وتمام فضل خود

عصمت را باستقبال دل بے چارۂ من فرستادند. بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔

ورودِ لاہور :

فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں.....

''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے۔ اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے مہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ مہاور میں جاکر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں مہاور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا''۔

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آکر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس گئے، کیونکہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں، لیکن بہرحال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے، ایک جگہ رقمطراز ہیں.......

''کتب من بر حضرت غزنین ماندہ بود، من اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنسان گرفتار شدہ بودم''۔

ہندوستان کے سفر میں جابجا علمی مذاکرہ بھی کیا، فرماتے ہیں.......

''ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر وتذکیر کا مدعی تھا، مقام فنا اور بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ فنا اور بقا سے بالکل ناآشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا''۔ (ذکر بقا وفنا)۔

وفات :

آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سال وفات ۴۶۵ھ ہے، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی قبر پر چلہ کیا۔ اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نورِ خدا
کاملاں را ہنر کامل ناقصاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے عوام داتا گنج بخش کہتے ہیں، حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی جوان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے۔

داراشکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے..........

خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضۂ منورہ مشرف می گردند ومشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفہ ایشاں بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارت روضۂ منورہ ووالدین وخال ایشاں مشرف گشتہ۔ (سفینۃ الاولیا، صفحہ ۲۸۳)۔

تصانیف :

"کشف المحجوب" کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں..........

(۱)...... منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے،
بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں۔

(۲)...... کتاب الفنا والبقا۔

(۳)...... اسرار الخرق والمؤنات۔

(۴)...... کتاب البیان لاہل العیان۔

(۵)...... بحر القلوب۔

(۶)...... الرعایۃ لحقوق اللہ۔

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے..........

"پس ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"۔

"من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"۔

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے، حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔ (درر نظامی)۔

حضرت شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں..........

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است ولطائف وحقائق دراں کتاب جمع کردہ است"۔ (نفحات الانس)۔

داراشکوہ لکھتا ہے..........

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور ومعروف است و ہیچ کس را برآں سخن نیست و مرشدی است کامل در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ"۔ (سفینۃ

الاولیاء، صفحہ ۲۸۲)۔

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے **کشف المحجوب** تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کئے جاتے ہیں۔

علم :

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) علم خداوند تعالیٰ۔ (۲) علم خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں ......

(۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمۂ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا۔

(۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں ......

(۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں۔

(۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔

(۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں ......

(۱) کتاب۔ (۲) سنت۔ (۳) اجماع امت۔

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم ملزوم قرار دیا ہے، اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کیا وہ زندیق ہے۔

فقر :

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے اس میں تین فصلیں ہیں ......

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے

نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطہ نظر سے فقر وغنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا، فقر سے افضل ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لئے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے۔ یہ اسی کے لئے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث وتغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجودِ بشر ہی کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس کی تشریح وتفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے غنا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں ''الغنی

من اغناہ اللہ''، یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے۔ اس لئے غنی باللہ فاعل ہے اور ''من اغناہ اللہ'' مفعول ہے، فاعل بذاتِ خود قائم ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص اس لئے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیے۔ اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے، حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہوجاتا ہے تو فقر وغنا کے دونوں نام اس کے لئے بے معنی ہوجاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر وفقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت ردیم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے۔ اور اس کا نفس آفت سے مصؤن ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویری نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گزرے اس کو ظاہر نہ کرے۔ اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لئے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا، مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے، کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اسلئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے۔

دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا

منتظر نہیں رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

صوفی کی اصلیت :

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں ....

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی تصوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول میں رہتا ہے اس لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے اسی طرح اور توجیہات ہیں، مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک، صاف ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔

اہلِ تصوف کی تین قسمیں ہیں..........

(۱)...... صوفی، جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے

(۲)..... متصوف، جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

(۳)..... مستصوف، جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لئے اپنے کو مثل صوفی کے بنالیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں، جن سے ان کے مذکورۂ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اول اور درجہ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہاں میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

تصوف :

اس بحث میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہو، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا ہو، اشارات حضرت زکریا علیہ السلام کے ہوں، غربت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو، لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں..........

(۱)...... خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہوکر پورا کرنا۔

(۲)...... بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا۔

(۳)...... نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس :

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے، صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لئے شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اس وقت پہن سکتا ہے جبکہ اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ موخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور ان کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو اس سے تمام غم دور ہوں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں

شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہوکر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ملامت :

چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں..........

(۱)..... ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی پرواہ مطلق نہ کرتا ہو، مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق کہاں جاتا ہے؟"۔ ان کے مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انہوں نے روک دیا اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن میں ان کو کسی میں شیخ زکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام، اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے کہ مگر یہ سب اسم نہیں ہیں۔ القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیوں کیا جائے؟۔

(۲)..... دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔

(۳)..... تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لئے مایہ تفریح، مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کے لئے سرور ہے۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔ چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں تفصیل غالبًا نامناسب نہ ہوگی۔

رضا :

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندے سے۔ (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے)۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسے اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں۔ تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں یہ رنج ہے۔ چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارہ

...قصار ہیں جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث ...باب میں گزر چکی ہے، اس لئے حضرت ہجویری نے اس موقع پر اس مسلک پر ...تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

سکر و صحو :

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے۔ اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابوالقاسم الجنید یہ بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے۔ اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے جب دونوں کی اصل صحیح ہوں تو سکر اور صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود، دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو، تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی :

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ درویشوں کی عزت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحاب صحبت کے لئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رسمی ایثار، رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل

ہوتو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ
کہا ہے۔

مجاہدہ وریاضت :

چھٹا گروہ سہلیہ کا ہے اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں،
ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد، مشقت) مجاہدہ، نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور
ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لئے ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کی تشریح واضح
طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا
اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہوجانا
حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا
یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے اس
مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی
پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہوسکتا، ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت
میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو، اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو اور
اسے قرب خداوندی حاصل ہو۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار
دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا مشاہدہ کرتا ہے
کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں، اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں۔ اس رائے
کے باوجود حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو
وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ
دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا جو عقل کا متبع ہوتا ہے

وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے وہ کفر گمراہی اور ضلالت کی
طرف مائل ہے، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا ''ہوا کا
ترک کرنا''۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے
بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی
زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) لذت اور شہوت۔
(۲) جاہ طلبی اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے، لیکن مؤخر الذکر سے خلق کے
درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت وکرامت :

ساتواں فرقہ حکیمیہ ہے، یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی
جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے جو نفس
کی حرص وآز سے پاک ہوکر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر
ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل
بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا
دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال ودولت سے بے نیاز ہوکر وہ صرف
ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے،
اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں تو وہ نہیں ہوتے۔ اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ
رہیں گے تو قیامت آجائے گی۔

معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی
بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا۔ اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ
ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے
کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی

دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور، مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں بتائی ہیں ......

(۱)... اخیار۔

(۲)... ابدال۔

(۳)... ابرار۔

(۴)... اوتاد۔

(۵)... نقباء۔

(۶) قطب یا غوث)۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہوسکتا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ شہرت باعث فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے اور نہ اصول شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض مقدور خداوندی ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں، بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے۔ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ، ذو النون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے۔ اور جو صحو کے حال میں ہو وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں

..ہوش ہوجاتا ہے تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ..تا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہوجاتے ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مسلک ہے کہ ..امت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، ..وقف کار اور والی ہوتا ہے۔ اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لئے اس کی رائے ..ب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور ..مبتدیوں کو حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری ..منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہوجاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ..ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ..ہے کہ انبیاء و اولیاء سے افضل ترین اور انبیاء و اولیاء، فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فنا و بقا:

آٹھواں فرقہ "خرازی" ہے۔ یہ فرقہ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے، جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لئے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہوکر اس میں حلول کر جانا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان ..دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہوکر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہوسکتا، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک ..کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہوجانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے، اور جب یہ مقصود حاصل

ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبہ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غیبت وحضور :

نواں فرقہ ''حقیقی'' ہے۔ یہ فرقہ حضرت ابوعبداللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے۔ اس کا مذہب تصوف ''غیبت وحضور'' ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہوگئی ہوں، اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر؟۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے یہ نکتہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ آسمان و زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے اور نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

جمع وتفرقہ :

دسواں فرقہ ''سیاریہ'' ہے۔ یہ فرقہ ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع وتفرقہ پر ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے تو یہ جمع ہے۔ جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں۔

چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی مؤخر۔

مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج وکلفت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو لازم ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں..........

(۱)...... جمع سلامت۔ (۲)...... جمع تکسیر۔

جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ، اور ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بے ہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے اسی لئے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

حلول روح :

گیارہواں فرقہ ''حلولیہ'' ہے۔ جو ابوحلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے۔ بارہویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے...........

خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جا سکتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر

...باحث ہیں اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک ...ی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے۔

...معرفت :

پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم و عقل سے ہوتی ...ے مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم اور ...عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت ...ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر خداوند تعالیٰ کی ...عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے۔ کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے، عقل اور ...دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتا ہے، مگر علت نہیں۔ علت صرف اس کی عنایت ہے۔ چنانچہ ...حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا اور خدا کے سوا کو اس ...ے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیہ کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے۔ پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو؟۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبتات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے ایک ہستی میں دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے۔

اور چگونگی میں معرفت۔ کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقینِ کامل پیدا ہوتا ہے اور پھر حیرت۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے۔ ہر شئے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید :

دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے ....

(۱)...... یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے۔

(۲)...... خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(۳)...... بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے۔

اور جب سالک کو یہ علم بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے۔ اس لئے حادث نہیں۔ وہ محدود نہیں جس کے لئے طرفین ہوں وہ مکین نہیں جس کے لئے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لئے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ اس کے لئے بدن ہو وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لئے اجزا ہوں وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزا ہو۔

اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے

ہے۔ اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان :

تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمانِ الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی ....

یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ وہ اور حصول معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیے۔

طہارت :

چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں ....

(۱)...... طہارت ظاہر۔ (۲)...... طہارت باطن۔

طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔ اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں

ہوسکتی۔ باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے جو سالک کا پہلا مقام ہے توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا۔ توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں............

(۱)...... خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو۔

(۲)...... یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو۔

(۳)...... اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو۔

یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں جب ندامت ہو۔ اس ندامت کے لئے بھی تین شرطیں ہیں...... ......

(۱)...... عقوبت کا خوف ہو۔

(۲)...... یہ خیال ہو کہ برے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں۔

(۳)...... نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں..........

(۱)...... عذاب کے ڈر سے، اس کو توبہ کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

(۲)...... ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

(۳)...... حصولِ عرفان کے لئے، یہ اذابت ہے، جو انبیاء و مرسلین کے لئے ہے۔ آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں..........

(۱)...... خطاب سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو، یہ توبہ عام ہے۔

(۲)...... صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

(۳)...... خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز :

پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے. قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا۔ چنانچہ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ رات اور دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اصل نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم

اصم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابوالخیر اقطع کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا۔

ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا؟۔ بولیں، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی؟ مردوں کے لئے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ میں پڑھی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

زکوٰۃ :

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے جو ایمان کا جزء ہے۔ اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی بلکہ جواد ہونا چاہیے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی و کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟۔ مگر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں ہر شئے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکرگزاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لئے زکوٰۃ لازم ہے۔ اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

روزہ :

ساتواں حجاب روزہ ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ سے مراد

واس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں فنادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں۔

حج :

آٹھواں باب حج کا ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کے لئے ایک صوفی کا نکلنا گناہوں سے توبہ کرنا ہے۔ کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے۔ مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے۔ صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے۔ منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے۔ قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا ہے۔ اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا۔

مشاہدہ :

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابوالعباس نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا،

خداوند عالم کے لئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پرتو انوار الٰہی ہے، اس لئے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ دیدار کیفیت ہے جو ذکر وفکر میں حاصل ہوتی ہے۔

آدابِ سالک :

اس کے بعد مختلف ابوب میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سالک کے طریق وآداب پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ......

(۱) ...... سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو۔

(۲) ...... بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو۔

(۳) ...... اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لئے آفت ہے۔

(۴) ...... جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے۔

(۵) ...... سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربیت کی زیارت کے لئے ہو۔

(۶) ...... اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کی مانند ہو، اور حلال ہو، وہ دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے۔

(۷) ...... چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے۔

(۸) ...... اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو۔

(۹) ...... خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے۔

(۱۰) ...... کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے۔

(۱۱) ...... تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لئے زینت ہے۔

سماع :

آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں ......

سالک سماع بلاضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے، تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے۔ محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا)۔ واللہ اعلم۔

ہم نے علم سے لے کر سماع تک کی ساری بحثیں کشف المحجوب سے لی ہیں۔

نوٹ :

مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے دیکھیں۔

(۱)...... اسلام اور موسیقی، مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب۔

(۲)...... اسلام اور قوالی۔

(۳)......گانا بجانا قرآن وسنت کی روشنی میں۔

(۴)......حق السماع۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں.........

تعلیم وتکمیل:

سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت گیلان (جیلان یا گیلان کو دیلم بھی کہا جاتا ہے، یہ ایران کے شمال مغربی حصہ کا ایک صوبہ ہے اس کے شمال میں روسی سرزمین تالیس واقع ہے، جنوب میں برز کا پہاڑی سلسلہ ہے، جو اس کو آذربائیجان اور عراقِ عجم سے علیحدہ کرتا ہے، جنوب میں مازندان کا مشرقی حصہ ہے اور شمال میں بحر قزوین کا مشرقی حصہ، وہ ایران کے بہت خوبصورت علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ (دائرۃ المعارف للبستانی) میں ۴۷۰ھ میں ہوئی۔ (المنتظم 'ابن جوزی' البدایہ والنہایہ 'ابن کثیر' ذیل طبقات الحنابلہ 'ابن رجب')۔

آپ کا نسب دس واسطوں سے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے ۱۸ سال کی عمر میں غالباً ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے، یہی وہ سال ہے جس سال امام غزالی نے تلاشِ حق وحصولِ یقین کے لئے بغداد کو خیر آباد کہا تھا، یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرا جلیل القدر مصلح اور داعی الی اللہ کا وہاں ورود ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۹)۔

آپ بغداد میں پوری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے، عبادت ومجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیلِ علم میں قناعت وزہد سے کام نہیں لیا، ہر علم کو اس کے باکمال استادوں اور صاحب فن عالموں سے حاصل کیا، اور اس میں پوری دستگاہ پیدا کی، آپ کے اساتذہ میں ابوالوفاء ابن عقیل، محمد بن

الحسن الباقلانی اور ابوزکریا تبریزی جیسے نامور علماء وائمہ فن کا نام نظر آتا ہے، طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی (شعرانی نے لکھا ہے کہ مریدین کی تربیت میں ان کو بلند مقام حاصل تھا اور بغداد کے اکثر مشائخ اور صوفیہ انہی سے وابستہ تھے ۵۲۵ھ میں ان کا انتقال ہوا)۔

اور قاضی ابوسعید مخرمی سے تکمیل کی اور اجازت حاصل کی (اصل نام مبارک بن علی بن الحسین ہے ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث کا سماع اور امام احمد کے مذہب پر علوم فنیہ میں کمال پیدا کیا اور زیادہ تر مناظرہ اور درس و افتاء سے مشغولیت رکھی، ستودہ صفات، معتدل مسلک رکھنے والے اور اپنے فیصلوں میں بہت صائب الرائے تھے، ۵۱۱ھ میں وفات پائی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ذیل طبقات الحنابلہ ابن رجب)۔

اصلاح وارشاد اور رجوع عام :

ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح وارشاد کی طرف متوجہ ہوئے مسند درس، اور مسند ارشاد کو بیک وقت زینت دی، اپنے استاد و شیخ، شیخ مخرمی کے مدرسہ میں تدریس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آگئی، مخلصین نے عمارت میں اضافہ کر کے اس کو آپ کی مجالس کے قابل بنادیا، لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی وجاہت وقبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں، شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب مغنی کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء وفقہاء کا کچھ شمار نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چار سو دواتیں شمار کی گئی ہیں، جو آپ کے ارشادات قلم بند کرنے کے لئے لائی جاتیں۔

محامد واخلاق :

بایں رفعت ومنزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ایک بچہ اور ایک لڑکی بھی بات کرنے لگتی تو کھڑے ہوکر سنتے اور اس کا کام کرتے، غریبوں اور فقراء کے پاس بیٹھتے اور ان کے کپڑوں کو صاف کرتے، جوں نکالتے، لیکن اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکانِ سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے۔

(الطبقات الکبری للشعرانی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)۔

خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا پھر برآمد ہوتے، تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے۔ کبھی کسی وزیر یا سلطان کے دروازہ پر نہیں گئے۔

(الطبقات الکبری للشعرانی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸)۔

آپ کے دیکھنے والے اور آپ کے معاصرین آپ کے حسن اخلاق، علو حوصلہ، تواضع وانکسار، سخاوت و ایثار اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، ایک بزرگ (حرادہ) جنہوں نے بڑی طویل عمر پائی اور بہت سے بزرگوں اور ناموروں کو دیکھا، اور ان کی صحبت اٹھائی، فرماتے ہیں ....

"مارأت عینایَ أحسن خلقًا ولا اوسع صدرًا و لاأکرم نفسًا ولا الطف قلبًا ولا أحفظ عهدًا ووُدًّا من سیدنا الشیخ عبدالقادر ولقد کان مع جلالة قدره وعلو منزلته وسعة علمه یقف مع الصغیر ویوقر الکبیر ویبدأ بالسلام ویجالس الضعفاء ویتواضع للفقراء وما قام لأحد من العظماء ولاالأعیان ولا ألم بباب وزیر ولاسلطان۔

میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم النفس، رقیق القلب، محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا، آپ اپنی عظمت اور علو مرتبت اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے کی رعایت فرماتے بڑے کی

توقیر کرتے، سلام میں سبقت فرماتے، کمزوروں کے پاس اٹھتے بیٹھتے، غریبوں کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آتے، حالانکہ آپ کسی سربرآوردہ یا رئیس کیلئے تعظیما کھڑے نہیں ہوئے اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازہ پر گئے''۔ (قلائدالجواہر صفحہ ۹)۔

الامام الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشبیلی ان الفاظ میں آپ کی تعریف کرتے ہیں.......

''کان مستجاب الدعوة سریع الدمعة دائم الذکر کثیر الفکر رقیق القلب، دائم البشر، کریم النفس، سخی الید، غزیر العلم، شریف الأخلاق، طیب الاعراق مع قدم راسخ فی العبادة و الاجتهاد۔

آپ مستجاب الدعوات تھے، (اگر کوئی عبرت اور رقت کی بات کی جاتی) تو جلدی آنکھوں میں آنسو آجاتے، ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے، بڑے رقیق القلب تھے، خندہ پیشانی، شگفتہ رو، کریم النفس فراخ دست، وسیع العلم، بلند اخلاق، عالی نسب، عبادات اور مجاہدہ میں آپ کا پایہ بلند تھا''۔ (قلائدالجواہر صفحہ۹)۔

مفتی عراق محی الدین ابوعبداللہ محمد بن حامد البغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں.....

''أبعد الناس عن الفحش، أقرب الناس الی الحق، شدید البأس اذا نتهك محارم الله عزوجل لایغضب لنفسه ولاینتصر لغیر ربه......الخ۔

غیر مہذب بات سے انتہائی دور، حق اور معقول بات سے بہت قریب، اگر احکام خداوندی اور حدود الٰہی میں سے کسی پر دست درازی ہوتی، تو آپ کو جلال آجاتا، خود اپنے معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا اور اللہ عزوجل کے علاوہ کسی چیز کے لئے انتقام نہ لیتے، کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ واپس کرتے خواہ بدن کا کپڑا ہی کیوں نہ اتار کر دینا پڑے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے اور ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرنے کا خاص

ذوق تھا، علامہ ابن النجار آپ سے نقل کرتے ہیں کہ ''اگر ساری دنیا کی (دولت) میرے قبضہ میں ہوتو میں بھوکوں کو کھانا کھلا دوں''۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ہتھیلی مین سوراخ ہے، کوئی چیز اس میں ٹھہرتی نہیں، اگر ہزار دینار میرے پاس آئیں تو رات نہ گزرنے پائے۔ (قلائدالجواہر صفحہ۹)۔

صاحب قلائدالجواہر لکھتے ہیں کہ.........

''حکم تھا کہ رات کو وسیع دسترخوان بچھے، خود مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے۔ طلبہ کی باتوں کو برداشت کرتے اور تحمل فرماتے، ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی ان کا مقرب اور ان کے یہاں معزز نہیں۔

ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا اس کا حال دریافت فرماتے اور اس کی فکر رکھتے، تعلقات کا بڑا پاس اور لحاظ تھا۔ غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرتے، اگر کوئی کسی بات پر قسم کھالیتا تو اس کو مان لیتے، اور جو کچھ (حقیقت حال) جانتے تھے اس کا اخفاء فرماتے''۔ (قلائدالجواہر صفحہ۹)۔

مردہ دلوں کی مسیحائی:

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے، شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام اور امام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں، ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی۔ (ذیل طبقات الحنابلہ ابن رجب)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک بادِ بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی، اور عالم اسلام میں ایمان وروحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کردی۔ (جلاء العینین صفحہ ۱۳۰)۔

شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور

عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں، اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔ (قلائد الجواہر ومختلف کتب تذکرہ)۔

جبائی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانہ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے، نہ میں اس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا، اور بکثرت یہودی، عیسائی اور اہل ذمہ مسلمان ہوئے۔ (قلائد الجواہر ومختلف کتب تذکرہ)۔

تعلیمی مشاغل وخدمات :

اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس واخلاق کی اصلاح وتربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس وتدریس، افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت وحمایت سے غافل نہ تھے، عقائد واصول میں امام احمد اور محدثین کے مسلک پر تھے۔

مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی تقویت حاصل ہوئی، اور اس کے مقابلہ میں اعتقادی وعملی بدعات کا بازار سرد ہو گیا، ابن السمعانی کہتے ہیں کہ متبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی، اور ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔

مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافات ائمہ اور ان کے دلائل کا پڑھاتے تھے، صبح وشام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے، ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت

تھی، بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے، علماء عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ وطبقات الحنابلہ ابن رجب)۔

ایک مرتبہ استفتا آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اگر اس نے قسم پوری نہیں کی تو اس کی بیوی کو تین طلاق، علماء یہ استفتاء سن کر حیرت میں پڑ گئے کہ ایسی کون سی عبادت ہو سکتی ہے جس میں وہ بالکل تنہا ہو، اور روئے زمین پر کوئی شخص بھی اس وقت عبادت نہ کر رہا ہو، حضرت شیخ کے پاس استفتاء آیا تو بے تکلف فرمایا کہ مطاف اس کے لئے خالی کر دیا جائے اور وہ سات چکر کر کے خانہ کعبہ کا طواف مکمل کرے، علماء نے یہ جواب سن کر بے ساختہ داد تحسین دی اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کرے اور اپنی قسم پوری کرے اس لئے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے، اور مطاف اس شخص کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ وطبقات الحنابلہ ابن رجب)۔

استقامت وتحقیق :

حضرت شیخ استقامت کا پہاڑ تھے، اتباع کامل، علم راسخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ حق وباطل، نور وظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہو گیا تھا، آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال وحرام میں قیامت تک کے لئے تغیر وتبدل کا امکان نہیں، جو اس کے خلاف دعویٰ کرے وہ شیطان ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ.........

"ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے

کنارے بھر گئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لئے سب محرمات حلال کر دیئے ہیں، میں نے کہا! دور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی۔ اور وہ صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی کہ عبدالقادر! خدا نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا۔ ورنہ اس طرح ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا: اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کر دیا۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد اصفحہ ۱۲۰ وطبقات الحنابلہ ابن رجب)۔

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ اگر حدودِ الٰہی (احکامِ شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو، اس کو مضبوط تھام لو، نفس کی خواہشات کو جواب دو، اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد اصفحہ ۱۲۰ وطبقات الحنابلہ ابن رجب)۔

تفویض و توحید :

تسلیم و تفویض اور توحید کامل حضرت کا خصوصی حال تھا، کبھی کبھی تعلیماً اس حال اور اس مقام کی تشریح فرماتے تھے، وہ دراصل آپ کا حال ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں.........

"جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات میں سے اوروں سے مدد مانگتا ہے مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دنیاداروں یا امیروں سے اور دکھ درد میں طبیبوں سے، جب ان

ے بھی کام نہیں نکلتا اس وقت اپنے پروردگار کی طرف دعا اور گریہ وزاری و حمد و ثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے، خلق سے رجوع نہیں کرتا، اور جب تک خلق سے مدد مل جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے (بھی) کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کے ہاتھوں میں آ رہتا ہے، اور ہمیشہ سوال و دعا، اور گریہ وزاری اور ستائش و اظہار حاجتمندی امید و بیم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دعا سے (بھی) تھکا دیتا ہے۔ اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ کل اسباب (منقطع ہو جاتے ہیں، اور وہ سب سے) علیحدہ ہو جاتا ہے، اس وقت میں اس میں (احکام) قضا و قدر کا نفاذ ہوتا ہے اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، اور روحِ صرف رہ جاتا ہے اسے فعل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین موحد ہوتا ہے، قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی (کچھ) کرنے والا ہے اور نہ حرکت و سکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی و برائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزت و ذلت، غنا و فقر، اس وقت (احکامِ قضا و قدر) میں بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے شیر خوار بچہ دایہ کی گود میں یا مردہ غسال کے ہاتھ میں یا (پولو کا) گیند سوار کے قبضہ میں کہ الٹا پلٹا جاتا ہے، اور بگاڑا بنایا جاتا ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں، نہ اپنے لئے نہ کسی اور کے لئے، یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس میں غائب ہو جاتا ہے اور اپنے مالک اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت اور اگر سنتا ہے تو اسی کا کلام، اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے، اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے اس کے قرب سے سعادت پاتا ہے، اس کی تقریب (جاذبہ) سے آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے، اس کے وعدہ سے خوش ہوتا ہے، سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے، اس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے، اور اس کے غیر سے وحشت و نفرت

کرتا ہے، اس کی یاد میں سرنگوں ہوتا ہے اور جی لگاتا ہے، اس کی ذات پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے، اس کے نورِ معرفت سے ہدایت پاتا اور اس کا خرقہ ولباس پہنتا ہے، اس کے علوم عجیب ونادر پر مطلع ہوتا ہے۔ اس کے قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے اس کی ذات پاک سے (ہر بات) سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے، پھر ان (نعمتوں) پر حمد وثنا، شکر وسپاس کرتا ہے۔ (فتوح الغیب مقالہ ۳، ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوروی، رموز الغیب، صفحہ ۱۱،۱۲،۱۳)۔

خلقِ خدا پر شفقت :

عامۃ الناس اور امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ آپ کو جو تعلق جو فکر اور اس کے حال پر جو شفقت تھی، اور جو نائبین رسول اور مقبولین کی خاص علامت ہے، اس کا اندازہ آپ کی اس تقریر سے ہو سکتا ہے جس میں آپ نے بازار میں جانے والوں کے احوال و مراتب بیان کئے ہیں، ان میں آخری مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اور در اصل حدیث دیگراں میں اپنا ہی حال اور مقام بیان کرتے ہیں ....

> "اور پانچواں وہ شخص ہے جب بازار میں داخل ہوتا ہے تو اللہ سے ان کا دل بھر جاتا ہے، ان لوگوں پر رحمت کرنے کے لئے اور یہ رحمت اسے کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتی کہ ان لوگوں کے پاس کیا کچھ ہے۔ وہ تو اپنے داخلہ کے وقت سے باہر نکلنے کے وقت تک بازار والوں کے لئے دعا واستغفار وشفاعت میں اور ان پر رحمت وشفقت میں مشغول رہتا ہے، اس کا دل ان لوگوں کے لئے ان کے حال پر جلتا رہتا ہے، اور آنکھیں روتی رہتی ہیں اور زبان ان نعمتوں پر جو خدا نے ان لوگوں کو اپنے فضل سے دی ہیں، خدا کا شکر اور حمد وثنا کرتی رہتی ہے۔ (فتوح الغیب مقالہ ۳، ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوروی، رموز الغیب، صفحہ ۱۷۵)۔

حضرت شیخ کا عہد اور ماحول :

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں ۷۳ سال گزارے اور عباسی خلفاء میں سے پانچ ان کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے جس وقت وہ بغداد میں رونق افروز ہوئے اس وقت خلیفہ مستظہر بامر اللہ ابو العباس (م ۵۱۲ھ) کا عہد تھا، ان کے بعد بالترتیب مسترشد، راشد، المقتفی لامر اللہ والمستنجد باللہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عہد بہت اہم تاریخی واقعات سے لبریز ہے، سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی کش مکش اس زمانے میں پورے عروج پر تھی، یہ سلاطین عباسی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے دل و جان سے کوشاں تھے، کبھی خلیفہ کی رضامندی کے ساتھ اور کبھی اس کی مخالفت و ناراضی کے باوجود، کبھی کبھی خلیفہ اور سلطان کے لشکروں میں باقاعدہ معرکہ آرائی بھی ہوتی اور مسلمان ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہاتے۔

اس طرح کے واقعات مسترشد کے زمانے میں کئی مرتبہ پیش آئے، یہ عہد عباسی کا سب سے زیادہ طاقتور اور معقول خلیفہ تھا۔ (ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مناقب میں لکھا ہے کہ مسترشد بہت شجاع، حوصلہ مند، فصیح و بلیغ شیریں کلام اور بہت ہی عبادت گزار خلیفہ تھا، اور خاص وعام سب کی نظروں میں محبوب تھا وہ آخری خلیفہ تھا جس نے خطبہ دینے کی رسم برقرار رکھی، ۴۵ سال تین ماہ کی عمر میں اس کو شہید کر دیا گیا، اس کی مدت خلافت ۱۷ سال اور ۲۰ روز ہے)۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۸)۔

اور اکثر معرکوں میں فتح بھی اسی کو حاصل ہوتی، لیکن ۱۰ رمضان ۵۱۹ھ میں سلطان مسعود اور اس کے درمیان جو معرکہ ہوا اس میں اس کو شکست فاش ہوئی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں ....

> "سلطان کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی، خلیفہ قید کر لیا گیا، اہل بغداد کی املاک کو

لوٹ لیا گیا، اور یہ خبر دوسرے تمام صوبوں میں پھیل گئی، بغداد اس المناک خبر سے متاثر ہوا، اور وہاں کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آ گیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں اور خلیفہ کی قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے، اور اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے، ملک سنجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجے کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کر دے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن خلیفہ کو باطنیوں نے بغداد کے راستے میں قتل کر دیا''۔

یہ تمام الم انگیز واقعات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہوں کے سامنے گزرے انہوں نے مسلمانوں کے باہمی افتراق و خانہ جنگی اور دشمنی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ دنیا کی محبت کی خاطر اور ملک و سلطنت اور جاہ و مرتبہ کے حصول کیلئے لوگ سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہیں، اور ان کو صرف دربار کی شان و شوکت سے دلچسپی باقی رہ گئی ہے، وہ اہل سلطنت کو تقدس کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں، اور صوبوں اور شہروں کی حکومت حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مادی وجود خواہ ان واقعات سے علیحدہ اور دور رہا ہو لیکن اپنے شعور و احساس کے ساتھ وہ اسی آگ میں جل رہے تھے، اور اسی سوزِ دروں نے ان کو پوری ہمت و طاقت اور اخلاص کے ساتھ وعظ و ارشاد، دعوت و تربیت، اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ قلوب کی طرف متوجہ کیا، اور انہوں نے نفاق اور حب دنیا کی تحقیر و تذلیل، ایمانی شعور کے احیاء عقیدۂ آخرت کی تذکیر، اور اس سرائے فانی کی بے ثباتی

کے مقابلے میں اس حیاتِ جاودانی کی اہمیت، تہذیب اخلاق، توحید خالص اور اخلاصِ کامل کی دعوت پر سارا زور صرف کر دیا۔

مواعظ و خطبات :

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے، اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے۔ فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس کے وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور عارفین کاملین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین اور مخاطبین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا اور جن بیماریوں میں گرفتار تھے انہیں کا ازالہ کیا جاتا تھا، اسی لئے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم اپنے مرض کی دوا، اور اپنے سوالات و شبہات کا جواب پاتے تھے، اور تاثیر اور عام نفع کی یہ ایک بڑی وجہ بھی، پھر آپ زبانِ مبارک سے جو فرماتے تھے، وہ دل سے نکلتا تھا، اس لئے دل پر اثر کرتا تھا، آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت و عظمت بھی ہے اور دل آویزی اور حلاوت بھی اور ''صدیقین'' کے کلام کی یہی شان ہے۔

بیعت و تربیت :

ان پر تاثیر اور انقلاب آفریں مواعظ سے اگرچہ اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہنچا اور ہزار ہا انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لئے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں طالبین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے ان مجالس کے شرکاء اور سامعین آزاد

ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سن کر چلے جائیں پھر کبھی نہ آئیں، یا ہمیشہ آتے رہیں، لیکن اپنی حالت پر قائم رہیں۔ اور ان کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلاء اور دینی اور اخلاقی شگاف باقی رہیں۔

اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مدارس کے ذریعہ سے (جن کو بہت سی رسوم وقیود کا پابند ہونا پڑتا ہے) عمومی اصلاح وتربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی وروحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں اور پابندیوں کو شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ قبول کرے اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں۔ اس کے افسردہ ومردہ دلوں میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت اور نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خداشناس پر اعتماد ہو، اور اس سے وہ اپنے امراضِ روحانی ونفسانی میں علاج اور دین میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ خلافت جس کا یہ اصلی فرض تھا (اس لئے کہ جس نبی ﷺ کی نیابت ونسبت پر یہ خلافت قائم تھی، بقول سیدنا عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وہ ہدایت کے لئے مبعوث ہوا تھا جبایت (تحصیل وصول) کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھی بلکہ اپنے اعمال اور کردار کے لحاظ سے اس کام کے لئے مضر اور اس کے راستے میں مزاحم تھی۔

دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھی کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں وہ قیادت اور سیاست کی آمیزش پاتی، برداشت نہیں کر سکتی تھی، اس کو وہ فوراً کچل دیتی۔

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم وضبط اور نئے سرے سے حرکت وعمل پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ

حضرت ﷺ کے طریقے پر ایمان وعمل اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت وجاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید یں۔

اور پھر وہ نائب پیغمبران کی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت اپنے شعلہ محبت، اپنی استقامت، اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، اخلاص وللٰہیت، جذبۂ اتباع سنت اور شوقِ آخرت پیدا کردے۔ ان کو اس نئے تعلق سے وں ہو کہ انہوں نے ایک نئی زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم ھا ہے۔

اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان یت کرنے والوں کی اصلاح وتربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد لی ہے، اور اس محبت واعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے۔ پھر اپنے تجربہ واجتہاد اور کتاب وسنت کے اصول وتعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت وتقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان واحتساب واخلاص اور ان کے اعمال وعبادات میں کیفیات وروح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

یہی حقیقت ہے اس بیعت وتربیت کی، جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء وتجدید دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے، اور لاکھوں بندگانِ خدا کو ''حقیقت ایمان اور درجہ احسان'' تک پہنچا دیا ہے، اس سلسلۂ زریں کے سر حلقہ اور گل سرسبد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا نام اور کام اس ''طب نبوی'' کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے۔

الفاظ واصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات وحقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دورِ انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ مؤثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہوسکتا

تھا۔

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستے سے کام کیا ہے اور ان کی تاریخ محفوظ ہے، لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی محبوب و دلآویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری علو استعداد اور ملکۂ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔

آپ سے پہلے وہ اتنا مدون و مرتب اور مکمل و منضبط نہ تھا نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہوگئی، آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔ جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کرسکتا۔

یمن، حضر موت اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سماٹرا میں اور دوسری طرف افریقہ کے براعظم میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا، رضی اللہ عنه وارضاه وجزاه عن الاسلام خير الجزاء۔

زمانہ پر اثر :

حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانے میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا اور ایک بڑی تائید الٰہی، آپ کی ذات، آپ کے کمالات آپ کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار اور خلق اللہ میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور ان کی سیرت و زندگی، سب اسلام کی

صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا۔ اور اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں ابھی روحانیت، تہذیب نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے اور اس کا خزانہ عامرہ کبھی جواہرات و نادرات سے خالی نہیں۔

وفات :

ایک طویل مدت تک عالم کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے مستفید کرکے اور عالم اسلام میں روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالمگیر ذوق پیدا کرکے ۵۶۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی، صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں...........

"جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے کہ جس میں انتقال فرمایا، تو آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے، کہ آپ کے بعد اس پر عمل کروں، فرمایا: ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھو اور اپنی تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو، صرف اسی پر بھروسہ رکھو اور سب کچھ اسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر وثوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے، اور فرمایا.........

جب دل خدا کے ساتھ درست ہوجاتا ہے تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے، اور فرمایا: میں مغز بے پوست ہوں اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا.........

میرے گرد سے ہٹ جاؤ، میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں، میرے پاس تمہارے سوا اور لوگ (فرشتے) حاضر ہیں، ان کے لئے جگہ خالی کردو، اور ان کے ساتھ ادب کرو، یہاں بڑی رحمت نازل ہے، ان کے لئے جگہ تنگ نہ کرو۔ اور آپ بار بار فرماتے

تھے۔......

تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں! اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے۔ اور میری اور تمہاری توبہ قبول کرے، بسم اللہ! آؤ اور واپس نہ جاؤ، اور یہ آپ ایک دن ایک رات برابر فرماتے رہے اور فرمایا تم پر افسوس مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، نہ کسی فرشتے کی نہ ملک الموت کی۔

اے ملک الموت! ہمارے کارساز نے تم سے زیادہ ہم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، اور اس دن جس کی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک بڑی سخت چیخ ماری تھی، اور آپ کے دو صاحبزادے شیخ عبدالرزاق و شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلاتے اور فرماتے تھے......

تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکتیں! حق کی طرف رجوع کرو اور جنت میں داخل ہو میں ابھی تمہارے پاس آیا، اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ نرمی کرو، پھر آپ پر امرِ حق آیا۔ اور موت کے نشہ نے غلبہ کیا اور آپ نے فرمایا......

میرے اور تمہارے اور تمام خلق کے درمیان میں زمین وآسمان کا فرق ہے، مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور کسی کو مجھ پر، پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ کی تکلیف اور حال دریافت کیا تو فرمایا......

مجھ سے کوئی نہ پوچھے میں علم الٰہی میں پلٹے کھا رہا ہوں اور آپ کے صاحبزادہ عبدالعزیز نے آپ کے مرض کو پوچھا تو فرمایا میرے مرض کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی سمجھتا ہے، نہ انسان نہ جن نہ فرشتہ۔ خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا، حکم بدل جاتا ہے اور علم نہیں بدلتا۔ حکم منسوخ ہو جاتا ہے علم منسوخ نہیں ہوتا۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصلی تحریر ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوتی، اور خلق سے باز پرس ہوتی ہے۔ صفات کی خبریں گزر رہی ہیں جیسی آئی ہیں۔ پھر آپ کے صاحبزادہ

شیخ عبدالجبار نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ فرمایا میرے کل اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں، مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے، پھر آپ کا وقت اخیر آیا، تو آپ فرمانے لگے میں اس خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے، اور زندہ ہے جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، وہ پاک ہے، وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی، اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ نے لفظ "تعزز" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا، تب آپ بار بار اسے دہراتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند اور سخت کر کے لفظ "تعزز" اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا، پھر (تین بار) اللہ اللہ اللہ فرمایا اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہوگئی، اور زبان تالو سے چپک گئی، اور روحِ مبارک رخصت ہوگئی، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (التکملہ رموز الغیب صفحہ ۱۸۹،۱۹۲)۔

حضرت شیخ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور نفوس واخلاق کے مربیوں کی ایک جماعت چھوڑ گئے جس نے آپ کے کام کو جاری رکھا اور بڑھتی ہوئی مادیت اور غفلت کا مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت شیخ کے بعد جن عارفین ومصلحین نے دعوت وتذکیر اور تربیت نفوس کا کام پوری طاقت اور عمومیت سے جاری رکھا اور غفلت اور دنیاوی انہماک کا مقابلہ اور اخلاقی اور نفسانی امراض کا علاج کیا، ان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ اور شیخ بغداد شیخ ابوالنجیب سہروردی کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ الشیوخ ابوحفص شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۹۳ھ-۶۳۲ھ) سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے۔ جو طریقہ سہروردیہ کے بانی اور تصوف کی مقبول کتاب

''عوارف المعارف'' کے مصنف ہیں۔ابن خلکان لکھتے ہیں.........

لم یکن فی آخر عمره فی عصره مثله......... وکان شیخ الشیوخ ببغداد، (اخیر عمر میں ان کے زمانہ میں ان کی نظیر نہ تھی اور وہ بغداد کے سب سے بڑے شیخ اور اپنے فن میں مرجع تھے۔(وفیات الاعیان، جلد۳ صفحہ۱۱۹/النهضة المصریه)۔

ابن النجار کہتے ہیں **انتهت الیه الریاسة فی تربیة المریدین ودعاء الخلق الی الله**۔(مراۃ الجنان للیافعی، جلد۴ صفحہ۸۱)۔

(تربیت مریدین اور دعوت الی اللہ کے کام میں وہ مرجع خلائق تھے) ابن خلکان کہتے ہیں کہ ان کے زمانے کے مشائخ دور دور سے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔اور استفادہ کرتے رہتے تھے۔(وفیات الاعیان، جلد۳ صفحہ۱۲۰)۔

شیخ کے مواعظ سے خلق اللہ کو بہت نفع ہوا ابن خلکان کے الفاظ ہیں، **وکان له مجلس وعظ وعلیٰ وعظه قبول کثیر وله نفس مبارك**۔(وہ اہتمام سے وعظ فرمایا کرتے تھے، ان کے وعظ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت عطا فرمائی اور ان کے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو بڑا نفع تھا)۔تصوف کو بدعات سے پاک کرنے اور کتاب وسنت کو اس کا ماخذ بنانے کی کوشش میں حضرت شیخ کا تجدیدی حصہ ہے، ان کی کتاب ''عوارف المعارف'' کو اگر اس فن کی قدیم کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ان کے اس تجدیدی کام کا اندازہ ہوتا ہے۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم لکھتے ہیں.........

''در تصوف سنی کتابے بہتر از عوارف نیست''۔(تقصار جیود الاحرار، صفحہ۶۳)۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بڑے بلند پایہ اور عالی استعداد خلفاء عطا فرمائے، جنہوں نے دعوت وتربیت کا کام بڑی قوت ووسعت کے ساتھ انجام دیا۔ان کے صرف ایک خلیفہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ سے ہندوستان میں جو فیض پہنچا اور خلق اللہ کو ہدایت ہوئی وہ ان کی جلالت قدر اور عظمت شان کے لئے کافی ہے۔

(ماخوذ از: تاریخ دعوت وعزیمت'ترمیم واضافہ کے ساتھ'جلد چہارم۔)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ

نام ونسب :

تذکرہ نگار حضرت خواجہ کا پورا اسم مبارک معین الدین حسن سنجری چشتی لکھتے ہیں، اصلی نام معین الدین تھا، ان کے والد بزرگوار سید غیاث الدین کے نام کے ساتھ حسن بھی جزو تھا، اس لئے ان کے نام کا بھی یہ جزو ہوگیا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۴۸،۴۴،۴۴/ آئین اکبری جلد سوم، صفحہ ۶۸ / جواہر فریدی، سفینۃ الاولیاء، صفحہ ۱۸۸/ گلزار ابرار)۔

مختلف تذکروں میں ان کا مختلف پدری شجرہ درج ہے، مثلاً جواہر فریدی میں یہ نسب نامہ ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین بن غیاث الدین حسن سنجری بن سید حسن احمد بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز ابن سید ابراہیم بن امام محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی ابن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امیر المؤمنین امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ، ابن حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے..........

حضرت خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم..........

تذکرۃ السادات میں ہے..........

''خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین بن سید عبداللہ بن سید عبدالکریم بن سید عبدالرحمٰن بن سید علی اکبر بن سید ابراہیم''۔

مولد :

سیر العارفین صفحہ ۵ میں ہے..........

''تولد او بجستان است ونشو ونما در دیار خراساں''۔

اکبر نامہ میں ہے..........

''خواجہ از سیستان است اورا سنجری می تولیند کہ معرب سگی است''۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)۔

اکبر نامہ کے انگریزی مترجم کا ترجمہ صفحہ ۲۳۸ میں یہ ہے..........

The Khwaja cam from sistan and thez write him sifgi which is the Arabic for sigzi ...... wrongly printed in the textao singri the mistake is covected inlrrate.

آئین اکبری میں ہے..........

''در قصبہ سنجر از دار بجستان بزاد''۔ (جلد سوم صفحہ ۱۶۸)۔

گلزار ابرار میں ہے..........

''بقصبہ سنجر از دار بجستان علمی صورت اوراعضری خلعت پوشانید...... لیکن پرورش در صوبہ خراسان یافت''۔

تزک جہانگیری میں اکبر نامہ ہی کی روایت ہے۔

تاریخ فرشتہ کی روایت ہے..........

''تولد او در بلدۂ بجستان بود''۔ (جلد دوم صفحہ ۳۷۵)۔

سیر الاقطاب میں درج ہے..........

''آنحضرت اصل از سادات سنجرستاں است...... مولد شریف آں حضرت در صفاہاں است ونشو ونما در خراساں یافت''۔ (صفحہ ۱۰۱)۔

جواہر فریدی میں ہے..........

"تولد او در بجستان است ونشو ونما در دیارِ خراساں"۔

مرأۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں.........

"ولادت دی بقصبہ سنجر در دیار بجستان است وآں را سیستان نیز گویند.....
ودر خراسان نشو ونما یافت"۔

مطلوب الطالبین میں ہے.........

"ولادت دے بقصبہ سنجر کہ در دیارِ بجستان کہ ایں را سیستان نیز گویند واقع
شد در ملک خراسان نشو ونما یافت"۔

روضۃ الاقطاب میں مرقوم ہے.........

"ولادت دے بقصبہ سنجر کہ در دیارِ بجستان است وآں را سیستان نیز گویند
واقع شد در ملک خراسان نشو ونما یافت"۔ (صفحہ ۳۰)۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے.........

"مولد شریف دے بلدۂ اصفہان است ونشو ونما در خراسان یافت"۔
(جلد اول صفحہ ۲۵۷)۔

اوپر کے تذکروں میں صرف سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ
حضرت خواجہ اصفہان میں پیدا ہوئے، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے، کیونکہ اور تمام تذکرہ نویس
لکھتے ہیں کہ ان کا مولد بجستان یا سیستان تھا، اور بعض تذکروں میں تصریح ہے کہ بجستان
یا سیستان کے قصبہ سنجر میں ولادت ہوئی، اسی لئے سیر الاولیاء اور اخبار الاخیار جیسے مستند
مطبوعہ نسخوں میں ان کے نام کے ساتھ سنجری لکھا ہے، لیکن راقم الحروف کے خیال میں
سنجری کتابت کی غلطی ہے، جو عوام وخواص میں پھیل گئی ہے، دراصل صحیح لفظ سنجری ہے،
عرب جغرافیہ نویس سیستان یا بجستان کو سنجر بھی کہتے ہیں، جس کی نسبت سنجری ہے، اس
لئے میری رائے میں خواجہ معین الدین سنجری کے بجائے سنجری صحیح ہے۔

سنہ پیدائش :

خواجگانِ چشت کے ملفوظات یا تصانیف میں جو ان کی طرف منسوب ہے،
نہیں حضرت خواجہ کی ولادت باسعادت کے سنہ کا ذکر نہیں، سیر الاولیاء، خواجگانِ چشت
پر قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس میں بھی حضرت خواجہ کے حالاتِ زندگی کے
سلسلہ میں کسی سنہ کا ذکر نہیں بعد کے تذکروں میں سیر العارفین میں صرف اتنا ذکر ہے کہ
حضرت خواجہ نے اس عالم فانی سے عالم بقا کو رحلت فرمائی تو اس وقت ان کی عمر
۹۷ سال کی تھی، آئین اکبری (جلد سوم صفحہ ۱۶۸) میں ہے.........

"وہ ۵۳۷ھ میں سنجر کے قصبہ میں پیدا ہوئے ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو
ان کے والد بزرگوار کی وفات ہوگئی، آخر میں ہے کہ روز شنبہ ۶ رجب
۶۳۳ھ کو عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ (تاریخ فرشتہ، جلد دوم صفحہ
۳۷۷) میں سنہ پیدائش تو درج نہیں لیکن سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے
اور رحلت کے وقت عمر ۹۷ برس بتائی گئی ہے۔ اس طرح سنہ پیدائش
۵۳۶ھ متعین کیا جاسکتا ہے"۔

گلزارِ ابرار میں سنہ پیدائش ۵۳۷ھ اور سنہ وفات ۶۳۳ھ مرقوم ہے (اخبار
الاخیار صفحہ ۲۲) میں بھی پیدائش کا سنہ نہیں، لیکن اس میں وفات کی تاریخ ۶ رجب
۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے، سیر الاقطاب میں پیدائش اور وفات دونوں کے سنہ مذکور
نہیں۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۵۳۷ھ اور وفات ۶
رجب ۶۳۳ھ میں ہوئی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی اس میں مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ کی
عمر شریف ایک سو چار برس کی تھی، لیکن جو سنہ ولادت ووفات لکھے گئے ہیں ان سے ۱۰۴
کے بجائے ۹۶ سال کی عمر ہوتی ہے، مرأۃ الاسرار (صفحہ ۱۵۹) میں ہے کہ.........

وفاتش روز شنبہ ششم ماہ رجب در سنہ اثنی وثلثین وست مائۃ (۶۳۲) چنانکہ از
آفتاب ملک ہند تاریخ پیدا می شود، اما قول اول اصح از انکہ سلطان المشائخ

ودیگر بزرگانِ ایں خاندان تصحیح نمودہ اند کہ خواجہ قطب الاسلام در ماہ ربیع الاول سنہ ثلث وثلثین وست مائۃ (۶۳۳ھ) وفات فرمود، واز عبارت دلیل العارفین بلفظ خواجۂ بزرگ کو خواجہ قطب الاسلام نقل کردہ است چنانکہ نوشتہ شد، پس ازیں جا اختلاف برطرف گشت، واز کتاب کلمات الصادقین بہ تحقیق پیوست کہ نقل خواجہ بزرگ در ششم ماہ رجب مدینہ سبع وعشرین وست مائۃ (۶۲۷ھ) در زمان سلطنت شمس الدین التمیش انار اللہ برہانہ واقع شد وعمر شریفش قریب نود وہفت سال رسیدہ بود، از آنجملہ مدت چہل وچند سال در اجمیر سکونت داشت"۔

جواہر فریدی میں پیدائش کی تاریخ نہیں دی گئی ہے، وفات کے سلسلہ میں صرف اتنا ہے کہ.........

"رحلۃ ایشاں در ششم ماہ رجب المرجب روز دوشنبہ است"۔

مطلوب الطالبین میں بھی پیدائش کی تاریخ نہیں ہے، لیکن وفات کی تاریخ ہے۔

"حضرت خواجہ معین الدین پیش از خواجہ قطب الدین وفات یافتہ نہ بعد از وے وفاتش شب یک شنبہ ماہ رجب المرجب سنہ اثنی وثلثین و ست مائۃ ،یعنی در سال شش صد وسی ودو واقعہ شد، وفات حضرت خواجہ پس از چند ماہ بتاریخ چہاردہم ماہ ربیع الاول سنہ ثلث وثلثین وست مائۃ یعنی در سال صد وسی وسہ بود"۔

یہی تاریخ روضۃ الاقطاب میں ہے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے.........

"ولادت باسعادت آنجناب باتفاق اہل تواریخ در سال پانصد وسی وہفت (۵۳۷ھ) ووفات آں جامع الکمالات روز دوشنبہ ششم ماہ رجب المرجب سال شش صد وسی وسہ (۶۳۳ھ) در عہد سلطنت شمس الدین المتلیمتش

بوقوع آمد"۔ (جلد اول صفحہ ۲۶۵)۔

اردو کے سوانح نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر نے حضرت خواجہ کا سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے، ثار اجمیر کی کتاب مولانا معین الدین اجمیری میں سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ مرقوم ہے، لیکن معین الارواح میں نواب خادم حسین زبیری نے سنہ وفات ۶ رجب ۶۲۷ لکھا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہوگا کہ زیادہ تر تذکرہ نویس اور مورخین وفات کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھتے ہیں، اس طرح پیدائش کی تاریخ ۵۳۷ھ ہوتی ہے، لیکن اس کو تسلیم کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ تذکرہ نگاروں اور مورخوں کا اتفاق ہے کہ حضرت خواجہ کی رحلت سلطان شمس الدین التیمش کے عہد سلطنت میں ہوئی، طبقات ناصری سلطان التمش کے عہد کی معاصر تاریخ ہے، اس میں سلطان کی وفات کی تاریخ ۲۰ شعبان ۶۳۳ لکھی ہوئی ہے، اور اس کو موجودہ دور کے تمام مورخوں نے صحیح تسلیم کیا ہے، اور پھر یہ روایت ہے کہ سلطان نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اگر اس کو تسلیم کرنے میں کسی کو عذر ہو تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حضرت خواجہ معین الدین کی رحلت کے بعد سلطان التمش کی زندگی میں ہوئی، اور ان کی وفات کا مہینہ ربیع الاول تو یقینی ہے، سیر الاولیاء کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو ہوئی، یہ سنہ تسلیم کرنے میں عذر نہیں، کیونکہ اس وقت سلطان التمش زندہ تھا، اس طرح اگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ۱۴ ربیع الاول کو ہوئی تو سلطان التمش نے اسی سال ۲۰ شعبان کو وفات پائی، اس کو ماننے کے بعد حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان کی رحلت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں ہوئی، اب دو تاریخیں ۶ رجب ۶۳۲ھ اور ۶ رجب ۶۲۷ھ رہ جاتی ہے، اگر ۶ رجب ۶۳۲ تسلیم

کرلی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کی رحلت کے آٹھ مہینے کے بعد ہی وفات پا گئے، اگر ایسا ہوتا تو ایک سال کے اندر ہندوستان میں علم و معرفت کے مہر و ماہ کے غروب ہو جانے پر بڑا ماتم ہوتا، پھر تمام تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ کو ان کے مرشد نے خرقۂ خلافت ۵۲ برس کی عمر میں عطا کیا تو اگر ان کی وفات کی تاریخ ۶۳۲ھ مان لی جائے تو ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۵ھ ہوتی ہے، اس طرح ان کو خرقۂ خلافت ۵۸۷ھ میں ملا جو حضرت خواجہ کے ہندوستان آنے کی تاریخ ہے، اور خرقۂ خلافت پانے کے بعد انہوں نے ہندوستان آنے سے پہلے مختلف ملکوں کی سیاحت کی، اور اگر ۶۲۷ھ کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۰ھ تسلیم کر لی جاتی ہے تو خرقۂ خلافت ملنے کی تاریخ ۵۸۲ھ ہوتی ہے، جس کے بعد ان کو ہندوستان آنے سے پہلے پانچ سال کی کافی مدت سیاحت کے لئے مل جاتی ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مرشد کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہ کر ان کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج فرماتے رہے، اس لئے ۶۲۷ھ کی تاریخ وفات زیادہ قرین قیاس ہے، اگر ۶ رجب ۶۳۲ھ تاریخ وفات تسلیم کی جاتی ہے تو حضرت خواجہ کی ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ ولادت ۵۳۵ھ ہوئی اور اگر تاریخ وفات ۶۲۷ھ مان لی جائے تو سنہ پیدائش ۵۳۰ھ قرار پاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم:

اوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت خواجہ کی نشو و نما خراسان میں ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۱)۔

ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قندزی نامی

ایک مجذوب باغ میں آئے، تو حضرت خواجہ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انہوں نے انگور نہیں کھایا، اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوار الٰہی سے روشن ہو گیا۔ (سیر العارفین، صفحہ ۵/خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۵)۔

علائق دنیا کو چھوڑ کو طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، بخارا اور سمرقند پہنچے، جہاں کلام مجید حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے۔ (سیر العارفین و جواہر فریدی اور روضۃ الاقطاب صفحہ ۳)۔

بیعت:

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبۂ ہارون میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کی، بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی، پھر قبلہ رو ہو کر سورۂ بقرہ پڑھنے کو کہا اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا، درود شریف کے بعد مرشد نے آسمان کی طرف اپنا چہرۂ مبارک اٹھایا، اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا......

''ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم''۔ پھر مرید کے سر کے بال قینچی سے تراشے اور کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص مرحمت کیا۔ مرشد کی کچھ اور ہدایتوں پر خواجہ صاحب نے شبانہ روز عمل کیا، تو چند دنوں میں انوارِ الٰہی سے اپنے قلب کو روشن اور منور پایا۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۲)۔

شجرۂ طریقت:

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ طریقت یہ ہے......

خواجہ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندانی، خواجہ محمد مودود چشتی، خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابو احمد چشتی، خواجہ ابو اسحاق شامی حسنی سالار چشتیاں، خواجہ ممشاد علو دینوری، شیخ امین الدین، خواجہ ہبیرۃ البصری، خواجہ سدید الدین

حذیفہ مرعشی، حضرت ابراہیم ادھم، شیخ ابوالفیض فضیل بن عیاض، شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن زید، شیخ حسن بصری، حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، حضرت خواجہ ابواسحاق شامی قصبۂ چشت کے رہنے والے تھے، اسی لئے چشتی کہلائے، اوران کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا۔

خدمت مرشد :

سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں ڈھائی سال رہے، اور ریاضت ومجاہدات میں زندگی بسر کی، سیر الاولیاء، سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء میں ہے بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے اور غلاموں کی طرح ان کی خدمت کرتے رہے، اس مدت میں خواجہ صاحب نے اپنے پیرو مرشد کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی، (مونس الارواح) سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔

سیاحت :

مرشد کی معیت میں سیوستان پہنچے، یہاں کا ایک واقعہ دلیل العارفین، (مجلس چہارم) میں خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم ایک صومعہ میں پہنچے جس میں شیخ صدر الدین محمد احمد سیوستانی رہتے تھے، یادِ حق میں ان کا استغراق حد سے زیادہ تھا، میں کئی روز ان کی خدمت میں رہا۔ جو کوئی ان کے پاس آتا، محروم نہ جاتا، اس کو کوئی چیز لاکر ضرور دیتے اور فرماتے کہ میرے حق میں دعائے خیر کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لے جاؤں، جب وہ قبر اور موت کے شدائد کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپتے اور روتے روتے ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگتا جیسے کسی چشمہ سے پانی رواں، یہ گریہ سات سات دن تک بند نہ ہوتا، آسمان کو دیکھ دیکھ کر روتے، اوران کے رونے سے رونا آتا تھا، جب رونے سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا..........

اے عزیز جس کو موت آنے والی ہو اور اس کا حریف ملک الموت ہو اس کو

ونے، ہنسنے اور خوش رہنے سے کیا کام؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اے عزیز! اگر تمہیں ان لوگوں کا ذرا بھی حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی کوٹھڑی میں سوتے ہیں جس میں بچھو بھرے ہوئے ہیں تو اس کو معلوم کرتے ہی تم اس طرح پگھل جاؤ گے جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا..........

ایک وقت میں ایک بزرگ کامل کے ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا پاس ہی قبر میں ایک مردہ پر عذاب ہو رہا تھا ان بزرگ نے جب یہ حال معلوم کیا تو زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے، میں نے ان کو اٹھانا چاہا تو ان کی روح قالب سے پرواز کر گئی، اور تھوڑی دیر میں ان کا جسم پانی ہو کر بہہ گیا، اس دن سے مجھ پر قبر کی بڑی ہیبت طاری ہے، اس لئے اے عزیز! دنیا میں اتنا مشغول نہ ہونا کہ حق سے غافل ہو جاؤ۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۱۶)۔

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں تھے تو ایک اور بزرگ نے بھی حضرت خواجہ صاحب کو قبرستان کے احترام کی تلقین فرمائی، حضرت خواجہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ ایک بار ملک کرمان میں شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سفر میں تھا، ایک بزرگ کو دیکھا جو بڑے صاحب نعمت وریاضت تھے، میں نے ان کی طرح کسی اور کو یادِ حق میں مشغول نہ دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کے بدن میں صرف روح ہی باقی تھی گوشت و پوست بالکل نہ تھا، وہ باتیں بہت کم کرتے تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ان سے دریافت کریں کہ آپ کا ایسا حال کیوں ہے؟۔ انہوں نے اپنی روشن ضمیری سے ہمارے ارادے کو معلوم کرلیا اور ہمارے سوال کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا، کہ..........

اے درویش! ایک روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان میں گیا، اور ایک قبر کے پاس ہم دونوں ٹھہرے۔ اتفاقاً اس دوست سے لہو ولعب کی کوئی بات سرزد ہوگئی، جس پر مجھے ہنسی آگئی ہنسنے پر میرے کان میں یہ آواز آئی کہ جس کا حریف ملک الموت ہو

اور زیر خاک سانپ اور بچھو کے درمیان اس کا گھر ہو اس کو ہنسی سے کیا سروکار، جب میں نے یہ بات سنی، آہستہ سے اٹھا اور اپنے دوست کو رخصت کیا، وہ اپنے گھر گیا اور میں اس غار میں آیا، اور یہاں سکونت اختیار کر لی، اور اس دن سے مجھ پر بڑی ہیبت طاری ہے اور خوف سے میری جان روز بروز گھلتی جاتی ہے، آج چالیس سال ہوئے کہ نہ میں ہنسا ہوں اور نہ میں نے شرمندگی سے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا ہے کہ کل قیامت کے دن وہاں کیا منہ دکھاؤں گا۔ (دلیل العارفین، مجلس چہارم صفحہ ۱۵)۔

مرشد کے ہمراہ حضرت خواجہ بہاء الدین اوشی سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا، اور انہوں نے خواجہ صاحب کو نصیحت فرمائی کہ تمہیں روپیہ پیسہ جو کچھ بھی ملے اپنے پاس نہ رکھنا، خدا کی راہ میں لٹا دینا، تاکہ اللہ کے دوستوں میں تمہارا نام ہو۔

(فوائد السالکین مجلس سوم)۔

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے مرشد کے ساتھ جو سیاحت کی ان کے کچھ اور واقعات دلیل العارفین میں مل سکتے ہیں حضرت خواجہ صاحب نے اتنے مختلف مقامات کی سیاحت کی تھی کہ ترتیب کے ساتھ ان کا ذکر کرنا مشکل ہے، عاجز راقم نے سیاحت کے سلسلہ میں مختلف مقامات کی جو ترتیب لکھی ہے ممکن ہے کہ ان میں کچھ تسامح ہو۔

مرشد ہی کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، اور پیر و مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں، تو عالم غیب سے ندا آئی۔ ....

"معین الدین دوست ماست او را قبول کردم او برگزیدم"۔

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ (سیر الاقطاب و مونس الارواح)۔

حضرت شیخ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی ....

سیر العارفین میں ہے ....

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او"۔

(سیر العارفین صفحہ ۷، سفینۃ الاولیاء صفحہ ۵۸، سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۲، مونس الارواح)۔

چنانچہ خواجہ صاحب کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا، اس وقت ان کا سن شریف ۵۲ برس کا تھا، (مونس الارواح) خرقۂ خلافت دیتے وقت مرشد نے حضرت خواجہ صاحب کے سر پر کلاہ اور چادر بھی رکھی اور نصیحت کی کہ ....

مراد از کلاہ چار ترکی چار ترک است، اول ترک دنیا و دوم ترک عقبیٰ، سوائے ذات حق مقصود دیگر نداری، سوم ترک خور و خواب مگر قدرے برائے سد رمق کہ از ضروریات است، چہارم ترک خواہش نفس یعنی ہر چہ کہ بگوید خلاف آں کنی و ہر کہ ایں چہار چیز ترک کند پوشیدن کلاہ ترکی بوے سزاوار است۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۲۵)۔

اور جب وہ پیر سے رخصت ہونے لگے تو ان کو عزیز مرید کی فرقت گوارہ نہ ہوئی اور بغداد کے سفر میں ساتھ رہے۔

(سیر العارفین صفحہ ۵ و خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۵۷)۔

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے تو سنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی سال تک مقیم رہے۔

(سیر العارفین صفحہ ۵ و خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۵۷)۔

وہاں سے چل کر جیلان پہنچے، اور حضرت شیخ محی الدین محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے شرف نیاز حاصل کیا، اور ان کی معیت میں بغداد آئے جہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے اور یہیں خواجہ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ سے فیضیاب ہو کر ان سے بھی خرقہ خلافت پایا۔ (سیر العارفین صفحہ ۵ و خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۵۷)۔

بغداد کے قیام کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد میں تھا دجلہ کے کنارے ایک خانقاہ میں گیا، اس میں ایک بزرگ مقیم تھے، میں نے سلام کیا، انہوں نے اشارے سے جواب دیا، پھر بیٹھ جانے کو ارشاد فرمایا، میرے بیٹھ جانے پر تھوڑی دیر مجھ سے مخاطب ہوئے، اور فرمایا مجھے پچاس سال ہوئے کہ خلق اللہ سے علیحدہ ہو کر یہاں بیٹھا ہوں۔ جیسے تم سفر کرتے پھرتے ہو ایسے میں بھی سفر کرتا تھا۔ اثنائے سفر میں میرا گزر ایک شہر میں ہوا، تو ایک مالدار شخص کو دیکھا بازار میں کھڑا ہوا لوگوں سے بھاؤ تاؤ کرتا ہے اور نہایت سختی سے پیش آتا ہے اور اپنے گاہکوں کو بہت تکلیف دیتا ہے، میں خاموشی سے ادھر سے گزر گیا اور اس مالدار شخص کو کچھ نہ کہا، میرے کان میں آواز آئی کہ اگر تو خدا کے لئے اس شخص کو مردار دنیا سے باز رکھتا اور جھڑک دیتا کہ ایسا کام نہ کرو تو شاید وہ تیرا کہنا مان جاتا اور ظلم سے باز آجاتا جس روز سے میں نے یہ آواز سنی ہے بہت شرمندہ ہوں اور اس خانقاہ میں مقیم ہوں۔

کبھی اس سے باہر قدم نہیں نکالا۔ مجھ کو اس بات کا بڑا خوف ہے کہ قیامت کے روز جب اس معاملہ کے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا جواب دوں گا، میں نے اس تاریخ سے قسم کھائی ہے کہ کہیں نہ جاؤں گا تا کہ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑے اور میں شہادت میں پکڑا نہ جاؤں۔ (دلیل العارفین، مجلس چہارم)۔

بغداد سے ہمدان آئے اور خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی، ہمدان سے تبریز پہنچے اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابو سعید تبریزی کی زیارت کی اور ان کی صحبت سے متمتع ہوئے، وہاں سے اصفہان آئے، جہاں شیخ محمود اصفہانی سے کسب فیض کیا، یہاں کے قیام کے زمانہ میں ایک روز اصفہان کے حاکم محمد یادگار کے باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش تھے کہ محمد یادگار سیر کے لئے پہنچا، اور ایک اجنبی کو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا۔ لیکن خواجہ صاحب نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہو گیا۔ اور اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی، خواجہ صاحب نے حوض

کا پانی لے کر اس کے منہ پر چند چھینٹے دیئے اس کو ہوش آیا تو خواجہ صاحب کا گرویدہ ہو گیا، وہ مذہباً شیعہ تھا، لیکن اپنے اعیان و ارکانِ سلطنت کے ساتھ خواجہ صاحب کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دی۔ مگر خواجہ صاحب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو مال ظلم و تعدی سے وصول کیا گیا ہے وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالہ کر دیا جائے۔

محمد یادگار نے ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو بھی آزاد کر دیا اور جب ظاہری و باطنی تعلیم کی تکمیل کر لی تو خواجہ صاحب نے اس کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا، خواجہ صاحب اصفہان سے استر آباد آئے، استر آباد میں شیخ ناصر الدین استر آبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے، شیخ ناصر الدین بایزید بسطامی کی اولاد میں تھے۔ اس وقت ان کا سن شرف ۱۲۷ سال کا تھا۔

استر آباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب سبزوار پہنچے اور وہاں سے حصار امین رونق افروز ہوئے، احصار سے بلخ آئے، اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے، یہاں حکیم ضیاء الدین درویشوں کے منکر تھے، لیکن ایک روز خواجہ صاحب بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے خواجہ صاحب نے ان کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا جس کے بعد ان پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری ہو گئی، اور خواجہ صاحب کے مرید ہو گئے، گھر آئے تو طب کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر راہِ طریقت پر گامزن ہو گئے، بلخ سے خواجہ صاحب غزنی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں شیخ نظام الدین ابو المؤید کے پیر شیخ عبد الواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی، اور پھر وہاں سے ہندوستان کا قصد کیا۔

یہ تفصیلات ہم نے سیر العارفین، سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیاء وغیرہ سے جمع کی ہیں، مگر دلیل العارفین یعنی حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات میں صرف اتنا سا مختصر ذکر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اپنی مجلس یازدہم میں عارف کی صفات بیان فرما رہے تھے کہ یکایک اشکبار ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں اس مقام کا سفر کرتا ہوں جہاں میرا

مدفن ہے، یعنی اجمیر۔ پھر ہر شخص کو رخصت کیا، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ............

''اس کے بعد اجمیر پہنچے، اجمیر اس وقت ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا، اور وہاں مسلمان نہ تھے، جب حضرت خواجہ کے قدم مبارک وہاں پہنچے تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جن کی حد نہ تھی''۔ (صفحہ ۵۴، ۵۵)۔

اور دوسرے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ............

''جس وقت حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان آئے اس وقت حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن ان کے مزار پر چلہ کیا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، لاہور سے خواجہ صاحب ملتان آئے اور وہاں پانچ سال رہ کر ہندوؤں کی زبان (شاید سنسکرت اور پراکرت) سیکھی، یہاں سے وہ دہلی آئے، اور دہلی سے اجمیر گئے، جہاں دسویں محرم ۵۶۱ھ میں نزول اجلال فرمایا، اور یہیں آخر وقت تک قیام رہا، اس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا، اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب وہ خود ان کے مقابلہ میں بے بس اور لاچار رہے تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا۔

ایک مشہور ہندو جوگی جے پال سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامت سے اس پر غالب رہے جوگی نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، حضرت خواجہ صاحب نے جے پال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی''۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد ا صفحہ ۲۶۵)۔

حضرت خواجہ صاحب کے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان کی تعلیم

سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے، راجہ نے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، مگر خواجہ صاحب نے دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا............

''پتھورا را زندہ بہ مسلمانان دادیم''۔

(فوائد السالکین صفحہ ۱۵، سیر الاولیاء، صفحہ ۴۷، اخبار الاخیار صفحہ ۲۲ میں یہ الفاظ ہیں، ''فرمود پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم'' اور کسی تذکرہ میں یہ ہے ''ما او را بیروں کردیم و دادیم''۔

چنانچہ پیشنگوئی صحیح ثابت ہوئی، سلطان شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ میں دو حملے کئے، اور آخری حملہ میں پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شہاب الدین غوری خراسان میں تھا کہ اس نے ایک رات میں دیکھا کہ حضرت خواجہ صاحب کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عنایت کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، اسی خواب کے بعد اس نے ہندوستان پر فوج کشی کی۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۳۲)۔

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لئے خواجہ صاحب کا لقب ''وارث النبی فی الہند'' ہے، سیر الاولیاء میں ہے............

بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت''۔ (ص ۴۷)۔

مشہور ہے کہ جس وقت حضرت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جاتے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔

(دعوت اسلام ترجمہ عنایت اللہ بی، اے، صفحہ ۳۰۱)۔

خزینۃ الاصفیا میں ہے............

''ہزار در ہزار از صغار و کبار بخدمت آن محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ
شرف اسلام وارادت آنحضرت شدند بہ یکہ چراغ اسلام در ہند بطفیل ایں
خاندان عالی شان روشن گشت''۔ (صفحہ ۲۵۹)۔

ازدواجی زندگی :

اجمیر کے قیام کے زمانہ میں دو شادیاں کیں، جن میں ایک تو سید وجیہہ الدین
مشہدی وحاکم اجمیر کی دختر نیک اختر عصمت اللہ بی بی تھیں اور دوسری کسی ہندو راجہ کی
لڑکی بی بی امۃ اللہ تھیں، جو مشرف باسلام ہوگئی تھیں، حضرت خواجہ صاحب کی اولاد میں
تین لڑکے حضرت سید فخر الدین حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید اور حضرت سید حسام
الدین تھے۔ اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظہ جمال تھیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے
سید فخر الدین کو خلافت بھی دی، بی بی حافظہ جمال بھی عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم
دیا کرتی تھیں۔ (خلاصہ خزینۃ الاصفیاء، صفحہ ۲۶۵)۔

وصال :

پہلے نکاح کے ستائیس برس کے بعد عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ (بعض تذکرہ
نویس ۷ اور بعض ۱۷ برس بھی لکھتے ہیں، مونس الارواح)۔ تاریخ وفات روز دوشنبہ ۶
رجب المرجب ۶۳۲ھ ہے، سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت سن
شریف ۹۷ سال کا تھا۔ (سیر العارفین صفحہ ۱۶)۔

لیکن سفینۃ الاولیاء میں رحلت کے وقت کا سن ۱۰۴ اور مونس الارواح میں ۱۰۰
لکھا ہے، سیر الاقطاب میں ہے کہ وفات کے دن عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کا دروازہ
بند کرلیا، حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والوں کے کانوں میں ایسی آواز آتی رہی جیسے کوئی
پاؤں کو وجد کی حالت میں پٹکتا ہو، ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحب پر وجد کا عالم طاری
ہے، اخیر شب میں یہ آواز بند ہوگئی، فجر کی نماز کا وقت آیا تو دروازے پر دستک دی گئی،
لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی، جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ

حبیب اللہ حب اللہ کی خاطر جاں بحق ہو گئے۔ (سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۵۹)۔

محبت رسول :

تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول کے نشے میں
بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں
فرماتے تھے۔ اور اکثر حدیث نبوی بیان فرما کر رونے لگتے تھے۔ ایک جگہ ملفوظات میں
فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا اس کی جگہ کہاں
ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا وہ کہاں جائے گا۔ یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو
پڑے۔ (دلیل العارفین، مجلس دوم)۔

مجاہدہ :

رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام
پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب
کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے، مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی
تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی اور شہر کی طرف روانہ ہو جاتے۔
(سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۱، ۱۲۳ اور خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۲۵۶)۔

حلم وعفو :

طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں، ایک
بار ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ صاحب کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ
صاحب کو اس کا علم نور باطن سے ہوگیا لیکن وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق
سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو، یہ
سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا اور سر بسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو
ہلاک کرنے کو بھیجا گیا تھا۔

یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدم مبارک پر گر کر کہنے

لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجئے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے تو میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، یہ کہہ کر اس کے لئے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا۔ اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی دعاؤں کی بدولت اس کو ۴۲ بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی، اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۳۳،۳۴)۔

مریدوں سے محبت :

حضرت خواجہ صاحب کو اپنے خلفاء اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی، خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ (قیامت تک) خانوادۂ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے، چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۴)۔

فیاضی :

فقر و درویشی کے باوجود ان کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا، مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غرباء و مساکین سیر ہو جاتے تھے۔

(سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۴)۔

حقوقِ ہمسایہ :

پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے، نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لئے موزوں ہیں پڑھتے۔ ایک بار ایک ہمسایہ کا انتقال ہوا تو حسب معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدین بھی معیت میں تھے، جب تمام لوگ لوٹ گئے تو حضرت خواجہ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے، حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا، پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا، اور آپ الحمد للہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے، حضرت

قطب الدین نے چہرے کے رنگ کے تغیر کی وجہ پوچھی تو فرمایا قبر میں عذاب کے فرشتے آرہے تھے، لیکن پھر رحمت الٰہی نازل ہوئی، خود بھی عذابِ قبر سے بے حد خائف رہتے تھے اور جب کبھی قبر کا ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا، اور کبھی چیخیں مار کر روتے۔

(راحت القلوب ملفوظات حضرت بابا گنج شکر مجلس ہشتم)۔

لباس و غذا :

خواجہ صاحب کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا، اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے، کھانا بہت کم تناول فرماتے، ریاضت کے ابتدائی زمانے میں لگاتار سات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے۔ سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہے، سفر میں تیر و کمان، نمکدان اور چقماق ساتھ رکھتے اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

ذوقِ سماع :

سماع سے بھی ذوق تھا، اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مقیم تھے وہاں کی مجلس سماع میں قوالوں نے ان دو شعروں کو گایا............

عاشق بہ ہوائے دوست بے ہوش بود
و ز یادِ محبت خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیراں ماند
نام تو درونِ سینہ و گوش بود

تو خواجہ کئی روز تک بے ہوش رہے۔ (دلیل العارفین مجلس چہارم)۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل سماع میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین

سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمد صفاہانی رحمۃ اللہ علیہ، مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بہاء الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ اجل سنجری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سیف الدین ماجوزی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ اوحد الدین رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد واحد رحمۃ اللہ علیہ، شیخ برہان الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ سلیمان، خواجہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور بغداد کے دوسرے مشائخ کبار بھی شریک رہتے۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۳)۔

علوئے مرتبت :

ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "قطب المشائخ" کے لقب کی بشارت ملی۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۳ و مونس الارواح)۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "ملک المشائخ" سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیاء، شمس الفقراء، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۲)۔

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کو سلطان العاشقین اور برہان العارفین لکھا ہے۔ (سیر العارفین صفحہ ۴)۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے "قطب الاقطاب، حجۃ الاولیاء، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی" لکھا ہے۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۳)۔

اور صاحب سفینۃ الاولیاء نے "زبدۂ مشائخ، اجل وقدوۂ اولیائے اکمل" لکھا ہے۔ (سفینۃ الاولیاء صفحہ ۵۸)۔

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "سرحلقۂ مشائخ کبار" لکھا ہے۔ خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کمالات وخوارق عادات عام طور سے

بہت مشہور ہیں، اور آج بھی ان کی ابدی خواب گاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

بادشاہوں کا خراجِ عقیدت :

ہر دور میں ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں کو حضرت خواجہ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی، سلطان شمس الدین التمش کو بزرگانِ چشت سے جو روحانی لگاؤ رہا، اس کی تفصیل آگے آئے گی، مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے راجپوتوں کے خلاف فوج کشی کی تو حضرت خواجہ کے مزار پر انوار پر پہلے حاضری دی اس کے بعد میدان جنگ کی طرف رخ کیا اور جب اس کو فتح حاصل ہوئی تو مزار کے قریب ایک مسجد بنوائی، جواب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے، بلند دروازہ اور دوسری عمارتیں بھی اسی نے تعمیر کرائیں، شہنشاہ اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے اس لئے عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت خواجہ کے سلسلہ سے منسلک تھے اور جب شیخ کی دعاؤں سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر خوشی میں آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ گیا، راستہ میں روپے اور اشرفیاں لٹاتا ہوا اجمیر شریف پہنچا، اور وہاں شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کے لئے کئی عمارتیں بنوائیں، اور درگاہ کے انتظام میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں، مراد کی پیدائش پر بھی اکبر نے اجمیر شریف کی زیارت کی، اور شہر کے گرد چونے اور پتھر کا حصار بنوایا، اس کو جب کبھی ملکی اور فوجی کاموں سے فرصت مل جاتی تو حضرت خواجہ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو اکبر نامہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۰، جلد ۳ صفحہ ۱۶۲، ۲۳۴، ۲۵۲، ۲۷۶، ۳۴۲ وغیرہ، نیز تاریخ فرشتہ واقعات ۱۰۷۵ و ۱۰۷۸ء)۔

جہانگیر اپنے آٹھویں سال جلوس میں اجمیر شریف گیا، تو اس کا حال خود لکھتا ہے :

"دوشنبہ کے روز ۵ شوال مطابق ۲۶ شعبان کو اجمیر میں داخل ہونے کی ساعت قرار پائی، اس روز صبح کو میں شہر کی طرف بڑھا، جب قلعہ اور حضرت

خواجہ بزرگوار کا روضہ نظر آنے لگا تو ایک کوس پہلے ہی میں پاپیادہ ہوگیا اور
راستے کے دونوں جانب معتمدوں کو مقرر کیا، کہ فقراء اور ضرورت مندوں کو
روپے دیتے ہوئے آگے بڑھیں، اور جب دن کی چار گھڑیاں گزر چکیں تو
شہر میں داخل ہوا، اور پانچویں گھڑی میں روضۂ مبارک کی زیارت کا شرف
حاصل کیا، اور پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا، دوسرے دن میں نے حکم دیا کہ شہر
کے ہر چھوٹے بڑے شخص اور ہر راہگیر کو اچھی طرح انعام دے کر خوش کیا
جائے"۔ (تزک جہانگیری صفحہ ۱۲۵)۔

۱۰۲۵ء میں جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپے صرف کر کے مزار مبارک
کے گرد ایک طلائی کٹہر تیار کرایا تھا جواب نہیں ہے، وہ اس متبرک اور خوشگوار مقام میں
پانچ روز کم تین سال تک مقیم رہا۔ (جہانگیر نے اجمیر کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں،
اس کے لئے دیکھو تزک جہانگیری، صفحہ ۱۶۹)۔

شاہ جہاں نے بھی حضرت خواجہ کے آستانہ پر کئی بار حاضری دی، روضہ کے
پاس سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اس کی لڑکی جہاں آراء بیگم کو بھی حضرت
خواجہ صاحب سے والہانہ عقیدت تھی، اسی عقیدت کی بنا پر خواجہ خواجگان چشت پر ایک
کتاب مونس الارواح کے نام سے تحریر کی، شاہجہاں کے ساتھ اجمیر گئی تو اس سفر کے
تاثرات کو اس طرح قلمبند کیا ہے.........

"بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزی سے یہ فقیرہ حقیرہ والد بزرگوار کے
ساتھ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر کی طرف ۱۸ شعبان ۱۰۵۳ء کو روانہ
ہوئی اور ۷ رمضان المبارک کو تال انا ساگر کی عمارتوں میں داخل ہوئی، اس
سفر میں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی، ایک بار سورۂ یٰسین
اور سورۂ فاتحہ اخلاص وعقیدت سے پڑھ کر حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق
والدین رضی اللہ عنہ کی روح پرفتوح کو ایصال ثواب کیا، چند روز عمارت مذکور

میں ٹھہری، لیکن غایت ادب میں رات کو پلنگ پر نہ سوئی اور نہ روضۂ مبارک
کی طرف پاؤں پھیلائے اور نہ اس کی طرف پشت کی۔ دن کو درختوں کے
نیچے رہتی، حضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے فیض سے
اطمینان اور پھر ایک خاص ذوق پیدا ہوا، ایک رات مولود اور چراغاں کیا،
روضہ کی خدمت اور زینت میں جو کچھ مجھ سے ہوسکا، میں نے اس کے کرنے
میں کوتاہی نہیں کی، اور نہ کروں گی، الحمدللہ والمنۃ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روز
پنجشنبہ ۱۴ رمضان المبارک کو حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے مرقد منور کی
زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، دن کا ایک پہر باقی تھا کہ میں روضۂ اقدس
میں گئی اور اپنے زرد چہرے پر اس آستانہ کی خاک ملی، دروازہ سے گنبد
مبارک تک برہنہ پا زمین چومتی گئی، گنبد شریف میں داخل ہوکر اپنے پیر کی
قبر پرنور کے سات پھیرے کئے۔

نوٹ:

(یہ پھیرے کرنا درست نہیں کیونکہ یہ طواف بیت اللہ کے ساتھ
مشابہت کرتے ہیں۔ اور طواف صرف بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ کسی
قبر کا طواف جائز نہیں۔)

اپنی پلکوں سے جھاڑو دی، اور مزار کی خوشبودار خاک کو توتیائے چشم بنایا، اس
وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی کہ تحریر میں نہیں لائی جاسکتی، غایت
شوق اور سراسیمگی میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں، عطر اور
مقطرات کو معطر قبہ پر اپنے ہاتھ سے ملا، اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ
کر لائی تھی، قبر مبارک پر چڑھائی، اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں جو والد
بزرگوار نے تعمیر کرائی ہے نماز ادا کی۔ اور پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورۂ
یٰسین اور سورۂ فاتحہ روح پرفتوح کے لئے پڑھی، مغرب کی نماز تک وہیں مقیم

رہی، شمع روشن کی جھالرہ کے پانی سے افطار کیا۔ عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی، اگرچہ اس فانیہ کے اخلاص ومحبت وعقیدت کا تقاضا یہ ہورہا تھا کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے، لیکن کوئی چارہ نہ تھا۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی، کیونکہ یہ عجیب گوشۂ عافیت ہے اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں، مجبوراً چشم گریاں دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی، تمام رات بے قراری میں گزری، صبح کو جمعہ کے روز والد بزرگوار نے اکبر آباد کی طرف کوچ فرمایا۔ (مونس الارواح)۔

تاج وتخت کے مالکوں کی اس قسم کی عقیدت میں بعض اعمال ایسے ضرور ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے محمود وپسندیدہ نہیں لیکن اس حقیقت کا کون انکار کرسکتا ہے کہ ان بوریا نشین درویشوں نے جو اپنے روحانی اثرات چھوڑے وہ خواص وعوام کے دل ودماغ پر یکساں مستولی رہے۔ عالمگیر بھی کئی بار روضہ کی زیارت کے لئے گیا وہ اپنے مستقر سے روضہ تک پیادہ پا جاتا تھا۔ ایک بار پانچ ہزار روپے بھی بطور نذر پیش کئے"۔

(مآثر عالمگیری اردو ترجمہ صفحہ ۱۲۶، ۱۳۴)۔

ملفوظات :

خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے.........

خیر المجالس میں ہے.........

"شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین وشیخ الاسلام قطب الدین واز خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است"۔ (خیر المجالس نیز دیکھو خیر المجالس کا اردو ترجمہ سیر المجالس صفحہ ۳۵ و

اخبار الاخیار صفحہ ۷۶)۔

مگر خواجہ صاحب کے نام سے کئی تصانیف منسوب ہیں، مثلاً رسالہ در کسب نفس، رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوان معین وغیرہ ہم دو کتابوں انیس الارواح اور دلیل العارفین سے ان کی تعلیمات کو ہدیۂ ناظرین کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں.........

انیس الارواح میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، مشہور ہے کہ یہ ملفوظات حضرت خواجہ نے جمع کئے تھے، ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل ونکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا سو دن تک مستجاب نہیں ہوتی ہے پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے۔ مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے۔ مومن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت۔ حاجتمندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ اگر کوئی شخص اوراد ووظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجتمند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد ووظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے، تین شخص بہشت کی بو تک نہ پائیں گے۔ ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔

"دلیل العارفین" اس کتاب میں خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔ یہ ۵۶ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہوگیا ہے۔ اس میں مختلف دینی مسائل

وصوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، جنابت، غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ وسورۂ یٰسین، کشف وکرامات، صحبت نیک و بد توکل توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے اور کنائے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔

تکمیل اخلاق :

ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کے لئے ہر قسم کے صوری ومعنوی اخلاق ومحاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے (صفحہ ۴۷) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے۔

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا اس کو ملے گا اسی لئے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔

نماز :

فرماتے ہیں کہ نماز رکن دین ہے اور رکن ستون مترادف ہیں، اگر ستون قائم رہے گا گھر کھڑا رہے گا اور جب ستون ہی گر جائے گا گھر گر پڑے گا۔ جس نے نماز میں خلل ڈالا اس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا، نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گزر شام کے قریب ایک شہر میں ہوا، اس شہر کے باہر ایک غار تھا، ایک بزرگ اس میں سکونت پذیر تھے، خوف اور ہیبت الٰہی سے ان کے بدن پر گوشت وپوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے، میں ادب سے قریب

جا کر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا، بغداد سے آتا ہوں۔ فرمایا خوب آئے، لیکن مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو تاکہ تم کو ذوق درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گزر گئے، تمام دنیا سے علیحدگی اختیار کر کے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں۔

ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گزرتے ہیں، میں نے پوچھا حضرت وہ کون سی بات ہے، فرمایا نماز ہے، جس وقت ادا کرتا ہوں، خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط فروگزاشت نہ ہوگئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجب عتاب خداوندی ہو۔ (دلیل العارفین، مجلس دوم)۔

نماز کو مومن کی معراج کہا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس طرح کہ گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۵)۔

روزہ وحج :

حضرت خواجہ کے نزدیک روزہ اور حج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وہ خود صائم الدہر رہے اور اتنی بار خانہ کعبہ کی زیارت فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فوائد السالکین (مجلس پنجم) میں ہے کہ اجمیر سے ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

احترام کلام پاک :

کلام پاک کی تلاوت کی بھی بڑی فضیلت بتائی ہے، اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے، اور اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے، اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ انار اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟۔ جواب دیا ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق میں قرآن شریف کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہیے، پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوادوں اور خود یہاں آرام کروں، پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی

ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا اور تمام رات جاگتا رہا، میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اسی کے بدلے حق تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا۔ (دلیل العارفین مجلس پنجم صفحہ ۲۲ یہ ایک خواب کی بات ہے جس کو موجودہ دور کے مؤرخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند نہیں کریں گے، لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے، وہ اس واقعہ سے ظاہر گا)۔

اہلِ سلوک کی عبادتیں :

خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں۔ (۱) والدین کی خدمت۔ (۲) کلام اللہ کی تلاوت۔ (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی۔ (۴) خانہ کعبہ کی زیارت۔ (۵) پیر کی خدمت۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۲۱، ۲۴)۔

راہِ سلوک کے گناہ :

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ راہِ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں۔ (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا۔ (۲) گورستان میں کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے۔ (۳) مردم آزاری کرنا۔ (۴) خدا کا نام لے کر لرزہ براندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازمی ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۱۵ تا ۱۸)۔

عارف :

ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشاداتِ عالیہ سے ہوگا۔

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرارِ الٰہی کے حقائق اور انوارِ الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۱۵ تا ۱۸)۔

عارف عشق الٰہی میں کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسی کی قدرت کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۱۵ تا ۱۸)۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اس میں ایسا مستغرق

ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے، عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۶)۔

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے۔ (دلیل العارفین)۔

عارف دونوں جہان سے قطع تعلق کر کے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ یکتائی (فردانیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بے گانہ نظر آتا ہے۔ (دلیل العارفین، صفحہ ۶)۔

عارف وہی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو۔ عارف کے مراتب ہوتے ہیں، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ میں دیکھتا ہے۔ عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات الٰہی کا ظہور ہو اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے اور کوئی شخص اس کے سامنے دعویٰ کے ساتھ آئے، تو اس کو اپنی کرامت سے ملزم ٹھہرائے۔ (دلیل العارفین)۔

"اگر کسے بروے بدعوی آید آں را بقوت کرامت ملزم کند"۔

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھانی چاہیے۔ عارف خاموش رہتا ہے تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے، اور جب آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے جب تک صور اسرافیل کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا

کمال یہ ہے کہ دوست کی راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔
(دلیل العارفین، صفحہ ۶)۔

عارف اسی قدر معرفت کی باتیں کر سکتا ہے جس قدر اس کو عبور ہے کوئے یار میں دوڑتا ہے، اور معرفت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا ہے جب تک معارف کو یاد نہ کرے۔ (دلیل العارفین صفحہ ۴۳)۔

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ میں اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو وہ فدا کر دے۔ (دلیل العارفین صفحہ ۴۴)۔

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور غم و اندوہ میں ہو۔ عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے، اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے۔ (دلیل العارفین صفحہ ۴۷)۔

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے، دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں ....

(۱)...... عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے۔
(۲)...... وہ شخص جس کو طمع نہ ہو اور
(۳)...... وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا و صفت بیان کرتا رہے۔

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو نابینا ہو جاتا ہے تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے۔ (دلیل العارفین صفحہ ۴۸)۔

عارف کا ایثار بے نیازی ہے۔ عارف کی خصلت اخلاص ہے۔
(دلیل العارفین صفحہ ۵۰ و صفحہ ۷)۔

عارف محبت میں کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست۔ (دلیل العارفین)۔

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک میں کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو۔

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے تو وہ ان کی شکایت کرے اور نہ حکایت۔
(دلیل العارفین صفحہ ۵۱)۔

عارف وہ ہے جو صبح اٹھے تو رات کو یاد نہ کرے۔ عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے۔ عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے، تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے۔

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں ہیبت، تعظیم، حیا اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گزاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۳۹)۔

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے مگر اہل نظر کی رائے ہے کہ یہ جعلی ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہیں چاہتے۔

مقاماتِ سلوک :

دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکروں میں بھی محفوظ ہیں ان ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہِ سلوک میں چودہ مقامات ہیں (۱) توبہ۔ (۲) عبادت۔ (۳) زہد۔ (۴) رضا۔ (۵) قناعت۔ (۶) مجاہدہ یا جہد۔ (۷) صدق۔ (۸) تفکر۔ (۹) استرشاد۔ (۱۰) اصلاح۔ (۱۱) اخلاص۔ (۱۲) معرفت۔ (۱۳) شکر۔ (۱۴) محبت۔

ان میں سے ہر ایک مقام ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدم علیہ السلام عبادت حضرت ادریس علیہ السلام، زہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رضا حضرت ایوب علیہ السلام، قناعت حضرت یعقوب علیہ السلام، مجاہدہ حضرت یونس علیہ السلام، صدق حضرت یوسف علیہ السلام، تفکر حضرت شعیب علیہ السلام، استرشاد حضرت شیث علیہ السلام، اصلاح حضرت داؤد علیہ السلام، اخلاص حضرت نوح علیہ السلام، معرفت حضرت خضر علیہ السلام، شکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محبت افضل الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لئے مندرجہ ذیل دس شرطیں ضروری قرار دی ہیں۔

(۱) طلب حق۔ (۲) طلب مرشد کامل۔ (۳) ادب۔ (۴) رضا۔ (۵) محبت و ترک فضول۔ (۶) تقویٰ۔ (۷) استقامت شریعت۔ (۸) کم کھانا اور کم سونا۔ (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا۔ (۱۰) صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا۔

اسی طرح اہل حقیقت کے لئے بھی دس چیزیں لازمی ہیں۔ (۱) معرفت میں کامل ہونا۔ (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی برائی کرنا۔ (۳) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے۔ (۴) متواضع ہونا۔ (۵) عزلت نشیں ہونا۔ (۶) ہر شخص کو عزیز اور محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا۔ (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا۔ (۸) ہر درد اور تکلیف میں صبر اور تحمل کرنا۔ (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا۔ (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸)۔

خلفاء :

خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں.........

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی، کاکی رحمۃ اللہ علیہ (دہلی)۔ (۲) خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند حضرت خواجہ (قصبۂ سردار)۔ (۳) شیخ حمید الدین ناگوری، دہلی۔ (۴) شیخ وجیہ الدین۔ (۵) شیخ حمید الدین صوفی۔ (۶) خواجہ برہان الدین عرف بدور۔ (۷) شیخ احمد۔ (۸) شیخ محسن۔ (۹) خواجہ سلیمان غازی۔ (۱۰) شیخ شمس الدین۔ (۱۱) خواجہ حسن خیاط۔ (۱۲) جے پال جوگی المعروف بہ عبداللہ، اجمیر۔ (۱۳) شیخ صدر الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (۱۴) شیخ محمد ترک نارنولی، دہلی۔ (۱۵) شیخ علی سنجری۔ (۱۶) خواجہ یادگار سبزواری۔ (۱۷) خواجہ عبداللہ بیابانی۔ (۱۸) شیخ متا۔ (۱۹) شیخ وحید برادر شیخ احمد۔ (۲۰) شیخ مسعود غازی، اجمیر۔ (یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں)۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۶۵)۔

یہ بزرگان دین مختلف مقامات پر اس لئے مامور کئے گئے تھے کہ وہ شمع روشن

[کر]کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں اور جب سلاطین دہلی تخت و تاج کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے تو خانقاہ کے یہ بوریہ نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں، ایک تو ان کی تھی جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور ایک ان کی جن کے گھروں میں فقر و فاقہ تھا، لیکن انہیں فقر و فاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ، ترمیم و اضافہ کے ساتھ)۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب :

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہ قصبہ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے، بختیار نام اور قطب الدین لقب تھا، عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے۔ حسینی سادات میں سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے.........

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت تقی الجواد بن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۴۳ و خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۶۷)۔

ابتدائی تعلیم وتربیت :

ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا، اور پانچ برس کے سن سے ایک نیک اور صالح بزرگ مولانا ابوحفص سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اور ان سے ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم اور سلوک کے آداب وطریق کی بھی تعلیم پائی، اور اوائل عمر سے ریاضات ومجاہدات میں مشغول رہنے لگے، جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا ورود اوش میں ہوا تو ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور سترہ سال کی عمر میں ان سے خرقۂ خلافت پایا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۶۸ و سیر العارفین صفحہ ۴۶، سیر الاقطاب صفحہ ۱۴۵ میں ہے کہ اوش سے

نکل کر حضرت بختیار کاکی بغداد پہنچے اور یہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں خواجہ معین الدین چشتی سے شرف بیعت حاصل کیا، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحدالدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی تھے)۔

عبادات :

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ بیعت کے بعد وہ رات دن میں پچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے، اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء، صفحہ ۲۷۳)۔

سیاحت :

غالباً ازدواجی زندگی کے بعد ہی مختلف مقامات کی سیاحت کی، عاجز راقم کے لئے ترتیب کے ساتھ اس سیاحت کا حال لکھنا ممکن نہیں، خود حضرت قطب صاحب نے اپنے ملفوظات میں جتنی تفصیل بتائی ہے، اس کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

غزنین تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے جو بڑے صاحب تجرید وتفرید تھے، ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان کو فتوحات حاصل ہوتیں کبھی اپنے پاس نہ رکھتے، دن میں جو چیزیں آتیں وہ شام تک تقسیم کردیتے، اور جو رات کو حاصل ہوتیں صبح تک نہ رکھتے، چھوٹے بڑے درویش وتونگر ان کی خانقاہ سے محروم نہ جاتے، بھوکوں کو کھلاتے، ننگوں کو کپڑے پہناتے، غرضیکہ بڑے صاحب نعمت تھے، میں نے ان کو فرماتے سنا کہ چالیس برس میں نے مجاہدہ کیا، کچھ حاصل نہ ہوا اور کوئی روشنی نظر نہ آئی۔ لیکن جب سے کم سونا، کم بولنا، کم کھانا اور لوگوں سے کم ملنا اختیار کیا تو روشنی نظر آئی، اور اب عرش اور حجاب عظمت تک کی چیزیں پوشیدہ معلوم نہیں ہوتیں۔ (فوائد السالکین مجلس اول)۔

فرماتے ہیں کہ ایک بار میں دریائی سفر میں تھا کہ ایک درویش کی جو بڑے بزرگ اور صاحب نعمت تھے، زیارت کی۔ مجاہدے سے ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جسم

مبارک میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں، ان کا یہ دستور تھا کہ چاشت سے فارغ ہو کر لنگر خانہ میں تشریف لے جاتے جس میں ہزاروں من کھانا ہوتا، ظہر کی نماز تک اس کی تقسیم میں مصروف رہتے، ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے، اور ننگے کو حجرے میں لے جا کر کپڑے پہناتے۔ یہاں تک کہ لنگر خانے میں کوئی چیز باقی نہ رہتی۔ پھر مصلے پر جا بیٹھتے، ان کا حکم تھا کہ جو کوئی بھی آئے ان کے پاس بھیج دیا جائے وہ مصلے کے نیچے سے جو کچھ کہ اس کی قسمت میں ہوتا عطا کرتے، چندروز میں ان بزرگ کی خدمت میں رہا، وہ صائم الدہر تھے، افطار کے وقت ان کے پاس چار کھجوریں آتیں دو مجھ کو دیتے اور دو خود کھاتے۔ مجھ سے فرمایا کہ درویش جب تک لوگوں کی صحبت ترک کر کے گوشہ گیر نہ ہو جائے اور کم نہ کھائے، کم نہ سوئے، کم نہ بولے عالی مقام نہیں ہوسکتا۔ (فوائد السالکین مجلس اول)۔

دریائی سفر کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے یار غار قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک دریا کے کنارے فروکش تھا دیکھا کہ ایک بہت بڑا بچھو تیزی سے کہیں جارہا ہے، میں نے قاضی سے کہا کہ اس میں کوئی سرالٰہی پوشیدہ ہے، ہم دونوں بچھو کے پیچھے ہولئے بچھو ایک درخت کے پاس پہنچا تو اس نے ایک بہت ہی خوفناک اژدھے کو ڈنک مارا جس سے وہ مرگیا، پاس ہی ایک شخص سورہا تھا، ہم وہاں ٹھہر گئے کہ یہ نیند سے اٹھے تو ہم اس سے ملاقات کریں، ہم نے اس کے نزدیک جا کر دیکھا تو وہ نشے میں بدمست پڑا تھا۔ تعجب ہوا کہ ایسے نافرمان بندے پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کیوں رحمت فرمائی، غیب سے آواز آئی کہ اگر ہم پارساؤں ہی پر اپنی توجہ رکھیں تو غریبوں کا کون حامی ہوگا۔ اس کے بعد وہ متوالا اٹھا تو مردہ اژدہے کو پاس دیکھ کر پریشان ہوا، ہم نے بچھو اور اژدھے کی کیفیت اس سے بیان کی تو وہ نادم ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد ہم نے سنا کہ وہ بہت بڑا بزرگ ہوگیا، اور اس نے ستر بار پاپیادہ حج کیا۔ (مجلس اول)۔

مجلس اول ہی میں فرماتے ہیں کہ..........

میں نے ایک شہر میں جا کر دیکھا کہ دس دس بیس بیس آدمی جابجا متحیر کھڑے ہیں، نماز کے وقت عالم صحو میں آجاتے ہیں اور نماز ادا کر کے پھر عالم سکر میں چلے جاتے ہیں، میں بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہا، ایک روز ان میں سے کچھ لوگ عالم صحو میں آئے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا یہ حال کب سے ہے؟۔ جواب دیا کہ ساٹھ یا ستر سال ہوئے ہوں گے کہ ہم نے راندۂ درگاہ ابلیس لعین کا قصہ سنا تھا، اسی وقت سے ہمارا یہ حال ہے۔

مجلس دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ..........

ایک بار سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات کی جو عالم تحیر میں تھے، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ ان کو اس حال میں رہتے ہوئے کتنے سال ہوئے؟۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیس سال سے اسی حالت میں دیکھتے ہیں، میں چندروز ان کی صحبت میں رہا، ایک بار عالم صحو میں پایا تو دریافت کیا کہ کتنے روز سے آپ کو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی، جواب دیا اے ناداں! درویش جب دریائے محبت میں غرق ہو جاتا ہے تو گو اس کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالیں لیکن اس کو کچھ خبر نہ ہوگی، جانبازی کی اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا اس کی جان محفوظ نہیں رہتی۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ..........

میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں تھا، ہم دونوں کے آگے ایک بزرگ تھے جن کا نام شیخ عثمان تھا اور وہ شیخ ابوبکر شبلی کی اولاد میں سے تھے۔ ہم دونوں ان کی نقش پا پر اپنا قدم رکھتے تھے، شیخ عثمان نے اپنی روشن ضمیری سے ہمارا حال معلوم کرلیا۔ اور فرمایا متابعت ظاہری کیا کرتے ہو، میری متابعت باطنی بھی اختیار کرو، ہم نے عرض کیا کہ آپ کی متابعت باطنی کیا ہے؟۔ فرمایا ہر روز ہزار بار قرآن شریف ختم کرتا ہوں۔ ہم دونوں کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ تو طاقت بشری سے باہر ہے۔

شاید ہر سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھ لیتے ہوں گے ہم اسی خیال میں تھے کہ انہوں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے، میں ہزار بار روزانہ قرآن شریف حرف بہ حرف پڑھتا ہوں، جب حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ مجلس میں سنایا تو حاضرین میں سے مولانا علاء الدین کرمانی نے کہا کہ جو بات عقل میں نہ آئے وہ کرامت ہے، کیونکہ کرامت میں عقل کو کچھ دخل نہیں۔ حضرت خواجہ یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے۔

مجلس دوم ہی کے ملفوظات میں ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک شہر میں پہنچا تو وہاں بارہ آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی جن میں سے ہر ایک عالم تحیر میں تھا، صرف نماز کے وقت ان کو ہوش آ جاتا تھا۔ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین نے حضرت فرید الدین کو مخاطب کر کے فرمایا اے فرید انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لئے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا۔ واپسی میں ہم ایک ایسے شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں، وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی جو ایک غار میں تھے۔ ہیبت الٰہی سے ان کے جسم پر گوشت باقی نہ رہا تھا، گویا ایک چوب خشک تھے، خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو چند روز ہم یہاں قیام کریں، میں نے ادب سے عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو۔

غرض ہم ان کی صحبت میں ایک ماہ تک رہے، اس عرصہ میں صرف ایک روز وہ تھوڑی دیر کے لئے عالم صحو میں آئے، ہم نے سلام عرض کیا، جواب دے کر فرمایا عزیزو! تمہیں یہاں تکلیف ہوئی، لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤ گے۔ کیونکہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے، منزل مقصود کو ضرور پہنچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا بیٹھ جاؤ، ہم بیٹھ گئے تو اپنا ذکر فرمانے لگے کہ میں شیخ محمد اسلم طوسی کی اولاد سے ہوں۔ اس عالم تحیر میں تیس سال سے

ہوں، مجھ کو روز و شب کی کوئی خبر نہیں ہوتی، حق تعالیٰ آج صرف تمہارے لئے عالم صحو میں لایا ہے۔

اے عزیزو! اب تمہیں اجازت ہے، تم رخصت ہو جاؤ، خداوند تعالیٰ تمہیں اس زحمت کا نیک بدلہ عطا فرمائے، لیکن میری ایک بات تم یاد رکھنا کہ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہونا، اور مخلوق سے دور رہنا۔ اور جو کچھ تمہارے پاس پہنچے اس کو کبھی اپنے پاس نہ رکھنا ورنہ درویشی حاصل نہ ہو گی۔ اور حق کی مشغولیت کے سوا کسی اور چیز کی طرف التفات نہ کرنا۔ یہ کہہ کر وہ پھر عالم تحیر میں چلے گئے۔

مجلس چہارم میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو بغداد میں بارہا حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا وہ واقعی بہت بڑے بزرگ اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ میں نے اپنی سیر و سیاحت میں ان سا عبادت گزار نہیں دیکھا، اسی مجلس میں حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت بختیار کو بغداد میں خبر ملی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں تو مرشد کے شوق ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے لیکن خود دلیل العارفین کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان اپنے مرشد کی معیت میں آئے، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ (نیز دیکھو دلیل العارفین صفحہ ۵۴)۔ پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا۔

ورودِ دہلی :

دہلی کے سفر میں ملتان پہنچے، تو یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ کمال محبت و شفقت سے ملے۔ اس لئے حضرت قطب الدین صاحب نے وہاں کچھ دنوں تک قیام فرمایا اسی اثنا میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی، تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ

انہی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے۔

(سیر الاقطاب صفحہ ۱۴۹، سیر العارفین صفحہ ۴۸)۔

ملتان سے وہ دہلی آئے، اور دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے خدم وحشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کیلوکھری میں سکونت پسند کی، سلطان التمش نے عرض کی کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار مین خلل پڑتا ہے، تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہوگئے، اور ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا۔ (سیر العارفین اردو ترجمہ صفحہ ۴۷، ۴۹)۔

شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد التمش نے حضرت قطب الدین صاحب کو ان کی جگہ پر مامور کرنا چاہا، لیکن جب انہوں نے انکار کیا، تو شیخ نجم الدین صغری کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا، شیخ نجم الدین صغری حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے۔ اور برگزیدہ بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

دلیل العارفین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد کی وفات سے پہلے دہلی سے اجمیر جا کر آخری دیدار سے مشرف ہوئے، دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں ہے کہ فرمایا..........

''ساری دنیا انوار سے روشن ہے یہ فرما کر رو پڑے اور فرمایا اے درویشو! مجھے اس جگہ اس واسطے لائے ہیں کہ یہاں میرا مدفن ہے اب چند روز میں اس عالم سے کوچ کروں گا، شیخ علی سنجری آپ کے کاتب موجود تھے، ان سے فرمایا کہ فرمان شیخ قطب الدین بختیار کے نام تحریر کرو، کہ وہ دہلی جائیں، میں نے خلافت اور سجادۂ خواجگان ان کو عطا کیا، اس کے بعد مجھ سے (یعنی حضرت شیخ قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے جب فرمان لکھا جا چکا تو مجھے عنایت فرمایا اور حکم ہوا آگے آؤ، میں نزدیک گیا تو

دست مبارک سے اپنی دستار یا کلاہ میرے سر پر رکھی، اور حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کا عصا اپنا مصحف تلاوت اور مصلی بخشا اور یہ فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی امانت خواجگانِ چشت کے پاس تھی جو مجھ کو ملی تھی، میں نے تمہیں سونپی، تم اس کا حق ویسا ہی ادا کرو جیسا کہ اور خواجگانِ چشت ادا کرتے ہیں، تاکہ حشر کے روز میں اپنے مشائخ کے روبرو شرمندہ نہ ہوں، میں نے (یعنی حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کو قبول کیا، اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک کو اٹھا کر ارشاد فرمایا جاؤ، خدا کو سونپا اور تمہیں اپنی منزل پر پہنچا دیا، پھر فرمایا چار چیزیں جو ہر نفس ہیں.........

(۱)......... درویش امیر وتوانگر دکھلائی دے۔

(۲)......... وہ بھوکوں کو سیر ہو کر کھلائے۔

(۳)......... غمگین رہے لیکن ایسا کہ خوش وخرم نظر آئے۔

(۴)......... دشمن سے دوستی اور مہربانی سے پیش آئے۔

پھر فرمایا اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ جب کوئی اس سے پوچھے رات کی نماز ادا کی تو جواب دے کہ مجھے فراغت نہیں، ملک الموت کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں، جہاں کہیں وہ درماندہ ہوتا ہے دستگیری کرتا ہوں، میں نے (یعنی حضرت شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے) ارادہ کیا کہ قدم بوسی حاصل کر کے رخصت ہوں، آپ نے یہ امر روشن ضمیری سے دریافت کیا، فرمایا، آگے آؤ۔ میں گیا، اور قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے مجھے اٹھایا اور بغلگیر ہوئے، فاتحہ پڑھی اور ارشاد فرمایا راہِ طریقت سے منہ نہ موڑنا، اس راہ میں مرد بنے رہنا، میں پھر قدموں پر گرا، آپ نے از راہ نوازش مجھے اٹھایا اور دوبارہ بغل گیر ہوئے، میں رخصت ہو کر دہلی آیا۔ اور وہاں سکونت اختیار کی، کئی دوست بھی

ہمراہ آئے اور فقیر کے ساتھ رہے مجھے دہلی آئے چالیس روز ہوئے تھے کہ اجمیر شریف سے قاصد خبر لایا کہ تمہارے روانہ ہونے کے بعد آپ بیس روز تک زندہ رہے پھر رحمت حق میں پیوست ہو گئے، مجھے بڑا رنج ہوا''۔

قطب صاحب اور التمش :

قطب صاحب کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا۔ شمس الدین التمش ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ اس کو رعایا، فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے۔ اور التمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب خود فوائد السالکین میں فرماتے ہیں ....

''اس کا (یعنی التمش کا) عقیدہ صحیح تھا۔ وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا۔ اٹھ کر وضو کرتا اور مصلیٰ پر جا بیٹھتا۔ اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، ان کے حالات پوچھتا اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا۔ طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں اس کے پاس لائے جائیں اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہاں آ کر عدل و

انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائیں تا کہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی''۔ (فوائد السالکین، صفحہ ۲۸، ۲۹)۔

التمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے، چنانچہ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف کا بیان ہے کہ ....

''بادشاہ رحمدل و عادل وسلطان کامل ومکمل از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است، واز محبوباں ونظر منظوراں خواجہ معین الدین سنجری بود، وکمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد، اگر چہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت، لیکن از دل فقیر وحقیر دوست بود، کم خوردی وکم خفتی وشبہائے دراز بیدار بودے..........''۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ۲۷۶)۔

ان اوصاف کے ساتھ التمش پر عاقبت کا خوب غالب رہتا، حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں ....

''ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے۔ لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی''۔ (فوائد السالکین، صفحہ ۲۹)۔

فقر :

مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت ونیاز مندی کے باوجود قطب صاحب کے گھر میں برابر فاقہ رہتا جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی

بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لے کر خورد ونوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا۔ ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ ''میں تم کو قرض نہ دوں تو تمہارے بچے بھوکوں مرجائیں''۔ قطب صاحب کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا۔ اور فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو، اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں، اسی لئے قطب الدین بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہوئے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۴۸ و سیر العارفین صفحہ ۵۴۔ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۱،

سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحب نے حزم واحتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا تھا، اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی، جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گذر اوقات کرتے، سیر الاولیاء میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اس لئے اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انہوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلے کے نیچے پھر نہ ملی، اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں)۔

مرشد نے ان کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۴۹)۔ اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی۔ (سیر العارفین، صفحہ ۵۳)۔

جود وسخا :

لیکن اس ناداری پر بھی جود وسخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی فوراً تقسیم کر دیتے۔ جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطاء سے خالی نہ جائے۔

(راحت القلوب صفحہ ۵)۔

استغناء :

استغناء کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے۔ قطب صاحب نے اس کو بلایا، اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے زخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا، جاؤ آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ ۵۳، فوائد السالکین صفحہ ۱۵)۔

ایک بار سلطان التمش کا وزیر بھی کچھ گاؤں کا فرمان لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے۔ اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے۔ (راحت القلوب، صفحہ ۳۲)۔

صبر وتحمل :

صبر وتحمل کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہوا اور لوگ اسے دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحب کی زوجۂ محترمہ وفورِ غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں۔ قطب صاحب نے لوگوں سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۴۵)۔

ریاضت ومجاہدہ :

حضرت خواجہ قطب الدین نے عبادت وریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں، سیر الاولیاء، صفحہ ۴۹ میں ہے کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے، لیکن اخیر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے، بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی، یاد حق میں

استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے، نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور تجدید وضو کرتے، اور نماز ادا فرماتے۔ آخر عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا۔ (فوائد السالکین مجلس پنجم)۔

ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے تھے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۴۹ وسیر العارفین اردو، ترجمہ صفحہ ۵۳)۔ اسرار الاولیاء صفحہ ۳۱ میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر...... آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بے ہوش ہو جاتے ایک روز ہزار بار بے ہوش ہوئے، لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیتے اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے۔

(اسرار الاولیاء ملفوظات حضرت بابا گنج شکر صفحہ ۳۱)۔

جوامع الکلم میں ہے کہ دل شکستہ لب بستہ، حجرہ کا دروازہ بند کئے...... گریہ و زاری میں مشغول رہے، زیارت کے لئے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے، اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو جب تک وہ پانی پیتے وعظ کہتے پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے، راحت القلوب میں ہے کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی علیہ الرحمہ کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے تو دن اور رات میں دو بار کلام پاک ختم کرتے، ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد حضرت قاضی حمید الدین امام ہوئے اور خود حضرت خواجہ قطب الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی مقتدی بن کر پیچھے کھڑے ہوئے، حضرت خواجہ حمید الدین نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے۔ دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کیا، آخر میں یہ دعا کی کہ الٰہی ہم سے تیری عبادت نہیں ہو سکتی، لیکن تو اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی سرشار رہتے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اپنی مجلسوں میں حدیث نبوی بار بار بیان فرماتے، اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا۔ ایک رات خواب میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، قدموں پر گر پڑا، رونے لگا۔ پھر عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ کلامِ پاک کو حفظ کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ، میں نے حسب الحکم سر اٹھایا، ارشاد ہوا کہ سورۂ یوسف برابر پڑھا کرو قرآن مجید یاد ہو جائے گا، میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورۂ یوسف کی مواظبت کی، یہاں تک کہ میں نے پورا کلام پاک حفظ کرلیا۔ (فوائد السالکین مجلس پنجم)۔

ذوقِ سماع :

سماع کو بہت عزیز رکھتے۔ (یہاں پر وہ سماع مراد ہے جو شرعی اصولوں کے مطابق ہوتا تھا) اس کی مجلس کبھی اپنی قیامگاہ میں منعقد کراتے، کبھی حضرت خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری کے یہاں اور کبھی کسی اور درویش کے یہاں جا کر شرکت فرماتے، ایک بار مجلس سماع میں قوالوں نے گانا شروع کیا جب یہ شعر پڑھا ؎

سرود چیست کہ چندیں فسوں عشق در دست
سرود محرم عشقت و عشق محرم او ست

تو مسلسل سات شبانہ روز بے ہوش رہے، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرما کر پھر بے ہوش ہو جاتے۔

وصال :

سماع ہی کی بدولت وصال ہوا، ایک بار شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع

تھی قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا ؎

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جاں دیگر است

تو حضرت قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اسی حال میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوری اور مولانا بدر الدین غزنوی ان کو گھر تک لائے، متصل تین دن اور تین رات تک یہی حالت رہی، جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے اور پھر اسی سکر کی حالت میں چلے جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے، اسی لئے شہید المحبت کہا گیا ہے۔ میر حسن نے اس شعر پر ایک غزل کہی ہے جس میں حضرت قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جاں بریں یک بیت داد است آں بزرگ

آرے ایں گوہر زکان دیگر است

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جاں دیگر است

وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا۔ اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی آغوش میں، سال وفات ۶۳۴ھ ہے۔ وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لئے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ (فوائد الفواد صفحہ ۱۴۴، سیر الاولیاء صفحہ ۵۵، سیر الاقطاب صفحہ ۱۶۰، خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۷۵)۔

وصال سے کچھ دن پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ ایک مقام پر آ کر توقف کیا، اور ہمراہی درویشوں سے فرمایا کہ اس مقام

سے عشق کی بو آتی ہے، چنانچہ زمین کے مالک کو بلایا اور معاوضہ دے کر اس زمین کو خریدا اسی سرزمین پر روضۂ اطہر واقع ہے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۵۵، سیر العارفین اردو ترجمہ جلد ا صفحہ ۶۲)۔

مقام ودرجہ :

صوفیائے کرام میں قطب الاقطاب، قطب الاسلام، ملک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیاء، تاج الاصفیاء کے القاب سے یاد فرمائے جاتے ہیں۔

تصانیف :

حضرت قطب صاحب کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور ایک فوائد السالکین، دیوان تو نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، لیکن یہ کسی اور کا ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور فوائد السالکین ملفوظات ہیں۔

تعلیمات :

فوائد السالکین میں حضرت قطب صاحب کی سات مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جن کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے جمع کیا ہے، یہ ۳۶ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، اس میں وہ تمام باتیں آ گئی ہیں جو ایک سالک کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی ہیں جن کے تجزیہ سے سالک کے لئے مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کئے جا سکتے ہیں۔

سالک کی زندگی :

سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے تو وہ نفس پرست ہے۔ (فوائد السالکین صفحہ ۴)۔ کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کھائے، اس کے لباس میں نمائش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لئے لباس پہنتا ہے تو راہِ سلوک کا راہزن ہے۔ کم سوئے کم بولے، آلائش دنیا سے پاک رہے۔ حضرت بایزید

بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ستر سال تک عبادت کی مگر جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہو سکی کہ ان کے پاس مٹی کا جو کوزہ اور چمڑے کا جو خرقہ تھا، ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا۔

سالک اور محبت الٰہی :

سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے، اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں تو اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہِ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویدار نہیں ہو سکتا، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا۔

چنانچہ رابعہ بصری پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی۔ وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں کہ دوست نے ان کو یاد نہیں کیا، حضرت خواجہ معین الدین بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہیے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہیے کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہِ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں۔

راہِ سلوک کے درجے :

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں، لیکن اولیائے طریقت جنیدیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سو درجے صوفیائے طریقۂ ذوالنون ئے ستر درجے قائم کئے ہیں۔ طبقۂ ابراہیم بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے جاتے ہیں۔

خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، وعبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں، اولیائے طریقہ شاہ

شجاع کرمانی سنون حجت اور خواجہ مرعتش کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں، مگر مشائخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں۔ ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں۔ ان میں ۸۰ واں درجہ کشف و کرامت کا ہے، طبقہ جنیدیہ میں ۷۰ واں، طبقۂ بصریہ میں ۳۰ واں طریقۂ ذوالنون میں ۲۵ واں، شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک ۱۰ واں اور خواجگانِ چشت کے یہاں ۵ واں درجہ ہے۔ اس درجہ کے حاصل ہونے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔ (فوائد السالکین صفحہ ۴۰)۔

حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسرار الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیے کہ اسرار جاگزیں ہو سکیں، اور فاش نہ ہونے پائیں، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا۔ چنانچہ قطب صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے مرشد کی صحبت میں رہے۔ لیکن کسی حال میں بھی انہوں نے اسرار الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے۔ حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا، کیونکہ اس نے سر دوست کو ظاہر کر دیا۔ حضرت جنید بغدادی پر عالم سکر میں کٹھن گھڑیاں گزرتیں، لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ "ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالم غیب کے اسرار کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہہ دے"۔

شریعت کی پابندی :

حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو، اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ خود جب کبھی عالم سکر میں بے ہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کر کے پھر بے ہوش ہو جاتے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام

معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لئے ہوتے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلافِ شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھو فوائد السالکین مجلس دوم)۔

خلفاء :

حضرت قطب صاحب کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں..........

شیخ فرید الدین گنج شکر (پاک پتن)۔ شیخ بدر الدین غزنوی (دہلی)۔ شیخ برہان الدین (بلخی)۔ شیخ ضیاء الدین رومی (دہلی)۔ سلطان شمس الدین التمش (بادشاہِ دہلی)۔ شیخ بابا سنجری بحر دریا (دہلی)۔ مولانا فخر الدین حلوائی۔ شیخ احمد تمامی۔ شیخ حسین۔ شیخ فیروز، شیخ بدر الدین موتاب برادر شیخ شاہی موتاب (دہلی)۔ شاہ خضر قلندر، شیخ نجم الدین قلندر۔ خواجہ پیرو۔ شیخ سعد الدین، شیخ محمود بہاری، مولانا محمد جاجزی۔ سلطان نصیر الدین غازی، قاضی حمید الدین ناگوری (دہلی)۔ مولانا شیخ محمد، مولانا برہان الدین حلوائی......، مولانا خضر مبین، مولانا سید، شیخ صوفی بدھنی، شیخ جلال الدین ابوالقاسم تبریزی، شیخ نظام الدین ابو الموید (دہلی)۔ و شیخ تاج الدین منور اوشی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۲۷۴)۔

ان خلفاء نے مختلف مقامات میں رشد و ہدایت کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر عوام، خواص کی مذہبی اور اخلاقی حالت سنوارنے کی کوشش کی، ان میں سے حضرت جلال الدین تبریزی بنگال کی طرف گئے، جہاں انہوں نے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو حلقہ بگوش اسلام کیا، ایک مسجد تعمیر کرائی، اور ایک خانقاہ میں فروکش ہو کر خلق اللہ کی روحانی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، اور اسی سرزمین میں ان کی ابدی خواب گاہ ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۸۲)۔

اولاد :

آخر عمر میں ازدواجی زندگی پھر سے شروع کی دو صاحبزادے جڑواں پیدا ہوئے تھے بڑے کا نام شیخ احمد اور چھوٹے کا شیخ محمد تھا۔ مؤخر الذکر کا انتقال سات سال کی عمر میں ہو گیا تھا جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ بڑے صاحبزادے کی قبر حضرت خواجہ کے مزار کے برابر ہے۔ ''خیر المجالس'' کی روایت ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کا کی عِلیہ الرحمۃ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ ان کی وفات کے بعد ان کے حرم محترم سے نکاح کر لیں لیکن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ نے مرشد کے احترام میں ایسا نہ کیا۔ (ماخوذ از بزم صوفیہ، ترمیم و اضافے کے ساتھ)۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی والقاب :

اسم گرامی محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیاء تھے۔

نسب نامہ :

سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلمی بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی نقی ابن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ۔

ان کے دادا سید علی اور نانا سید عرب ہم جد تھے۔

پیدائش :

حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، پھر وہاں سے بدایواں میں سکونت پذیر ہوا۔ اور اسی شہر میں ماہِ صفر ۶۳۴ھ میں حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم :

جب پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس لئے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی جو بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں، ان کی

بزرگی اور کرامت کے واقعات سیر الاولیاء (مؤلفہ سید محمد مبارک امیر خورد) میں درج ہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم بدایواں میں ہوائی، یہیں مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، جنہوں نے دستارِ فضیلت باندھنے کی تقریب میں علماء ومشائخ کو مدعو کیا دستارِ فضیلت باندھتے وقت بعض بزرگوں نے یہ پیشینگوئی کی کہ اس لڑکے کا سر کسی انسان کے آگے خم نہیں ہوگا۔

(سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس صفحہ ۱۱۶)۔

مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی گئے، جو اس وقت علماء وفضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل وکمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین دامغانی رحمۃ اللہ علیہ بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بے حد قدر دان تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب دیا اور مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شمساد کنوں بکامِ دل دوستاں شدی
مستوفی ممالک ہندوستان شدی

(سیر العارفین صفحہ ۱۵۲)۔

اس عہدہ سے پہلے درس وتدریس کے لئے مشہور تھے۔ اس لئے حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ اور عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔

چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبدالباقی اور حضرت شیخ نظام الدین کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین دامغانی کا کوئی

شاگرد جب درس سے غائب ہوتا اور جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، بتادو تا کہ میں پھر وہی قصور کروں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہوسکو۔ لیکن جب حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ناغہ ہوجاتا اور وہ استاد کی خدمت میں پہنچتے تو ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے............

بارے کم ازانکہ گاہ گاہے
آئی وبما کنی نگاہے

(سیر العارفین صفحہ ۱۱۶)۔

حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شمس الدین سے حریری کے چالیس مقامے پڑھنے کے بعد مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا، مولانا کمال الدین اپنے عہد کے جید عالم اور بڑے متقی اور متدین بزرگ تھے، سلطان بلبن نے ان کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سن کر اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں قبول ہوں۔ لیکن مولانا کمال الدین نے بڑی بے نیازی سے سلطان کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں، آپ اس کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں، سلطان اس جواب کو سن کر خاموش ہوگیا، اور معذرت کر کے مولانا کو واپس کیا۔

شیخ نظام الدین نے انہی سے حدیث پڑھی اور اس علم میں بڑا پایہ حاصل کیا۔ حافظ کلام پاک بھی تھے، تحصیل علوم وفنون کا شغل برابر جاری رکھا۔ اپنے مرشد حضرت شیخ العالم بابا گنج شکر سے عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی پڑھی۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۰ تا ۱۲)۔

چنانچہ ان کا شمار متبحر علماء میں بھی ہوتا تھا، ان کے مریدان کے علمی تبحر سے بھی استفادہ کرتے تھے، اسی لئے ان کی خانقاہ میں رشد وہدایت کے ساتھ درس وتدریس کا

بھی سلسلہ رہتا تھا۔ اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے ان کے مرشد کی بھی ہدایت تھی۔

تلاش مرشد :

حضرت شیخ نظام الدین دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ اس سے قریب ہی بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کا مکان تھا، جو ظاہری وباطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں حضرت شیخ نظام الدین کے دل میں بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے صبح کے وقت مؤذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ "اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ"۔ (الحدید (۲)) "کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں"۔

اس کو سن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے اور جب اجودھن پہنچے تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا............

اے آتش فراقت دلہا کباب کرد
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کرد

اور اسی وقت کلاہ چہارترکی سر سے اتار کر اپنے مرید کے سر پر رکھ دی۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۰۶، تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۲ وخزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صفحہ ۳۲۹)۔

حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر دستگیر کی صحبت میں ۱۵ر رجب المرجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم وتربیت پاتے رہے، بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں گزرتی تھی، مولانا بدر الدین اسحاق لنگر خانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل

جا کر ویلہ لایا کرتے یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے۔ حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے، اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ویلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، ویلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسر ہوتا اور کبھی نہیں جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا۔

ایک روز نمک نہ تھا، حضرت شیخ نظام الدین نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا، اور ویلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدر الدین اسحاق، شیخ جمال الدین ہانسوی، اور حضرت شیخ نظام الدین ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے فرمایا کہ ''ازیں بوئے اسراف می آید'' اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے؟ حضرت شیخ نظام الدین نے لرزہ براندام ہو کر عرض کیا قرض ہے۔ بابا گنج شکر نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بُعد المشرقین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی۔ یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خود بیان ہے کہ اسی وقت انہوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ واستغفار کی، مرید کی اس توبہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر بیٹھے تھے، اس کو عطا کر کے ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ آئندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ اور جب شیخ نظام الدین دہلی واپس ہونے لگے تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی۔ ایک یہ کہ کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا۔

چنانچہ جب حضرت نظام الدین دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہنچے جس سے انہوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی اور وہ گم ہو گئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کر کے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کروں گا، وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ کتاب مذکور حضرت نظام الدین کو بخش دی۔

وہاں سے حضرت نظام الدین ایک بزاز کے پاس آئے جس سے کسی وقت بیس ٹنکے کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس ٹنکے دے کر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس ٹنکے تو لے لئے اور بقیہ دس حضرت نظام الدین کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کی وجہ سے معاف کر دیئے۔ (مونس الارواح وسیر العارفین صفحہ ۱۱۹، ۱۲۱؛ ومراۃ الاسرار)۔

دہلی سے کئی بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اجودھن تشریف لے گئے۔ ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر۔ یہ دعا قبول ہوئی اسی لئے وہ محبوب الٰہی کہلائے۔ (سیر العارفین صفحہ ۱۲۱)۔ آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصول استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔

بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو محبوب الٰہی اجودھن میں نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدر الدین اسحاق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا بابا گنج شکر کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء میں تاج الاولیاء علاء الدین صابری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، بابا فرید الدین گنج شکر فرمایا کرتے تھے کہ........

''علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء بداؤنی رسید وعلم دل من بہ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ''۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۷۸)۔

فقر و فاقہ :

پہلی دفعہ جب اجودھن سے حضرت محبوب الٰہی دہلی تشرف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پرسکون جگہ نہ ملی۔ ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلامِ پاک حفظ کر رہے تھے، اس لئے جب شہر میں یکسوئی نہ ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خان کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا مرکز ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں کے قیام سے ایمان میں سلامتی اور عبادت میں استقامت پیدا نہیں ہو سکتی ہے، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہی دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث الدین پور میں آ کر مقیم ہوئے، شروع میں یہاں کے قیام کے زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک من خربوزے دو چیتل کو ملتے تھے، لیکن ساری فصل گزر گئی مگر میں ایک پھل بھی نہ چکھ سکا۔ اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا۔

اس زمانہ میں ایک چیتل میں دو سیر آٹا ملتا تھا، پھر بھی حضرت محبوب الٰہی کے پاس اتنے دام نہ ہوتے تھے کہ روٹی کے لئے آٹا خرید سکیں، کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا، ایک بار مسلسل تین روز کا فاقہ ہو گیا تو کسی نے دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا تو ایک شخص خشک کھچڑی دے کر غائب ہو گیا، حضرت محبوب الٰہی نے گرسنگی کی شدت میں اس کھچڑی کو کھا لیا، اور اس کو کہا کہ جو لذت محسوس کی اس کا ذکر آئندہ بار بار فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ پھر کسی کھانے میں ایسی حلاوت محسوس نہیں ہوئی، جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ خداوند تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوب الٰہی کو اس جملہ سے بڑی لذت ملتی، اور جب ان کے گھر میں آذوقہ ہوتا تو وہ افسوس کرتے کہ ان کی والدہ ماجدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ

تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی کی عسرت کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ملی تو ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ حکم دیں تو ان کی خدمت گزاروں کے لئے کچھ گاؤں نذر کئے جائیں، مگر حضرت محبوب الٰہی کے فاقہ مست جاں نثاروں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں ہم کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں، لیکن یہ گاؤں قبول کر لئے گئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے۔ یہ جواب سن کر حضرت محبوب الٰہی بے حد محظوظ ہوئے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۳)۔

اسی زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ ہوئے ان کی خدمت میں رہتے تھے، ایک روز چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا۔ پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو حضرت محبوب الٰہی سے بیعت بھی تھیں، کچھ آٹا بھیجا۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ فالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک دلق پوش درویش آ پہنچا۔ اور کچھ کھانے کو مانگا۔ محبوب الٰہی نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا.........

"شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن، شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری او بشکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی"۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۳)۔

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں.........

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے

زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا، ایک بار ایک امیر سو تنکہ زر نذر کو لایا۔ آپ نے قبول نہ فرمائی، جب دیکھا کہ بہت رنجیدہ ہوتا ہے تو اس میں سے ایک تنکہ قبول کیا، باقی وہ پاس لئے ہوئے غمناک بیٹھا رہا، دل میں کہتا تھا کہ اگر حضرت شیخ سب قبول فرماویں تو میری سعادت ہے، شیخ نے فرمایا کہ میں نے یہ سب اس لئے قبول نہیں کئے کہ تیرے کام آویں گے۔ لے جا میرے پاس اور مال ہے۔ پھر اسے کہا الٹی طرف دیکھ اس نے نظر کی تو دیکھا تو انبار اشرفیوں کا لگا ہوا ہے، سر قدموں پر رکھ کر جانے کو اٹھا آپ نے اسے منع کیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسے اوروں سے مت کہنا، وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا، باہر آکر یہ حال لوگوں سے بیان کر دیا''۔ (خیر المجالس اردو ترجمہ صفحہ ۲۰۲، ترجمہ کی عبارت ہو بہو نقل کر دی گئی ہے)۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۱، وسیر العارفین صفحہ ۱۲۵)۔

خلوت در انجمن :

اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلو کھڑی میں ایک محل بنوایا۔ اور ایک شہر آباد کیا۔ جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لئے لوگوں کے ہجوم سے حضرت محبوب الٰہی کی طبیعت گھبرانے لگی اور کہیں دوسری طرف چلے جانے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے.........

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی بود
امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود
دو گوشہ نشست نمی دار و سود

اور کہا.........

''اول مشہور نمی بایستی شد، ایں کس مشہور شد، چناں سعی کند کہ در روز قیامت از روئے رسول اللہ ﷺ شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است، اما مردانگی و کار مردی آں است کہ خلوت در انجمن باشد و باوجود انبوہ خلق در مشغولی ظلم نیفتد''۔ سیر الاولیاء، صفحہ ۱۱۱ و سیر العارفین صفحہ ۱۲۵)۔

امراء کی آمد و رفت :

یہ سن کر غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی ان کے یہاں شروع ہوئی، اور وہ تربیت پا کر مستفیض ہوتے رہے۔ سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ.........

''اکثر وہ متمول رؤسا جو مائل بہ فسق و فجور تھے، شیخ کی خدمت میں افعال زشت سے تائب ہو کر وہیں رہنے لگے''۔ (سیر العارفین صفحہ ۱۲۳)۔

امیر خسرو :

امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچیں بھی حضرت محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور دونوں کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انہوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی، کل آٹھ سال کی تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا کہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ

''اے ترک من از وجود خود بر نجم لیکن از تو تر نجم''۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۴۰ جلد اول مونس الارواح میں یہ الفاظ اس طرح ہیں ''تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم'')۔

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہوگئی کہ

جب لباس زیب تن کرتے تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہیں کہ..........

''روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من پرسند خواہم گفت کہ سوز سینہ ایں ترک اللہ''۔ (سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۰)۔

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے۔ امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر مرشد کو پسند آ جاتا، اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کئے ہیں..........

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست
ملک است کہ ملک سخن خسرو راست
ایں خسرو ما است ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ما ست

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہی کے پاس آ کر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی۔ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح میں آئے گا تم کو دیدیا جائے گا۔ لیکن اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہیں آئی، فرمایا کل کی فتوح تمہاری نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہیں آئی۔ بالآخر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاؤں کی جوتیاں دے کر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے

ساتھ کہیں گئے تھے راستہ میں ملے، اور درویش سے مرشد کی خیریت پوچھی، جب درویش باتیں کرنے لگا تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا..........

''مرا از تو بوئے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری''۔

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کئے تھے۔ یہ پوری رقم درویش کو دے کر مرشد کے نعلین خرید لئے اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی..........

''درویش برہمیں اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض ایں کفش طلب می کرد حاضر می کردم''۔ (خزینۃ الاصفیا صفحہ ۳۴۱ و سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۷۰)۔

محبوب الٰہی کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ..........

''او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم''۔

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ..........

''امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چوں رحلت کند پہلوئے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہنم''۔

(تاریخ فرشتہ، جلد ۲ صفحہ ۴۰۳)۔

امیر خسرو مرشد کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے۔ محبوب الٰہی کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے۔ دہلی پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی اپنے محبوب سے جا ملے یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی ساری

ملکیت مرشد کے ایصالِ ثواب کے لئے فقراء ومساکین پر لٹادی اور ماتمی لباس پہن کر مزار پرانوار پر پہنچ گئے، اس سے سرٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ............

''سبحان اللہ آفتاب درزیر زمین وخسرو زندہ''۔

(سفینۃ الاولیاء صفحہ ۹۷ ومونس الارواح)۔

اور یہ کہہ کر بے ہوش ہوگئے۔ اور اسی اندوہ وغم میں چھ مہینے کے بعد عالم بقا کو سدھارے لیکن وفات کے بعد مرشد کے پہلو میں دفن نہ کئے جا سکے۔ فرشتہ کا بیان ہے............

''چوں امیر خسرو فوت شد خواستند کہ بموجب وصیت پہلوئے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت ومرید شیخ بود مانع شد کہ بعضے مریدان شیخ وامیر خسرو مشتبہ خواہد شد، پس اورا در پایان شیخ بر چبوترہ یاراں مدفون ساختند''۔ (تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۳)۔

دربارِ شاہی سے بے نیازی:

حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی، اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں فرمایا، سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت محبوب الٰہی کے شرف ملاقات کی بڑی تمنا تھی، لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی، امیر خسرو ان کے دربار سے متعلق تھے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ ان کی خدمت میں سلطان کو لے جائیں گے۔ سلطان خوش تھا کہ اسی طرح نیاز حاصل ہو جائے گا، امیر خسرو نے اپنے ولی نعمت سے وعدہ کرنے کو تو کرلیا، لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں مرشد کو یہ ناگوار نہ ہو۔

سلطان جلال الدین نے امیر خسرو سے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کے لئے کہا تھا، مگر سلطان کے ایماء کے خلاف انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان آنا چاہتے ہیں، محبوب الٰہی اسی وقت شہر چھوڑ کر اپنے مرشد سے ملنے اجودھن

روانہ ہوگئے۔ سلطان جلال الدین خلجی کو خبر ملی تو امیر خسرو سے باز پرس کی کہ یہ راز کیوں فاش کیا، امیر خسرو نے عرض کیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوئے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے، لیکن مرشد آزردہ ہوئے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا، سلطان جلال الدین خلجی کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۵)۔

خلجی دربار کے امراء میں محمد کاشف حاجب اور ملک قرابیگ ترک بھی حضرت محبوب الٰہی کے معتقدین میں تھے، ایک بار کاشف علاء الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار نقئی ٹنکے نذر لایا یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا جب محبوب الٰہی رشد وہدایت کے سلسلے میں کسی عقدہ کے حل کرنے کے وعدہ کا ایفا کرنے والے تھے، رقم دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں، مریدوں نے عرض کی............

''وفائے عہد بہتر از ہشت بہشت ست، چہ جائے کہ پنجاہ ہزار تنکہ''۔

(فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴، وسیر العارفین صفحہ ۱۳۴)۔

سلطان علاؤ الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا، تو کچھ دنوں تک سلطان کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی، حالت اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیج کر محبوب الٰہی کی خدمت میں یہ پیام کہلایا............

''شمارا غم اسلام بیش از من ست، اگر بمیامن نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شدہ باشد اشارہ نمایند کہ خاطر از نرسیدن خبر لشکر گراں ست''۔

(فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۳۱)۔

محبوب الٰہی نے بشارت دی............

''ورائے ایں فتح فتحائے دیگر متوقع ست''۔

(فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۳۱)۔

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی، سلطان علاء الدین نے خوشی میں سلطان

الاولیاء کی خانقاہ کے لئے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرا بیگ اشرفیاں لے کر پہنچا، اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ''الہدایا مشترک'' (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ''تنہا خوشترک'' (یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالے کردیں۔ (سیر العارفین صفحہ ۱۴۳)۔

ملک قرا بیگ کو علاء الدین نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ محبوب الٰہی کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو لکھ لیا کرے، اور آکر سنایا کرے، مراۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاء الدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی۔ (مونس الارواح، سیر العارفین صفحہ ۳۶، ۳۵ و مراۃ الاسرار)۔

ایک بار محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد آیا.........

بیش منما جمالِ جاں افروز
درنمودی برو سپند بسوز
آں جمال تو چیست ہستی تو
داں سپند تو چیست مستی تو

حسب معمول قرا بیگ ان کو لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرا بیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا ''اس حسن عقیدت کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے، جو تعجب کا باعث ہے''۔ سلطان نے جواب دیا

''اے قرا بیگ ترک ما بادشاہیم از سرتاپا آلودہ دنیا و بدیں آلودگی شرم می آدرم کہ آں چناں پاکی را بہ بینم''۔

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خان اور شادی خان کو محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے کے لئے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا۔ دونوں مرید

ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، خضر خان ہی نے خانقاہ کی عمارت بنوائی ہے۔ (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴ و سیر العارفین صفحہ ۱۳۶)۔

خضر خان محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں آچکا تو تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ.......

''ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں امورِ سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں، جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں اور دین و دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے، تو ہم کو چاہیے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت میں پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں، تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے مطلع فرمائیں، اس لئے چند فصلیں اس باب میں شیخ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں، ان میں جو اچھی باتیں ہوں ان کے نیچے لکھ دیں، تاکہ ہم ان پر عمل کریں، اس کاغذ کو خضر خان کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکوں میں زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت میں بھیجا، جب خضر خان نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ میں دیا، تو انہوں نے اس کو نہیں پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہوں کے کام سے کیا مطلب.......

میں ایک فقیر ہوں اور شہر سے الگ ایک گوشہ میں رہتا ہوں اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں، اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا کہ تو میں اس جگہ سے بھی چلا جاؤں گا۔ خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاء الدین کو پہنچی تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ

اگر قبول فرمائیں تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں، شیخ نے فرمایا کہ آنے
کی ضرورت نہیں میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں، اور غائبانہ دعا اثر رکھتی
ہے، سلطان علاء الدین نے ملاقات کے لئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا
بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں، اگر بادشاہ ایک دروازہ
سے تشریف لائیں گے، تو میں دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤں گا''۔
(اخبار الاخیار صفحہ ۵۶،۵۵ نیز دیکھو سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۲،۱۳۳)۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کی ایک نئی تصویر :

اوپر کی سطروں سے سلطان علاؤ الدین خلجی کو محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے جو عقیدت
تھی اس کا اندازہ ناظرین کو ہوا ہوگا، موجودہ دور کی تاریخوں میں سلطان علاؤ الدین خلجی
کی بہت ہی بھیانک تصویر کھینچی گئی ہے لیکن اولیاء اللہ اس کو کن نظروں سے دیکھا کرتے
تھے، اس کا ذکر شاید یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد
حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک بار علاؤ الدین خلجی کا ذکر آیا تو
حضرت چراغ دہلی نے فرمایا کہ ملک التجار قاضی حمید الدین جب اودھ آئے تو ایک
دعوت میں مجھ کو بھی بلایا، دعوت کے بعد جب تمام رخصت ہو گئے تو میں تنہا رہ گیا،
اثنائے گفتگو میں قاضی حمید الدین نے کہا کہ ایک بار میں نے علاء الدین کو پلنگ پر
برہنہ سر پاؤں زمین پر لٹکائے ہوئے بیٹھا دیکھا جو فکر میں غرق اور مبہوت تھا، میں
سامنے پہنچا تو بادشاہ کو بالکل خبر نہیں ہوئی۔

میں نے باہر آکر ملک فرید بک سے کہا کہ آج بادشاہ کو میں نے اس حال میں
دیکھا ہے، تم بھی چل کر دیکھو، میرے ساتھ وہ اندر گیا تو بادشاہ کو باتوں میں لگایا، پھر
عرض کیا، امیر المومنین! حکم ہو تو کچھ بیان کروں؟۔ بادشاہ نے اجازت دی تو میں (یعنی
قاضی حمید الدین) آگے بڑھا اور عرض کیا کہ میں اندر آیا تو دیکھا کہ حضور برہنہ
سر پریشان حال اور فکر مند ہیں۔ آپ کو کس بات کی فکر ہے؟، بادشاہ نے کہا سنو! مجھ کو

چند روز سے یہ فکر ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا حاکم بنایا ہے، اب کچھ ایسا کام
کرنا چاہیے کہ مجھ سے تمام مخلوق کو نفع پہنچے، سوچا کیا کروں؟۔ اگر اپنا خزانہ تقسیم کردوں تو
بھی مخلوق کو نفع نہ ہوگا، اب ایک بات یہ سوچی ہے کہ غلہ کی ارزانی کی تدبیر کروں، اس
سے مخلوق کو ضرور فائدہ پہنچے گا، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ بنجاروں کے نائیکوں کو حکم دوں
کہ وہ حاضر ہوں، اور وہ جو غلہ اطراف ملک سے ہزاروں بیلوں پر لاتے ہیں، اس کی
قیمت اپنے خزانے سے ادا کروں، اور ان کو خانگی خرچ کے لئے علیحدہ سے روپے دوں،
تاکہ وہ بے فکر رہیں۔ اور اطرافِ ملک سے غلہ لاکر میرے نرخ مقررہ کے مطابق
فروخت کریں۔

قاضی حمید الدین نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ غرض یہی بات کی گئی، شاہی
فرمان جاری ہوئے، خلعت، خرچ اور قیمت شاہی خزانے سے ادا کی گئی، اور غلہ بکثرت
آنے لگا۔ چند روز کے بعد گیہوں سات چیتل من بکنا شروع ہوا، گھی، شکر اور دوسری
چیزیں بھی ارزاں ہوئیں، اور تمام لوگ آسودہ رہنے لگے۔ یہ قصہ بیان کر کے حضرت
چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلطان علاء الدین خلجی عجیب غریب پرور اور خدا ترس
بادشاہ تھا۔

محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات :

علاء الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے
ملک میں عام انقلاب پیدا ہوا، اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں
کھینچی ہے۔ اسمیں پہلے تو بعض اور مشائخ کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ
کی نظر کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام میں جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا
ہوئیں ان کی تفصیل یہ ہے..........

'' سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادہ تصوف شیخ الاسلام
نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، اور شیخ الاسلام رکن

الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے آراستہ تھا، ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاریوں سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز ہوگئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہوگئی اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہوگیا، اور دنیا کی حرص ومحبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک وتجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہوگئی اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشف وکرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات ومعاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی، اور ان کے مکارمِ اخلاق ومجاہدہ وریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق ومجاہدہ وریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی۔

اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہوگئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط ووبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا فرو ہوا اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتے تھے۔ اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں۔ اور احکام شریعت وطریقت سے جو رونق ورواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا

جو سلطان علاؤ الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک طرف سے سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق وفجور کے اسباب کو قہر وغلبہ تعزیر وتشدد اور قید وبند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لئے کبر مفاخرت غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے۔ اور عبادت گزاروں کے لئے نسیان وفراموشی کا باعث ہے۔

سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے والی سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں رکھتا تھا۔

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے اور خاص وعام، غریب ودولت مند، بادشاہ وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی تو پھر از سر نو بیعت کرلیتے تھے۔ اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری وباطنی برائیوں سے روک دیتی تھی۔ اور عام طور پر لوگ تقلید و

اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے۔

مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت واشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈال دیئے تھے۔ کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے۔

چٹائیاں بچھوادی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا۔

ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھی، کہ نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں؟۔

پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں؟ اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں؟ اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں، اور شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ روزے نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے۔

اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے۔

کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے۔ اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہیں ہوتا تھا۔ اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی، اور باہم گریہ و زاری نہیں کرتے تھے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے۔

وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان المبارک، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے تھے، شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گزارتے تھے۔ بعض عبادت گزار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے۔

شیخ کے مبارک وجود ان کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔

مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت، جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔

قوۃ القلوب، احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد میر حسن سنجری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔

زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنید اور شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مثل پیدا کیا تھا''۔ (تاریخ فروز

شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۴۶-۳۴۱)۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الدین خلجی:

سلطان علاء الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خان اور شادی خان کو قتل کر کے تخت نشیں ہوا، خضر اور شادی خان محبوب الٰہی کے خاص اور عزیز مریدوں میں تھے، اس لئے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہو گیا، اور پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل ہو گئی، اور مصلحۃً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہو گیا، اور حضرت محبوب الٰہی کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کر دیا۔

اس وقت محبوب الٰہی کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار تنکہ تھا۔ درویشوں اور مسکینوں کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امرا نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں جو خانقاہ میں آیا جایا کرتے ہیں۔ اس لئے قطب الدین نے خانقاہ میں امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا۔ اور سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک بار سلطان قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ تمہاری فتوحات قبول نہیں کرتے، اور امراء اور سرداروں کے لائے ہوئے فتوحات قبول کر لیتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح جان کر حکم دیا کہ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جانے پائیں گے وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے، مجھ سے آکر اطلاع کریں، جناب شیخ نے جب یہ سنا فرمایا کھانا آج سے زیادہ

پکایا جائے، ایک مدت کے بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ
شیخ کا کیا حال ہے؟۔ انہوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا، اب اس
سے دوگنا پکتا ہے، بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا، کہا میں غلطی پر تھا، ان کا معاملہ
غیب سے ہے‘‘۔ (خیر المجالس اردو ترجمہ صفحہ ۲۰۲،۲۰۳)۔

پھر بھی قطب الدین کی پرخاش بڑھتی گئی اور اس نے محبوب الٰہی کو اپنے دربار
میں حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کا جواب دیا.........

’’من مرد منزویم جائے نمی روم، نیز رسم و عادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدہ
بزرگان ما نبود کہ بدیواں روند، و مصاحب پادشاہاں شوند دریں باب معذور دو
ارید و بحال خود بگذارید‘‘۔

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہیں کیا، اور حکم دیا کہ ہفتہ میں دوبار
دربار میں آیا کریں، محبوب الٰہی نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس پیام کہلا
بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر
اس پیام کے پہنچنے سے پہلے ضیاء الدین رومی کا انتقال ہوگیا، اور ان کی فاتحہ خوانی کے
لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے۔

محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مجلس میں شرکت کی، جس وقت وہ تشریف
لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کو
سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین انؒ کو سرآنکھوں پر
بٹھا رہے ہیں۔ اس سے اس کی حسد اور بھی بڑھ گئی، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک
محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم
جاری کیا۔ شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے
اکابر یہ محضر لے کر محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور گزارش کی کہ
بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب

الٰہی رحمۃ اللہ علیہ) دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہی نے یہ کہہ کر ان
کو رخصت کیا کہ.........

’’بہ بینم چہ بظہور پیوندد‘‘۔

انہوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا کہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دربار میں
آنے کے لئے راضی ہوگئے ہیں وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کرلی ہے،
لیکن قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے
فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کروں گا۔ اس سے مریدوں میں
بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی کہ سلطان الاولیاء اور سلطانِ دہلی کے تصادم سے
ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی، مگر محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو کشف ہوچکا تھا کہ وہ نہ دربار
جائیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب
الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خان کے ہاتھوں وہ قتل
ہوا۔

خسرو خان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے
ملک میں روپے تقسیم کئے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپئے بھجوائے، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ
کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہنچے، انہوں نے اسی وقت ساری رقم فقراء میں تقسیم کردی،
چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خان کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن
لوگوں کو خسرو نے روپے دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق رحمۃ اللہ علیہ نے واپس مانگے،
اس حکم پر دوسرے مشائخ نے روپے واپس کردیئے، لیکن محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی
طرف کوئی توجہ نہ کی۔

بعض تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق
۷۲۵ھ میں بنگالہ کی مہم سے واپس آرہا تھا تو اس نے محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ پیام
لکھ بھیجا.........

''وقتیکہ مادر دہلی بیا نیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد و جائے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند''۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۳۷، طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۱۹۸ میں پیام کے الفاظ یہ ہیں چوں من بدہلی برسم شیخ از شہر بدرود، فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۸ میں ہے، تا آمد من بدہلی نباید بود، بعد ازیں از غیاث پور رود)۔

اس پیام کو پڑھ کر محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ کی زبان سے صرف یہ نکلا......

''ہنوز دہلی دور است''......

چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی، جس کے نیچے دب کر جاں بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے۔ (منتخب التواریخ میں اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے کہ ''درمیان اہل ہند مشہور است''، جلد ا صفحہ ۲۲۵)۔

جس کا شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہیؒ کے خلفاء میں تھے اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان کی دین پروری دین پناہی، حق گزاری، حق شناسی، عبادت گزاری، نیک نفسی، انصاف پرستی اور شریعت پسندی کا ذکر بار بار بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔ غیاث الدین کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہی کا معتقد رہا لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔

مجاہدہ وریاضت:

حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ کے مرشد بابا گنج شکر علیہ الرحمۃ نے ان کو ایک موقع پر نصیحت فرمائی تھی کہ......

''ہمیشہ مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا مناسب نہیں، اس راہ میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، نماز اور حج سے بقیہ نصف راہ طے ہوتی ہے''۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۲)۔

اور جب خلافت عطا کی تو چند تحریری ہدایتیں کیں، جن کا خلاصہ یہ ہے......

''شاگردوں کو تعلیم دیں، خطا تصحیف سے بچتے رہیں، لغزشوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش کریں جو کچھ مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے اس کی روایت کریں، ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو، خلوت میں اپنے نفس کو کمزور، ست اور خلق کو معدوم سمجھیں، دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر دیں، خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہو، اس خلوت میں جب نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تو چھوٹے چھوٹے مجاہدات اختیار کئے جائیں اور نفس غلبہ کرے تو تھوڑی سی نیند سے اس کو راضی کر لیں اور خلوت سے اپنا پورا حصہ لے لیں، تو حکمت کا چشمہ جاری کریں اور جو شخص ان کے پاس پہنچے تو اس کو نعمت سے سرفراز کریں''۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۷)۔

اور حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ نے اپنے مرشد کی ان ہدایات پر برابر عمل کیا، سیر الاولیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوانی میں تیس سال تک بڑے سخت مجاہدے کئے، پھر جوانی کے بعد بقیہ زندگی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گزاری، تمام عمر صائم الدہر رہے دن رات میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے اور خانقاہ میں کوٹھے پر ان کا قیام رہتا تھا، مگر اسی ۸۰ سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر نماز باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا یہ معمول تھا کہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد جماعت خانہ میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ فرماتے، اس وقت تمام علماء، صلحاء اور صوفیہ کا اجتماع ہوتا اور وہ سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے، اس اثناء میں شہر سے غرباء و مساکین آتے

رہتے، ان کو پیسے غلے اور تحفے دیے جاتے، حکم تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غربا میں روز تقسیم کردی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے، ظہر کی نماز سے پہلے کچھ قیلولہ فرماتے۔ ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش آیا، خانقاہ میں کوئی چیز نہ تھی۔ خدام نے اس کو واپس کردیا، اسی وقت حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مرشد تشریف لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک درویش آیا اور خستہ دل واپس گیا۔ اگر کچھ دینے کو نہ تھا تو کم از کم حسن رعایت تو تھا، آنکھ کھلی تو خدام سے مرشد کی تنبیہ کا ذکر کیا، اور حکم دیا کہ آئندہ اگر کوئی درویش آئے تو قیلولہ کے وقت بھی ان کو خبر کردی جائے۔

ظہر کی نماز کے بعد پھر مجلس ہوتی اور اس مجلس میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر علمی نکات بڑی گہرائی سے بیان فرماتے، تفسیر کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا، حاضرین سر جھکائے بیٹھے رہتے کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ ہوتی، ہر شخص سر جھکائے سنتا رہتا اور سنتے وقت محسوس کرتا کہ وہ الہامی باتیں سن رہا ہے، عصر کی نماز کے بعد حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کوٹھے پر تشریف لے جاتے، اور مغرب کے وقت پھر نیچے آتے، روزہ افطار فرماتے، مغرب کی نماز پڑھ کر کوٹھے پر واپس جاتے اور اس وقت ایک مجلس ہوتی، اور حاضرین کو خشک و تر میوے اور لطیف ولذیذ مشروبات پیش کئے جاتے، عشا کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے آتے، اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے، اس وقت صرف امیر خسرو آتے اور کچھ حکایتیں سناتے، جن کو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ لطف ولذت کے ساتھ سنتے، کبھی کبھی اعزہ واقارب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو خادم وضو کا پانی لاکر رکھتا، اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر خود دروازہ بند کردیتے، پھر حجرہ کی تنہائی میں کیا ہوتا، یہ کسی کو خبر نہ ہوتی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور تمام رات ان پر غیر معمولی کیف و مستی اور بیخودی و وارفتگی طاری

رہتی جس کا اظہار حسب ذیل اشعار سے ہوتا تھا، جو کبھی کبھی دن کے وقت ان کی زبان مبارک سے سنے جاتے۔

عشقے ز تو دارم اے شمع چہ گل
دل داند ومن دانم ومن دانم ودل
بارے بتماشائے من وشمع بیا
کز من دمکے نماند واز وے دودے

قطعہ

تنہا منم و شب و چراغے
مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش ز آہِ سر و بکشم
گاہ از تفِ سینہ بر فروزم

صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لاکر پیش کرتا، کچھ نوش جان فرمالیتے بقیہ تقسیم کردینے کو حکم دیتے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۰)۔

صبح ہوتی تو شغل باطن سے آنکھیں سرخ رہتیں، انہی خمار آلود آنکھوں کی کیفیت پر امیر نے یہ شعر کہا تھا.........

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

(اخبار الاخیار صفحہ ۵۵)۔

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نہنگ دریائے وحدت "پلنگ بیدائے محبت ومعرفت"، مسند نشین سپہر صدق وصفا، (سیر العارفین صفحہ ۱۱۵)۔ ملک الاتقیاء، نقادۂ مشائخ عظام، اور عارف معارف ربانی کہلاتے تھے۔ (مونس الارواح)۔

خود فرماتے تھے کہ ہر وجود دو عدم کے بیچ میں ہے یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہوگا۔ ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کر کے تعطل اور غفلت میں کیوں گزارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہے۔

(فوائد الفواد صفحہ ۴۲)۔

خلق اللہ کی محبت :

مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار کسی مجلس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اہل و عیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لئے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہیں ہوتا ہوگا یہ سن کر شیخ شرف الدین حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو نقل کرنا ہی چاہتے تھے کہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی فرمایا.........

”بابا شرف الدین! جو رنج و غم میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے اسے سن کر اس سے دو چند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے جس کی شرح میں نہیں کر سکتا، معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں جو اپنے دینی بھائیوں کا غم والم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں، ان پر بڑا تعجب ہے“۔

چنانچہ خدا کی مخلوق کو اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا، اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گزشتہ اقتباسات سے ہوا ہوگا، معمولی مثال یہ ہے کہ صوم الدھر کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اس وقت بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ

سن کر روتے اور فرماتے کہ..........

”چندیں مسکیناں و درویشاں در کنج ہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند، ایں طعام در حلق من چہ گونہ فرو رود“۔

(سیر الاولیا صفحہ ۱۲۸، اخبار الاخیار صفحہ ۵۴)۔

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا۔

جود و سخا :

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لئے لوبیا خریدی اور اس کو جوش دے کر ان کی خدمت میں پیش کیا، اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا، انہوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی، نمک بھی خوب ڈالا، خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں ستر من نمک خرچ ہوا کرے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۱)۔

مرشد کی دعا سے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا، کئی ہزار فقراء اور مساکین روزانہ مطبخ میں کھانا کھاتے، پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام دن جو چیزیں خانقاہ میں آتیں شام تک تقسیم کر دی جاتیں، خانقاہ میں دنیاوی ساز و سامان جمع ہو جاتے تو ان کو دیکھ کر حضرت محبوب الٰہی پر گریہ طاری ہو جاتا، اگر کسی وقت کوئی قیمتی چیز بطور تحفہ آجاتی تو اور بھی زیادہ آہ و بکا کرتے، اور ہدایت دیتے کہ اس کو جلد از جلد تقسیم کر دیا جائے، خدام فوراً تعمیل کرتے، اور جب سارا مال تقسیم ہو کر محتاجوں کو پہنچ جاتا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا، ہر جمعہ کے دن تجرید فرماتے، تمام حجروں اور انبار خانوں کو یہاں تک خالی کراتے کہ جھاڑو دے دی جاتی، اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جاتے اور اطمینان سے نماز ادا فرماتے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۰)۔

پھر بھی خانقاہ میں غریب الوطن، مسافر یا شہر کا باشندہ جو بھی آتا محروم واپس نہ

جاتا، کپڑا نقدی تحفے تحائف جو کچھ بھی خانقاہ میں موجود ہوتا آنے جانے والوں کو دے دیا جاتا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۰)۔

ایک روز غیاث پور میں گرمی کے موسم میں آگ لگی، مکانات کو جلتے دیکھ کر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے، جب آگ بجھی تو خادم خاص کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ ان سب گھروں کو جو جل گئے ہیں گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو سبو پانی، دو تنکہ زر لے جاؤ، اور گھر والوں کو دلاسا دو، نفحات الانس میں ہے کہ ایک سوداگر ملتان کے پاس لٹ گیا۔ وہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین کی ایک سفارش لے کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پہنچا، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے خادم خاص کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہونچے اس سوداگر کے حوالہ کردو، چاشت تک بارہ ہزار تنکے آئے، یہ ساری رقم سوداگر کو دے دی گئی۔

ایک بار ایک درویش آیا، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے افطار کا وقت تھا، دستر خوان سامنے بچھا ہوا تھا، اس پر زنبیل کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے، درویش سمجھا کہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ افطار کر چکے ہیں، اور یہ ٹکڑے دستر خوان پر باقی رہ گئے ہیں اس نے وہ تمام ٹکڑے دستر خوان سے چن لئے اور ہاتھ میں لے کر چلا گیا، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا.........

"ہنوز در کار ماخیریت بسیار است کہ گرسنہ می دارند، ایں حال بعد دو فاقہ بود کہ آں درویش راز غیب رسانیدند"۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۴)۔

استغناء:

اس جود و سخا کے باوجود استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچتے کہ آہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۰)۔

ایک بار ایک عقیدت مند ملک نے دو باغ کچھ زمین اور دوسرے قسم کا ساز و

سامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا، لیکن حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قبول نہیں کیا، اور مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کرلوں تو لوگ مجھ کو یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے، اور اپنی زمین اور باغ کا تماشا دیکھتا ہے، یہ میرے لئے بالکل مناسب نہیں، پھر اشکبار ہو کر فرمایا.........

"از خواجگان ما و مشائخان ما ہیچ کس ازیں قبول نہ کردہ است"۔

(فوائد الفواد صفحہ ۹۹)۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانہ کی عسرت و تنگی کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ہوئی تو ان کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے اور کہلایا کہ اگر حکم ہو تو ایک گاؤں خدمت گزاروں کے لئے مقرر کردوں، تاکہ وہ فارغ البالی سے آپ کی خدمت میں مصروف رہیں، لیکن حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے کہلا بھیجا کہ اس گاؤں کی ضرورت نہیں، میرا اور میرے خدمت گزاروں کا کارساز خداوند تعالیٰ ہے، لیکن جب بعض خدمت گزاروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ آپ تو اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ پانی تک نہ پیئیں، لیکن ہم لوگوں کا حال فقر و فاقہ سے نازک ہے، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شکایت کی طرف التفات نہیں کیا، اور طے کرلیا کہ اگر سب کے سب اسی وقت مجھ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو مجھے کچھ افسوس اور غم نہ ہوگا، مگر جب اپنے اور دوسرے یارانِ طریقت کو بلایا اور سلطان جلال الدین خلجی سے گاؤں قبول کرنے کے بارہ میں مشورہ کیا تو انہوں نے متفقہ طور پر گزارش کی کہ مولانا نظام الدین! ہم جو آپ کے یہاں وقت بے وقت روٹی کھالیتے ہیں تو یہی بہت غنیمت ہے، لیکن اگر آپ نے گاؤں قبول کرلیا تو اس کے بعد ہم پانی بھی نہیں پیئیں گے، اس جواب کو سن کر حضرت محبوب الٰہی خوش ہوئے، اور فرمایا الحمدللہ دین کے کاموں میں تم ہی میرے مددگار ہو، دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵)۔

بردباری :

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ پہ رونق افروز تھے کہ ایک جوالقی پہنچا، اور گالیاں دینے لگا، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے گالیوں کو خاموشی سے سنا اور برداشت کیا، مزید یہ کہ جوالقی نے جو کچھ مانگا عطا کیا، اور حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں اور چیزیں لاتے ہیں، ایسے شخص کو بھی آنا چاہیے جو مجھ کو برا بھلا کہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک موقع پر ایک شخص آیا اور مجھ سے ناگفتہ بہ باتیں کیں، میں نے اس سے کہا کہ جب تک دنیا میں ہوں مجھ سے جرم سرزد ہوگا، اور تجھ سے عفو۔

فوائد الفواد ہی میں ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کے لئے بعض لوگ نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا سننا مشکل ہے، فرمایا، جو مجھ کو برا کہتے ہیں، میں نے ان کو معاف کیا، مجھ کو برا کہنے والوں سے تکرار کرنے کی ضرورت نہیں۔

مخالفین سے حسن سلوک :

خدا کی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص جھجو نامی بلاوجہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا دشمن ہوگیا تھا۔ اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا۔ لیکن جب اس کی وفات کی خبر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کیں، اور اس سے جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کو معاف کر کے ارحم الراحمین سے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں۔ (سیر العارفین صفحہ ۱۲)۔

مولانا ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے متشرع، متقی اور دیانتدار عالم تھے، احتساب پر ایک کتاب نصاب الاحتساب بھی لکھی تھی، اسی بنا پر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع پر احتساب کرتے رہے، اور شد و مد سے ان کی مخالفت کی، لیکن

جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مولانا ضیاء الدین سنامی نے اپنی دستار حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کے پاس بچھادی، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا، جب وہ مولانا ضیاء الدین کے پاس پہنچے تو مولانا سنامی آنکھیں چار نہ کر سکے، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر باہر چلے آئے، لیکن اسی وقت خبر ملی کہ مولانا کی روح پرواز کرگئی، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے، اور فرمایا کہ ”ایک حامی شریعت تھا وہ بھی نہ رہا“۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۲)۔

مریدوں کی محبت واصلاح :

اپنے مریدوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے، حضرت امیر خسرو سے ان کو جو شیفتگی تھی وہ آج بھی ضرب المثل ہے، مگر محبت کے ساتھ مریدوں کی تربیت میں کسی قسم کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔ حضرت خواجہ غریب کی بیعت محض اس لئے فسخ کردی کہ وہ کمبل کو دو تہہ کر کہ اس پر بیٹھتے تھے، برہان الدین اس کو ان کی تن پروری اور راحت پسندی پر محمول کیا، حضرت جلال الدین اودھی اپنے زہد و ورع، ترک اور تجرید کے لحاظ سے ممتاز مریدوں میں تھے ان کے ساتھیوں نے ان سے درس و تدریس کی خواہش ظاہر کی، مرشد سے اس کی اجازت چاہی، تو مرشد نے فرمایا کہ وہ کسی اور ہی کام کے ہیں، لیکن مریدوں کی دلجوئی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ وہ سب مثل پیاز کے تہہ بہ تہہ ہو کر ایک ہی ہیں۔

خواجہ مؤید الدین کرہ سلطان علاء الدین کی شہزادگی کے زمانہ میں اس کے جانثاروں میں تھے، مگر ترک دنیا کر کے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر جبیں سائی کرنے لگے، علاء الدین جب بادشاہ ہوا تو ایک حاجب کو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج کر پیام دیا کہ خواجہ موید الدین کو رخصت کردیں تاکہ میرا کام بنائیں، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو ایک اور کام درپیش ہے اور اسی میں

کوشش کر رہے ہیں، شاہی حاجب کو یہ جواب گراں گزرا اور اس نے کہا کہ مخدوم! آپ چاہتے ہیں کہ اپنا جیسا سب کو کرلیں، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اپنا جیسا کیا میں اپنے سے بہتر کرنا چاہتا ہوں، سلطان علاؤالدین کو جب اس جواب کی اطلاع دی گئی تو وہ خاموش رہا، حضرت خواجہ شمس الدین دہاری شاہی ملازمت میں دیوان کے عہدہ پر مامور تھے، مگر اس عہدہ کو چھوڑ کر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے، اور ان کے ملفوظات کو جمع کر کے ان کر مرتب بھی کیا، ایک دن مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو آنے جانے والوں کے لئے ایک مکان بنالوں، مرشد نے فرمایا کہ یہ کام اس کام سے جس کو تم نے چھوڑا ہے کم نہیں ہے۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۲، ۱۰۱)۔

حضرت قطب الدین منور اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ایک ساتھ خلافت دی، پہلے خلافت نامہ حضرت قطب الدین منور کے ہاتھ میں دے کر دو رکعت نماز ادا کرنے کو فرمایا، اور جب وہ جماعت خانہ میں نماز ادا کر رہے تھے تو حضرت شیخ نصیر الدین کو خلعت خلافت عطا کیا، پھر حضرت شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ منور کو بلا کر فرمایا، شیخ نصیر الدین کو خلافت کی مبارکباد پیش کرو، اور جب وہ مبارکباد پیش کر چکے تو شیخ نصیر الدین سے فرمایا: اب تم قطب الدین کو خلافت کی مبارکباد دو، شیخ نصیر الدین نے مبارکباد دی، پھر دونوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں، اور جب وہ مل رہے تھے تو فرمایا تم دونوں بھائی بھائی ہو، خلافت کی تقدیم و تاخیر کو خاطر میں نہ لانا، دونوں نے اپنی زندگی میں ایسا ہی کیا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۴۹، ۲۴۸)۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں میں قاضی محی الدین کاشانی کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے، ان کو اپنے علم، حلم، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، جب حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی جاگیر کا شاہی فرمان مرشد کے سامنے لا کر چاک کر دیا، اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ان کے علمی تبحر کی وجہ سے ان کی بڑی قدر کرتے، اور جب وہ ان کی خدمت میں آتے تو ان

کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے، جب وہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی، خلافت کے وقت یہ تحریر بھی عطا ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ می باید کہ تارک دنیا باشی، بسوئے دنیا وارباب دنیا مائل نشوی، ودیہہ قبول نکنی وصلۂ بادشاہان نگیری، واگر مسافران برتو رسند وبرتو چیز نباشد ایں حال را غنیمت شمری، از نعمت ہائے الٰہی فان فعلت ما امرتك فظني بك ان تفعل كذالك فانت خليفتي وان لم تفعل فالله خليفتي على المسلمين ○

ترجمہ: چاہیے کہ تارک دنیا ہو جاؤ، دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہو، گاؤں، جاگیر قبول نہ کرو، بادشاہوں سے صلہ نہ لو، اگر تمہارے یہاں مسافر آئیں اور تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو اس حال کو غنیمت جانو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کرو، پس اگر تم نے ایسا کیا جس کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اور جس کی نسبت میرا گمان ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو تم میرے خلیفہ ہو ورنہ میرا خلیفہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ ہے۔

ارادت کے بعد قاضی محی الدین کاشانی کے یہاں بڑی تنگی ہوگئی اور بچے فاقے سے تنگ آنے لگے، ان کے گھر کی اس عسرت کا حال کسی نے سلطان علاء الدین خلجی سے بیان کیا، سلطان علاء الدین نے کہا کہ صوبہ اودھ کا عہدۂ قضا ان کا موروثی حق ہے، میں ان کو یہ بھی دوں گا، اور انعام میں جاگیر اور گاؤں بھی پیش کروں گا۔ چنانچہ اس کے لئے ایک فرمان بھی جاری کیا، قاضی محی الدین کاشانی کو فرمان کی خبر ملی تو مرشد کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے میری رضامندی کے بغیر ایسا فرمان جاری کیا ہے، مرشد نے یہ بات سنی تو رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اور فرمایا تمہارے دل میں یہ بات آئی ہوگی تو سلطان نے یہ فرمان جاری کیا ہوگا، یہ کہہ کر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی محی الدین کی طرف سے اپنی توجہ اور تلطف کی نظر پھیر لی اور ایک سال تک ملتفت نہ ہوئے، ایک [illegible] کے بعد قاضی

صاحب کو دوبارہ مرید فرمایا۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۳۲۷)۔

خلفاء میں حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نواسے مولانا خواجہ سید محمد امام بھی تھے، وہ نماز میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کرتے تھے، جب وہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھتے تو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ پر رقت طاری ہو جاتی، حضرت نے نماز کے بعد کئی باران کو لباس خاص عطا فرمایا، مجلسوں میں کوئی شخص خواجہ محمد امام سے اونچی جگہ بیٹھ نہ سکتا تھا، جب خواجہ محمد نہ ہوتے تو ان کے بھائی خواجہ محمد موسیٰ امامت کیا کرتے تھے، دونوں حضرت کے دستر خوان پر برابر شریک رہتے، اور وہی دستر خوان کی دعا پڑھا کرتے۔

مرشد کے اعزہ اور مریدوں سے محبت :

ایک روز حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے خواجہ عطا حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور دوات و قلم سامنے رکھ کر کہا کہ فلاں امیر کو رقعہ لکھ دو کہ وہ مجھ کو کچھ دے، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے عذر فرمایا کہ اس امیر کی آمد ورفت میرے یہاں نہیں ہے تم کو اس سے جو توقع ہو بیان کرو، میں اپنے پاس سے دینے کی کوشش کروں گا، خواجہ عطا نے جواب دیا کہ جو تمہارے دل میں آئے دیدو۔ لیکن رقعہ بھی لکھ دو۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ درویشوں کا طریقہ نہیں، خواجہ عطا نے محبوب الٰہی کو برا بھلا کہنا شروع کیا، کہ تم میرے دادا کے غلام ہو، میں تمہارا خواجہ زادہ ہوں ایک رقعہ لکھنے کو کہتا ہوں اور تم نہیں لکھتے، یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی، اور غصے سے اٹھ کر جانے لگے، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ بڑھا کر دامن پکڑ لیا، اور فرمایا ناخوش ہو کر مت جاؤ، خوش ہو کر جاؤ۔

(سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس صفحہ ۷۵،۷۴)۔

حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور

عرض کی کہ میرے پانچ چھ لڑکیاں ہیں، مجھ کو کسی کے سپرد کر دیں کہ وہ میری خبر گیری کرے، اتفاق سے اسی وقت علاؤالدین خلجی کا عارض ممالک ظفر خان حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے سفارش کی، ظفر خان نے تعظیم بجالا کر کہا کہ گھر اور کھانا موجود ہے، آپ ان سے فرمادیں کہ وہاں چل کر رہیں، میں ہر طرح خدمت کرتا رہوں گا۔

(سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس صفحہ ۷۵،۷۴)۔

غذا :

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ صائم الدہر رہے، صرف افطار اور سحری کے وقت کچھ تناول فرماتے۔ افطار کے وقت آدھی یا زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلہ کے ساتھ کھاتے۔ کبھی چاول بھی کھا لیتے، دستر خوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے تھے۔ ان کی خاطر دیر تک کھاتے رہتے، کبھی اپنے پیالہ میں ہاتھ ڈالے رہتے، تا کہ اور لوگ ان کو کھانا ختم کرتے دکھ کر ہاتھ نہ روک لیں، کبھی کسی پر شفقت فرماتے تو اپنے کھانے کا کچھ حصہ خوان میں رکھ کر اس کے یہاں بھجوا دیتے تھے۔

سحری کے وقت کھانے کی چیزیں لائی جاتیں تو کچھ چکھ لیتے اور بقیہ کو تقسیم کر دینے کا حکم دیدیتے تھے۔ بھوکوں کو یاد کر کے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتا اور لقمہ فرو نہ ہوتا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، دستر خوان پر کبھی ادھ چبے نوالے پائے جاتے، اس کی وجہ یہ ہوتی کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا، اس کو دہن مبارک سے نکال کر دستر خوان پر رکھ دیتے، خانقاہ میں فقرا اور مہمانوں کے لئے انواع واقسام کے کھانے پکتے مگر خود ان کی لذت سے ناآشنا رہتے، مغرب کے بعد کی مجلس کے لئے شہر سے مختلف قسم کے کھانے پینے کی چیزیں آتیں تو حاضرین میں تقسیم کر دی جاتیں، ان کی تواضع کے لئے ہر ایک سے خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کی لذت پوچھتے رہتے۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۲۴، ۱۲۸)۔

لباس :

لباس میں بھی درویشانہ شان ہوتی تھی، مرشد کی صحبت میں جب اجودھن میں مقیم تھے تو کپڑے میلے اور جا بجا شکستہ ہو گئے تھے، ناداری کی وجہ سے نہ صابن خرید سکتے اور نہ پیوند لگا سکتے تھے، سیر الاولیاء کے مصنف کی دادی نے ایک روز اصرار کر کے کپڑے دھو دیئے، اور پیوند بھی لگا دیئے تو اس احسان کو تمام زندگی یاد کرتے رہے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ ۱۱۵)۔

محبت رسول ﷺ :

محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ وصال سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لئے بے چین رہے.........

وفات سے چالیس روز پہلے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا، اور برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتا تھا، کبھی کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا جاتا تو فرماتے..........

''کسیکہ مشتاق حضرت رسالت ﷺ باشد او طعام دنیا چگونہ''۔

وصال :

مرض الموت کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لئے کہا گیا، لیکن فرمایا..........

''دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست''۔

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں، غربا و مساکین میں تقسیم کر دیں تاکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم خاص نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا تھا، اس کی خبر ہوئی تو ناخوش ہو کر فرمایا کہ اس کو بھی لٹا دو اور ہر توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

وفات سے کچھ پہلے بقیۂ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو عطا کیں اور ان کو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ رحمۃ اللہ علیہ کو

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا عنایت کیا ہوا مصلی، خرقہ، تسبیح اور کاسۂ چوبین دے کر فرمایا.........

''شما را در دہلی باید بود و جفائے مردم باید کشید''۔

اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا تو یہ آفتاب دین ابد کے پردوں میں مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ ہے، مزار پر انوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے، روضۂ مبارک کی عمارت سلطان محمد بن تغلق کی بنوائی ہوئی ہے۔ (اوپر کی تفصیل سیر الاولیاء صفحہ ۱۵۵، ۱۵۴، خزینۃ الاصفیا جلد ۱ صفحہ ۳۳۷ اور مونس الارواح میں ملے گی)۔

ساری عمر تجرد میں گزاری، اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی، مگر ان کی معنوی اولادوں نے ان کی تعلیمات کو جاری رکھا۔

محبوب الٰہی کے ملفوظات :

محبوب الٰہی کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، حسب ذیل ہیں.........

(۱) فوائد الفواد۔ (۲) افضل الفواد۔ (۳) راحت المحبین۔ (۴) سیر الاولیاء۔ (خواجہ شمس الدین دہاری نے بھی حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کئے تھے، مگر اس کا نام معلوم نہ ہو سکا)۔

اول الذکر کو خواجہ حسن سنجری نے مرتب کیا ہے، جو محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلفاء میں تھے سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگانِ دین کی فاتحہ خوانی کے لئے پہنچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوستوں کے ساتھ رنڈی اور شراب نوشی میں مشغول ہیں، خواجہ حسن

بچپن میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بدایوں میں رہ چکے تھے ان کو بچپن کی صحبت یاد آگئی، اور محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دوبیت زبان پر لائے...........

سالہا باشد کہ ماہم صحبتیم
گرز صحبتہا اثر باشد کجاست
زہد تاں ایں فسق ما را کم نکرد
فسق ما محکم ترا ز زہد شما ست

محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے، تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت ان کا دل جاری ہوگیا، قدموں میں گر پڑے، اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہوکر محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمر تہتر سال کی تھی۔
(سیر العارفین صفحہ ۱۵۳، وفرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴)۔

مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے، اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ...........

''اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہوجاتیں، اور ان کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہوجاتا''۔

(سیر العارفین صفحہ ۱۵۳، وفرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴، فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں

''امیر خسرو براں رشک بردہ گفت کاش تشریف قبول وتحسین آں نسخہ وتصنیف آں بمن منسوب گشتی اور تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی'')۔

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ...........

''دریں ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است''۔ (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۶۰)۔

عہد ہمایوں کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے...........

''کتاب الفوائد میں خواجہ حسن نے ایسے اعلیٰ درجہ کے مضامین کی تصنیف کی جو کہ خضر راہ اہل سلوک اور مونس اہل اللہ تصور کی جاتی ہے''۔

قاسم فرشتہ رقمطراز ہے...........

''کتاب الفواد...........بشرف قبول وتحسین سرفراز گشت''۔

(تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴)۔

مراۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبدالرحمٰن چشتی لکھتے ہیں...........

''امروز آں فوائد الفواد مقبول اہل دلانِ عالم شدہ است ودستور عاشقاں گشتہ وشرق وغرب عالم گرفتہ''۔

بعد کے تذکرہ نگاروں میں خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ...........

''کتاب فوائد الفواد از ملفوظات حضرت شیخ تالیف کردہ دی (خواجہ حسن است) وبغایت مقبول افتادہ''۔ (خزینۃ الاصفیاء، جلد اول صفحہ ۳۳۶)۔

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفواد کے نام سے مرتب کئے ہیں۔

مگر اس کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے، جس میں ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظات درج کئے ہیں۔ (بعض اور مریدوں نے بھی حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کئے، لیکن یہ مشہور نہ ہوسکے)۔

افضل الفواد کے اقتباسات بعض تذکروں میں پائے جاتے ہیں، خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد بھی حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، انہوں نے بھی سیر الاولیاء

میں ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں، اس کتاب میں خواجگانِ چشت کے حالات بھی ہیں، اور آخر میں محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات بھی ہیں۔

ان تمام ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامت توبہ، ایمان، استغراق نماز، تلاوت قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولی حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری، اور جود و سخا وغیرہ کی تعلیمات دی گئی ہیں، جو چشتیہ سلسلہ کے پیشرو مشائخ نے دی تھیں، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، کچھ مزید تعلیمات ملاحظہ ہوں۔ (آئندہ سطور میں جہاں قوسین میں صفحات کے حوالے ہیں وہ فوائد الفواد کے صفحے ہیں، اور جن سطور کے ساتھ صفحے کے حوالے نہیں لکھے جاسکے ہیں، وہ افضل الفوائد کے اقتباسات ہیں جو اخبار الصالحین (مرتبہ نواب معشوق یار جنگ بہادر) کے صفحہ ۴۰۸، ۴۰۰) سے لئے گئے ہیں)۔

رہروانِ سلوک کی قسمیں :

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے راہ سلوک کے رہروؤں کی تین قسمیں بتائی ہیں......

(۱) سالک۔ (۲) واقف۔ (۳) راجع۔ اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں، اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو، وہ واقف ہیں، اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں وہ راجع ہیں۔ (صفحہ ۱۶)۔

راہِ سلوک کی لغزشیں :

اس راہ میں مندرجہ ذیل لغزشیں ہیں (۱) اعراض۔ (۲) حجاب۔ (۳) تفاصل۔ (۴) سلب مزید۔ (۵) سلب قدیم۔ (۶) تسلی۔ (۷) عداوت۔

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہوجائے جو معشوق کے لئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو وہ یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے، اس کو اعراض کہتے ہیں، عاشق کو چاہیے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے، اور جب اس کی

معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہوجاتا ہے، اس حجاب کو دور کرنے کے لئے عاشق خضوع و خشوع کے ساتھ توبہ کرے، اور اگر توبہ قبول نہیں ہوتی ہے تو تفاصل یعنی جدائی ہوجاتی ہے۔ اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کرلیا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے، اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی تمام صورتیں پیدا کردیتا ہے، جس کو تسلی کہتے ہیں، اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہوجاتا ہے، اور اس کی محبت عداوت میں منتقل ہوجاتی ہے۔

عزیمت :

سالک کو ہر خطرہ کے حال میں خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہونا چاہیے، اس کا نام عزیمت ہے اور پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کردینا چاہیے۔ (صفحہ ۱۸)۔ جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے، لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے اور اس کی مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۲۸، ۲۷)۔

اس کے بعد وہ مجاہدہ و ریاضت میں ذوق و شوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہوجاتا ہے کہ یادِ حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مانع ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۹۱)۔

فراغت قلب :

اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو، اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمیں ہیں......

(۱)...... ایک محبت ذات۔ (۲)...... دوسری محبت صفات۔

اول الذکر موہبت الٰہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، موہبت الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ

ہے کہ ماسوا، اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دوام میں مصروف رکھنا چاہیے،
فراغِ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں..........

(۱) خلق۔(۲) دنیا۔(۳) نفس اور (۴) شیطان۔

مگر دفع خلق کے لئے عزلت، دفع دنیا کے لئے قناعت۔ اور دفع نفس، شیطان کے لئے اللہ جل شانہ سے التجا فریاد اور گریہ وزاری ہو تو فراغت قلب حاصل ہو جاتی ہے۔

عشق ومحبت :

درویش اہل عشق ہوتے ہیں اور علماء اہل عقل۔ جب تک اللہ جل شانہ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے، گناہ صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گردو نواح میں آجاتی ہے تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے تو سجدہ سہو بجالاتے ہیں۔

صبر، رضا وتوکل :

اس راہ میں صبر، رضا اور توکل لازمی چیزیں ہیں۔ بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے۔ جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں، مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۵۳)۔

توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حال کا عالم ودانا سمجھ کر اس سے سوال کرے۔ دوسرا توکل بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے، لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے۔ تیسرا توکل مردوں کا ہے کہ وہ اپنے غسال کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں۔ محبوب

الٰہی کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے۔ (صفحہ ۵۴)۔

فرمایا (حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے) کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو، اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو، (فوائد الفواد، صفحہ ۱۰۱)۔

جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے، وہ کاذب ہے۔ (صفحہ ۵۸)۔

عارف کے ستر مقامات ہیں، ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے تو وہ بدترین آدمی ہے۔ (صفحہ ۲۱۶)۔

بنیاد یادِ حق :

سالک کے لئے یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے..........

(۱)...... وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا۔

(۲)...... وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو، اگر اس کو نیند آجائے تو جاگنے کے بعد پھر وضو کر لے۔

(۳)...... صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے۔

(۴)...... غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو۔

(۵)...... شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو۔

(۶)...... حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو۔

سالک کا پرہیز :

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(۱)...... دنیا خصوصاً صحبت اغنیاء۔

(۲)...... ماسواء اللہ کا تذکرہ۔

(۳)...... غیر اللہ کی طرف التفات وتوجہ۔

(۴)...... دل کا میل یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ...........

توبہ :

سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو۔ (صفحہ ۲۵)۔ اور ہر حال مین اس پر ثابت قدم رہے۔ (صفحہ ۵۷، ۱۳۹، ۲۰۵)۔ گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے مگر طاعت سے ہزار مرتبہ، جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو، وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

ظاہری اخلاق :

حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے...... ......

(۱) کم کھانا۔ (۲) کم بولنا۔ (۳) کم سونا اور (۴) لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔

حقوق العباد :

مخالطتِ خلق سے پرہیز کی تاکید جابجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے۔ فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب میں ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اس کو یہاں درد محسوس ہو۔

عیب پوشی :

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا

نہ نکلے۔ اور درویش کو پردہ پوش ہونا چاہیے، پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

حقوقِ ہمسایہ :

ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اس کی عیادت کرو، مصیبت میں غمخواری کرو، اسکا انتقال ہو جائے تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔

پابندی شریعت :

شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی جاتی ہے، اپنے خواجگان ہی کی طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع میں گرے اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ آنچہ نامشروع ست ناپسندیدہ است۔ یعنی جو شئے شرعاً ناجائز ہے وہ بری ہے۔ (صفحہ ۲۴۷)۔

وجد و حال، ذوق و کیف اور استغراق و تحیر سے شریعت ساقط ہو جاتی تو اس کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے۔ ارشاداتِ عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں اراستہ ہیں۔ (صفحہ ۱۴۴)۔

اسی لئے ملفوظات میں ذوق و کیف اور استغراق و تحیر کے ساتھ نماز، روزہ، سنن و نوافل، تلاوت کلام پاک، تراویح، احترام شریعت اور اتباع سنت کی جابجا تاکیدیں ہیں، خصوصاً نماز با جماعت کی بڑی تاکید کی ہے، فرمایا کہ...... ......

''اگر دو کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت نباشد، اما ثواب جماعت باشد آں دو تن را باید کہ برابر ایستد''۔ (صفحہ ۱۰۶)۔

خود بھی جماعت کا بڑا احترام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز میں شرکت

نہیں کرتا تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر دو جمعہ ناغہ کرتا ہے تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہیں، اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۱)۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت بابا گنج شکر نے حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ راہ سلوک میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، اور بقیہ نصف راہ نماز اور حج سے طے ہو جاتی ہے، حضرت محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے اسی کی تعلیم اپنے مریدوں کو دی، اس کے علاوہ اپنی مجلسوں میں احکام الٰہی کی تلقین زیادہ تر کلام الٰہی کی تفسیر کے تحت فرماتے، احادیث نبوی کی بھی بڑی تعظیم کرتے۔

اظہارِ کرامت :

کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ ......

''کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے روی راستی گدائے بیچارہ می باید بود''۔

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوائی دجلہ کے کنارے پہنچے، تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابوالحسن نوائی نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں صاحب ولایت وکرامت ہوں گا تو تمہارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی، اور مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی، نہ کم ہوگی، نہ زیادہ ان کے ارشاد کے مطابق واقعہ اس وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہ کو ملی، تو انہوں نے فرمایا کہ کاش اس جال میں ایک مار سیاہ پھنستا، اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا، کہ وہ ہلاک ہو جاتے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں، جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا، تو وہ شہید ہو جاتے، لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا، (صفحہ ۱۷۳)۔

سماع :

سلسلۂ چشتیہ میں سماع جائز ہے (مگر وہ شریعت کے مطابق ہو) فوائد الفواد میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے۔ محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سماع ایک صوت موزوں ہے اس لئے حرام نہیں، اس سے تحریک قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کے لئے ہے تو مستحب ہے، لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے۔ (صفحہ ۲۴۶)۔

سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں ....

(۱) .... انوار۔

(۲) .... احوال۔

(۳) .... آثار۔

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہیں ...

(۱) .... ملک۔

(۲) .... جبروت۔

(۳) .... ملکوت۔

اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں ....

(۱) .... ارواح۔

(۲) .... قلوب۔

(۳) .... جوارح۔

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں، انوار، پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں، آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے۔ (صفحہ ۳۶)۔

دفعۃً جنبش اور ہیجان پیدا کرنے والے سماع کو ہاجم کہتے ہیں، لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدایا اپنے پیر یا کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرے جو اس

کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر ہاجم ہے۔(صفحہ ۱۱۴)۔

سماع کے لئے حسب ذیل شرطیں لازمی ہیں..........

(۱)......... مسمع یعنی سنانے والا لڑکا اور عورت نہ ہو۔

(۲)......... مسموع یعنی جو چیز سنی جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو۔

(۳)......... مستمع یعنی جو سنے وہ صرف خدا کے لئے سنے۔

(۴)......... آلاتِ سماع مثلاً چنگ، رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں۔(صفحہ ۲۴۶)۔

(۵)......... محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں۔(صفحہ ۹۵)۔

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر وقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے۔ محبوب الٰہی نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع دَف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے، لیکن ہمارے علماء (احناف) اس کے خلاف ہیں، لیکن اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہوگا وہی صحیح ہوگا، مریدوں میں سے ایک نے گزارش کی کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفل سماع میں رقص کرتے ہیں، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ اچھا نہیں کرتے، کیونکہ جو فعل نامشروع ہے وہ ناپسندیدہ ہے۔ ایک مرید نے عرض کی کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے جہاں مزامیر تھے، اور وہاں کیوں رقص کیا، تو جواب دیتے ہیں کہ سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی، کہ اس جگہ مزامیر بھی ہیں۔ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں، اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں۔(صفحہ ۲۲۷)۔

خلفاء :

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی فہرست بڑی لمبی ہے، بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں.........

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (دہلی)۔ حضرت امیر خسرو (دہلی)۔ حضرت شیخ قطب الدین منور، (ہانسی)۔ حضرت شیخ حسام الدین ملتانی (پاک پتن)۔ حضرت شیخ برہان الدین غریب (دیوگیری)۔ حضرت شیخ حسام الدین سوختہ (سانبھر)۔ شیخ اخی سراج الدین (مالدہ) (بنگال)۔ حضرت خواجہ شمس الدین دھاری (ظفر آباد) حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر (پانی پت)۔ حضرت شیخ منتخب الدین (خلد آباد)۔

تبلیغ واشاعت اسلام :

ان خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے دہلی اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی وروحانی اثرات پیدا کئے، حضرت شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور اس کے اطراف بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں، حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے مرشد کی برکات سے مستفیض کیا۔

توحید ورسالت کے ان شیدائیوں کو اشاعت اسلام کی بھی ہدایت تھی، چنانچہ خواجہ برہان الدین غریب نے دکن میں اور حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر نے پانی پت کے علاقے میں بہت سے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ، ترمیم واضافے کے ساتھ)۔

خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں سے ہیں ۵۹۲ھ میں ملتان کے ایک مقام کوتوال میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

نسب نامہ :

آپ کے نسب نامے کے متعلق مؤرخین میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک آپ نسباً سید حسنی ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے خواجہ علاؤ الدین بن شاہ عبدالرحیم یا عبدالسلام بن شاہ سیف الدین عبدالوہاب بن حضرت غوث الثقلین پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

مگر اکثر مؤرخین نے آپ کو نسباً حسینی لکھا ہے۔ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے آپ کا تعلق ہے۔ اور سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سید علاؤ الدین علی احمد صابر، بن سید عبداللہ بن سید فتح اللہ بن سید نور محمد بن سید احمد بن سید غیاث الدین بن سید بہاؤ الدین بن سید داؤد بن سید تاج بن سید محمد بن سید علی ضیاء الدین بن سید اسماعیل اعرج بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن سیدہ فاطمہ الزہرہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ احقر کے نزدیک آپ کا حسینی نسب ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر خانہ کی خدمت بارہ سال تک حضرت خواجہ صاحب کے حوالہ رہی۔ لیکن حضرت خواجہ نے بوجہ اذن صریح نہ ہونے کے کبھی اس میں سے کچھ تناول نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ حضرت کے دریافت فرمانے پر آپ نے عرض کیا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بدون ارشاد حضرت اقدس کے اس میں تصرف

کرتا۔ حضرت نے یہ جواب سن کر آپ کو صابر کا خطاب مرحمت فرمایا.........

ایک خادم نے حضرت فرید الدین گنج شکر سے اجازت مانگی کہ آپ کے خلفاء سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ اجازت لے کر حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر کے پاس آیا۔ آپ غلبۂ استغراق کی وجہ سے کسی آنے جانے والے سے واقف نہیں ہوتے تھے۔ حضرت شمس الدین ترک نے (جو خدمت میں رہتے تھے) باآواز بلند ہوشیار کیا۔ اور عرض کیا کہ حضرت پیر و مرشد کا خادم آیا ہے۔ اور حضرت کا سلام لایا ہے۔ آپ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کیسے ہیں۔ اور حضرت شمس الدین کو تاکید فرمائی کہ ان کی عزت کرو اور فرمایا آج گولروں میں نمک ڈال دینا (یہ گویا حق مہمانی تھا) یہ فرما کر پھر استغراق طاری ہو گیا۔ اس کے بعد وہ خادم حضرت سلطان الاولیاء کے یہاں حاضر ہوا۔ یہاں شاہی کارخانہ تھا۔ بہت تعظیم ہوئی، اور حضرت نے عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت سے تحفے دیئے۔

جب وہ خادم حضرت فرید الدین گنج شکر کے حضور میں پہنچا تو آپ نے دونوں صاحبوں کا حال دریافت کیا۔ خادم نے سلطان الاولیاء کی بڑی تعریف کی اور مخدوم علاؤ الدین کی شان میں عرض کیا کہ وہ تو کسی سے بولتے بھی نہیں۔ نہ وہاں کچھ ہے، حضرت نے پوچھا کہ ہمارے حق میں بھی کچھ بولے تھے۔ کہا کچھ بھی نہیں، آپ نے مکرر دریافت کیا کہ آخر کچھ تو کہا ہوگا؟ خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟ آپ چشم پر آب ہو کر فرمانے لگے کہ آج وہ ایسے درجہ میں ہیں کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں ہے، یہ انہی کا استقلال اور میرے ساتھ کمال محبت ہے کہ ایسی حالت میں بھی مجھے پوچھا اور یاد کیا۔

مشہور ہے کہ حضرت صابر کے وصال کے بعد کلیر پر کچھ ہنود کا غلبہ ہو گیا۔ اس وجہ سے بعض ہنود نے مقبرہ میں بتخانہ بنالیا تھا۔ اور ایسی ہی کچھ بے حرمتی وغیرہ کا ارادہ تھا کہ اتفاقاً ایک شیر جنگل سے آیا اور بہت سی جانوں کا نقصان کر گیا۔ اور پسماندہ بھاگ

گئے۔

آپ پر جلال غالب تھا وصال کے بعد بھی مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا۔ جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال مزار پر جانے کی نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ مزار پر حاضر ہوئے تو حضرت کی درخواست پر وہ چمک موقوف ہوئی۔

حضرت شیخ کی وفات تیرہ ربیع الاول ۶۹۰ھ کو ہوئی۔ لفظ ''مخدوم'' آپ کی تاریخ وفات ہے۔ پیران کلیر متصل رڑکی ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار ہے آپ کے مزار پر نور الدین جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ نے گنبد تعمیر کرایا تھا۔ (خزینۃ الاولیاء، ملفوظات خواجگانِ چشت، تعلیم الدین، حیات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)۔ (ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت، تالیف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ترمیم و اضافے کے ساتھ)۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب :

اسم مبارک نصیر الدین محمود، گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، جد بزرگوار شیخ عبداللطیف یزدی خرسان سے لاہور آئے، والد ماجد شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے، اور سن شعور میں اودھ منتقل ہوگئے تھے۔ (سیر العارفین صفحہ ۴۰)۔

یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے، جس میں ان کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۲۸)۔

حضرت نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ نسباً سادات حسینی میں سے تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۵۴)۔

ابتدائی تعلیم :

نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم وتربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا، ان کے زہد وتقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہوگئے تھے۔ جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب اصولِ بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی۔

(مجلس چہل وششم، صفحہ ۱۰۹ میں ہے.........

''جناب خواجہ ذکر اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور دقت نظر کا

بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیاء سن کر ان کی عیادت کو تشریف لائے وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہوگئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا شیخ بظاہر میری عیادت کو آئے تھے، مگر دیکھو کس طرح در پردہ سلب مرض کر گئے"۔

لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں مولانا عبدالکریم شیروانی، علامہ زماں سے ہدایہ اور بزدوی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے"۔ (جلد دوم صفحہ ۴۰)۔

ترک و تجرید :

پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی، اور محاسبۂ نفس میں مشغول ہوئے۔ گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرانوردی میں بھی نماز باجماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۰)۔

بیعت :

سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ نصیر الدین محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کیا درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے

آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ میں سچی طلب محسوس کر کے ان کی جانب توجہ فرمائی۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمہیں فارغ البالی ہو جاتی۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیوں ترک کر دیا، تو اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا............

نہ ہمراہی تو مرا راہ خویش گیرد برد
ترا سعادتے باد مرا نگوں ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ جہاں تمہارا دوست ہے وہاں لے جاؤ، میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمہیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۴۰۔۱۲۸)۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی سنا تو دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہوگئی اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لئے تمام درویش ان کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے، اور محبوب رکھتے تھے۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۰)۔

حضرت نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گاذرونی آ کر مقیم ہوئے وہ

تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے گئے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے، ان کی تلاش میں شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ کے ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا اس لئے خواجہ محمد گاذرونی کے پاس پہنچے اور کپڑے اتار کر ان کو دیدیئے، صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالا خانہ پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک عطا کی اور ان کے لئے دعائے خیر کی۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۶)

ریاضت:

بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت ومجاہدہ جاری رکھا، دس روز گزر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۴۱، اخبار الاخیار صفحہ ۷۵)۔

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے۔ (سیر العارفین صفحہ ۴۰)۔

لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یادِ الٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا، اس لئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کر کے جنگل میں جا کر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہیں، اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اسی سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں، اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے۔ اور کسی کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے، اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیاء واولیاء ہے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۵)۔

حضرت شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:..........

'' سالہا سال مجھ کو یہ آرزو رہی کہ ایک تہ بند و کرتہ پہن کر، کلاہ سر پر رکھ کر کوہ دیبایاں یا کسی مسجد و مزار میں جا بیٹھوں پھر شہر کو یاد کر کے فرمایا کہ وہاں بہت حظیرے دلپسند ہیں، وہاں مجھ کو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنوں وہ مزار اور حظیرے نہیں رہے۔ سنتا ہوں کہ وہ سب مقامات دلکش خراب و برباد ہوگئے ہیں، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ میں جب کسی مزار پر پہنچتے تو میں محمود سے کہتا اب تم چاہو مکان جاؤ چاہو کسی اور مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہنا قبول کر کے جدا کسی مزار پر ظہر تک جا کر مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے دس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے آکر جمع ہو جاتے، نماز با جماعت پڑھتے، اور مجھ کو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل میں گزرتا، یہاں تک کہ نماز مغرب وعشاء زمین صحرا میں ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر آتے، اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے تو گرد چند درختوں کے رسی گھیر دیتے اور درمیان میں سو رہتے نہ درندے کا ڈر ہوتا، نہ چور کا کہ بدھنا یا لوٹا لے جاوے گا، شب کو گھروں میں ایک جگہ مقرر تھی، وہاں مشغول رہتے۔ اسی راحت و آرام میں چند سال گزر گئے۔

جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق وشوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا کہ تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قفائے خلق گوارا کرنا'' تو کہاں میں تھا اور کہاں یہ شہر، کسی

کوہ و بیاباں میں روپوش رہتا، میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہیں مگر آپ کو یہاں رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں"۔ (مجلس پنجاہ، خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس)۔

حضرت شیخ نصیر الدین علیہ الرحمہ مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہاں ہر جگہ ان کی بڑی پذیرائی ہوتی، یارانِ طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے ذوق ولذت سے یاد فرماتے ہیں..........

"جب میں اودھ سے آیا کرتا تو اکثر بار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے تو دعا گو کی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے، فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے سے مجھ سے کہہ دیتے کہ کل ہمارے یہاں دعوت ہے کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤں تو تھک جاؤں تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر میں رہا کرتا۔ دوسرے دن ان کے ہمراہ جاتا اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر میں رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یاد آ جاتا، اور کہتا ذرا توقف کرو، ناشتہ لاتا ہوں، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیادت کو نہ جاسکتا"۔

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہیں.....

"ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئی، اور ہر دعوت میں تین

تین دن شہروں میں رہنا پڑا، اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوتی، ہر جگہ سے پیامِ دعوت آتا، اور شیخ کے واسطے اجازت کے عرض کرتے، شاید ان دنوں یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا، فرمان شیخ پہنچا کہ فلاں جگہ دعوت میں جا، میں نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت میں عرض ہے، اس پر مجھ کو طلب فرمایا، میں خدمت میں حاضر ہوا، تو فرمایا کیا کہتا ہے؟ میں نے عرض داشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھوں، یہاں ہر کوئی دعوت کرتا ہے اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مجھ کو حکم آتا ہے کہ دعوت میں جا، صبح سے جاتا ہوں اور مولانا برہان الدین غریب کے گھر میں شب بھر رہتا ہوں، دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے، اس دن بھی حضرت کی خدمت میں آ نہیں سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہیں کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کرلو، دوپہر کو یہاں آنا ہوتا ہے اس دن بھی زیارت نصیب نہیں ہوتی، تین دن مفت جاتے ہیں، یہ سن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اسے لوٹا دو، اور کہہ دو کہ یارانِ شہر کی دعوت کریں، اور ان کو معذور رکھیں"۔ (مجلس پنجاہ وپنجم صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲)۔

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطر داری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہیں..........

"ایک بار میں اودھ سے آیا تھا۔ اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنوں میں نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہہ دیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے، اور معرض تلف میں پڑا ہے، خدمت شیخ میں عرض کردے، مبشر نے خدمت شیخ میں اور بڑھ کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لے جاتا ہوں تو بلا کم وکاست ویسے ہی لوٹ آتی ہے،

جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کا مجھے دیا، اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا جن یاروں کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہاں سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانکہ مولانا فخر الدین زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے۔ مگر مولانا برہان الدین غریب کہ بسبب ضعف جسم کے روزے سے معذور تھے، ان کو ماہِ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کھچڑی روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، یار جمع ہوتے، اور ہاتھ دھو کر کھچڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھ کو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ اس کو کس طرح کھاؤں گا، بیمار نہ ہو جاؤں، یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے۔ بعد عشاء وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا، اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لے کر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھالیا، اور کوئی زحمت نہیں ہوئی''۔ (خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم صفحہ ١٤٢-١٤١)۔

قیامِ دہلی :

والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ مین تھا، مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم ورضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے.........

''حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے''۔ (صفحہ ٤٢، جلد دوم)۔

مرشد کی جانشینی :

جب حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں

بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں، تو ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور وفات کے وقت ان کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں ان کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر وسکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

(سیر العارفین جلد دوم صفحہ ٤٤-٤٢)۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیام گاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی، جہاں ان کی ابدی خوابگاہ ہے۔

تنگیٔ معاش :

جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا۔ دو دن گزر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آشنا تھو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دستر خوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولہا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے، لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو کھاروئے کا لباس پہن لیتا، جامۂ شیخ کو پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا۔ (خیر المجالس مجلس شصت وسوم)۔

فارغ البالی :

کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ ان عسرت بھرے دنوں کو یاد برابر کیا کرتے تھے دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو روٹی اور ترکاری ملی اس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے، سبحان اللہ یہ

فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں وہ کیا عمدہ دن اور پر ذوق زمانہ تھا۔ یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے۔ (خیر المجالس مجلس شصت و سویم)۔

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمان اور مریدوں کے لئے دستر خوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم الدہر ہوتے، لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دستر خوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے ان کی خاطر افطار کر لیا اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی۔ (خیر المجالس مجلس ہفتاد و دیم)۔

تلقین :

مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دستر خوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے، اور تاکید فرماتے یارو خوب کھاؤ۔ جب لوگ کھا چکے تو فرمایا طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت میں صرف ہوگی۔ تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا۔

فرمایا ایک دن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا ہاں، ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو، اور پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ (خیر المجالس مجلس پنجاہ و ہفتم)۔

ایک بار عید الاضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، ان کی خاطر دستر خوان

بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامان امارت میں بارگاہ شاہی طنابہائے ریشمی اور میخ ہائے زریں دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے؟ یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔

حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خیال کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑھی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا۔ (مجلس ٦٣)۔

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدین کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی، اور فرمایا، ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادھم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے۔ (حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے چوکیدار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا، اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا)۔ بادشاہ نے ان کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دستر خوان پر پہلے ان کے سامنے فالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا، فالودہ کو آپ دیکھتے ہیں، لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا فالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا: اس دن دو گروہ ہوں گے، ایک فالودہ اور ایک آلودہ "فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر" کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، وہ تو بہشت میں جائیں گے اور جو آلودۂ معصیت ہیں، ان کو آتش دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لے جائیں گے، بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ

اے درویش آپ کی زبان سے میرا دل دہل گیا۔ (مجلس ہفتادم)۔

چراغ دہلی کا لقب :

رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیانِ سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے۔ اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدم بوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا، اس کو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا، اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۷)۔

رشد و ہدایت :

مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آئے، اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لئے آئے، یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے، بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلی نے ارشاد فرمایا جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے، اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے مراد ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے۔ دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے، تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بری ہو اور جہاں معصیت ہوتی ہو،

سر منڈانے کے یہ معنیٰ ہیں کہ راہِ حق میں اس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں نہ آئے۔ (خیر المجالس مجلس پانزدہم)۔

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے جو نسبا سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے، حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کر کے فرمایا، ہر بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہیے اور تمہارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آل رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزوں میں ہے جو کچھ خدا اور رسول نے کہا اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہیے۔ مثلاً ایک چیز پانچ درہم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے، سات درم میں دوں گا، اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی ہے، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ میں دوں گا تو اس کے ایک دام میں برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی کہ کہاں سے بڑھا۔ (خیر المجالس مجلس بست و ہشتم)۔

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہانے سے آئے، حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو، عالم نے کہا سہانے سے، جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں، اور وہاں کی عورتیں بھی یہیں سے بیعت رکھتی ہیں، اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں، پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعہ کتب میں مشغول رہنا اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے۔ لیکن جو دوسروں کو کلام پاک پڑھائے اس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے۔ (خیر المجالس مجلس سی و دوم صفحہ ۷۵)۔

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا آج میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ کو

پیراہن پہنا تا ہے، اور کہتا ہے یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر چراغ دہلی علیہ الرحمہ نے مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا مہمانوں کی تعظیم وتکریم سے ان کے دلوں میں یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ (خیر المجالس مجلس سی وہفتم صفحہ ٨٦)۔

ایک مرتبہ ایک خاتون آئیں، اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلی نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انگشت شہادت ڈبوئی اور اس شخص کو کوزہ دے کر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لے جاؤ، ان سے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلاں کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام ولونڈی کو نہ ستائیں، مار پیٹ نہ کریں اور اپنوں اور بیگانوں سے اخلاق سے ملتی رہیں۔ (خیر المجالس مجلس چہلم)۔

ایک مرتبہ ایک کاشتکار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو، اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہوں، فرمایا لقمہ زراعت اچھا لقمہ ہے اور بہت سے کاشتکار صاحب حال گزرے ہیں، اس کے بعد ایک کاشتکار کی حکایت بیان فرمائی، جس میں یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہیے، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہیں، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز روا نہیں، اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے کہ اس نے عبادت خدا میں اور کوئی بھی شریک کیا۔ (خیر المجالس مجلس چہل وہشتم)۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ایک درویش کو چاہیے کہ اگر اس پر فاقہ گزرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کر لے، کہ دیکھنے والا اس کے فقر وفاقہ سے مطلع نہ ہو۔

پھر بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے تھے، فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے، تا کہ میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لوں، ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ میں ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی سے سوال نہ کرنا۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کر لیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمہ کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا، جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے ایک کو منع کیا ہو وہ امر کیا اوروں کے لئے بھی لازم ہو جاتا ہے، حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمہ نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے۔ (خیر المجالس مجلس چہل ونہم)۔

ایک درویش آیا، اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمہ نے فرمایا تحمل سے کام لو، اگر جفا کرے تو بھی معاف کر دو، کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ (خیر المجالس مجلس پنجاہ ودوم)۔

ایک عرب نوجوان آیا، اس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمہ نے دست مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی اور اس میں نئی رکھی اور جب رکھ لی تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہیے، کیونکہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث ہے۔ پس جو چیز باعث تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے۔ (خیر المجالس مجلس پنجاہ ودوم)۔

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمہ نے پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ عرض کیا مقنع بافی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمہ نے فرمایا، شیخ احمد نہر والہ رحمۃ اللہ علیہ بھی نور بافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگہہ پر کام کرتے ہوئے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے۔ اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار

پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں، اور فرمایا، کسب وہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے۔
ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں۔ پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جنگلی ادوائیں، پہاڑی
میوے وغیرہ لاکر شہر میں بیچتے ہیں۔ اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں۔
(خیر المجالس مجلس نوہ و نہم)۔

حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث
نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ
دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب و پریشان ہیں اور اس کا اعادہ بار بار کیا،
کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ سزا وار متابعت ہے، فرمایا
ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے جو خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس
کی متابعت کرے اور جس سے منع کیا ہے اس کو ترک کردے۔
(خیر المجالس مجلس ہشتاد و یکم نیز دیکھو مجلس مشاد و ہشتم)۔

تارکِ نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس
کی تعظیم نہ کریں، اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں، تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ
شرمائے۔ نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے خود بھی تمام عمر
نماز باجماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ بڑے
اچھے واعظ تھے۔ ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے اور کپڑے پھاڑ کر بے
ہوش ہو جاتے۔ وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ
سننے کے لئے لوگ اور بھی ذوق وشوق سے جمع ہوئے، لیکن ان کے وعظ میں پہلی سی تاثیر
مطلق نہ تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے کہ وعظ میں
صد گونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا، جب
ہی جان لیا تھا کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی، وہ قصور یہ تھا کہ راستے میں مجھ سے
ایک بار نماز باجماعت فوت ہوگئی۔ یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے۔

اس حکایت کو بیان کر کے حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ اس قدر روئے کہ
حاضرین بھی رونے لگے اور جب آنسو رکے تو فرمایا جو لوگ جماعت میں بالکل نہیں
جاتے، ان کا کیا حال ہوگا؟۔ وہ کتنی نعمتوں سے محروم رہتے ہوں گے۔ اور پھر ایک اور
حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگوں کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل میں
خیال کیا کہ خداوندا مجھ میں نہ کچھ طاعت ہے، اور نہ عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگوں
کا اژدھام کیوں رہتا ہے؟ آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت میں شریک
ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے،
یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لئے تجھ کو یہ مقبولیت عطا کی۔ (مجلس ششم)۔

نماز کے متعلق فرمایا، یہ حضورِ قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت
اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہوں تو نماز درست نہیں ہوتی،
اس طرح دل کا کعبہ ذاتِ پاک حق تعالیٰ ہے۔ اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے، تو پھر یہ
کیسی نماز ہوگی؟۔ (مجلس ہشتاد و ششم)۔

شاہی ملازموں کی اصلاح :

حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے،
لیکن شاہی ملازموں میں سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور
روحانی حالت کو سنوارنے میں دریغ بھی نہیں فرماتے تھے۔

خیر المجالس ہفتاد و ہشتم میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم
کے زمرہ میں شامل تھا۔ حضرت چراغ نے اس کو مرید کیا، اور فرمایا، نماز باجماعت
پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے
روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے، میرے اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو
کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے وہ نہ کریں، پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم
یہ خیال کر لو کہ تمہارے پائے گاہ کے گھوڑے تمہارے خدمت گار تمہارے دینار و درہم یہ

ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی۔

پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو، ہمارے سامنے کتنے تھے، اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے۔ اور ہم سے پہلے چل دیئے، پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ جواب دیا، قرآن مجید پڑھاتا ہوں۔ سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے۔ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی گھر یا راہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے، اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے۔ اور اسی کے بعد حضرت سعدی کا یہ شعر پڑھا۔

مراد اہلِ طریقت لباس ظاہر نیست
کمر بخدمت سلطان بہ بند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے۔ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، اس کا کیا حال ہے؟۔ عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زدوکوب کی جاتی ہے۔ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، شغل دنیا یہی پھل دیتا ہے، اگلے زمانہ میں کام کرنے والے صرف خدا تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے اور وہ معاملات میں جنید و شبلی ہوتے تھے۔ (مجلس بست و پنجم)۔

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے۔ (مجلس ہشتاد و پنجم)۔

سیر الاولیاء صفحہ ۲۴۴ میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کر دیئے گئے۔ ان پر سخت وقت پڑا، عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے

بدل گئیں، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قطعہ پڑھا۔

دنیا چو مقدر است، بخروشی بہ
رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ
چیزے کہ نمی خرند نفروشی بہ
گفت تو نمی کنند، خاموشی بہ

خواجہ قوام الدین کا خود بیان ہے کہ میرے دل میں جو بات تھی، اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ میں ظاہر کر دیا اور میں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی بندہ کے دل میں ہے، خواجہ قوام الدین کا بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچی۔

رجوع خلق سے ریاضت میں خلل :

رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کو ریاضت و مجاہدہ میں اگلی سی محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا۔ خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کر کے فرمایا، اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آکر جگا دیتے ہیں۔ کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے عبادت میں مشغول رہو۔

مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے، لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے، لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا،

پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہیں ہوں، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا۔

ایں دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام
نو امید نیم کہ پر برآید روزے

(خیر المجالس، مجلس دوازدہم)۔

حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے ہیں کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں، اب یہ کام بچوں کا کھیل ہوگیا ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی کا یہ شعر پڑھتے۔

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی
ازیں آئین بے دینیا پشیمانی پشیمانی

(اخبار الاخیار صفحہ ۷۶)۔

شاہی دربار سے تعلقات:

معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، سیر العارفین میں ہے......

''ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدائے زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا اور التماس کیا میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں، مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ، تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ ان شاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید کے ہے، اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ کھاویں تو ان کو ایذا پہنچاؤں، جب دسترخوان بچھایا گیا، حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع

کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا، یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجئے، جس پر میں عمل کروں، شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑو، بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زر سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے، مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھا دیں، لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثناء میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا مرید تھا، اس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھالیا، اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھ دیں، حضرت شیخ سلطان کی مجلس سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا، اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا، اور لال ہو کر کہا اے پستک تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھا کر ان کی کفشیں میرے سامنے لا کر درست کر کے رکھ دیں، خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد تھا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا منظور نظر تھا، اور شعر گوئی میں حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر میں اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولچہ ہی میں پڑا رہتا، اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے اور کفشوں کا درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا۔ واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرمادیں گے تو میں نہایت خوشنود اور راضی ہوں گا، اس واسطے کہ آپ کی تنگ صحبت سے مجھ کو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا''۔ (یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، جلد دوم)۔

اس لئے سلطان کو ان کا جو اوپر نقل کیا گیا ہے ان کی طبیعت کے اور فطرت
کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ یہ روایت اس لئے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ
یہ تمام باتیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت
مولانا فخر الدین زرادی کے حالات میں بھی بیان کی جاتی ہیں۔ اخبار الاخیار
میں ہے۔ ....

حضرت خواجہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی..........

''جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگوں کو دیوگیر بھیجا تو ان ہی دنوں یہ چاہا کہ ملک
ترکستان اور خراساں کو تسخیر کر کے وہاں سے چنگیز خانیوں کو نکال دے، شہر
کے صدور و اکابر کو حکم دیا کہ جمع ہوں اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے
نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک منبر رکھا، تا کہ اس منبر پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب
دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحیٰ اور شیخ نصیر
الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاء کے
مریدوں میں اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو سب سے
آگے سلطان کے دربار میں لے گئے۔ مولانا بارہا فرماتے تھے، میں اپنے سر
کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت کرنی نہیں
چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین دبیر
نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں اور کھڑے ہو گئے، سلطان
نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا، اور مولانا فخر الدین زرادی سے باتوں میں مشغول
ہوا، اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں، آپ اس کام
میں میرا ساتھ دیں گے؟۔ مولانا نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے
کہا یہ تو کلمۂ شک ہے۔ مولانا نے کہا آنے والی بات کے لئے یہی
کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ و تاب کھایا اور کہا آپ مجھ کو نصیحت کیجئے، تا کہ

میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا: اپنا غیض و غضب روکو، سلطان نے کہا
کون سا غیظ و غضب؟۔ مولانا نے کہا ''وحشیانہ''۔ سلطان کو بڑا غصہ آیا، لیکن
اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ
تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے،
ایک ایک جامۂ صوف اور ایک ایک بدرۂ سیم پیش کیا گیا۔ شیخ نصیر الدین محمود
اور مولانا شمس الدین یحیٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں
کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے، لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و بدرۂ سیم کو
خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے کہ مولانا نہیں لیں گے،
اور ان کی ہتک ہوگی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے، تو سلطان محمد نے خواجہ
قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی، بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخر
الدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی۔ خواجہ قطب الدین نے کہا وہ
میرے استاد ہیں، اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ مجھ پر لازم تھا کہ میں ان
کا ادب کرتا، سلطان نے کہا: ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو
مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا زہے قسمت کہ میں اپنے مخدوم کی
خاطر مارا جاؤں''۔ (صفحہ ۸۶۔۸۵)۔

اسی اخبار الاخیار میں سلطان محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار
تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو.........

''بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ان کے
کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا، کہتے
ہیں کہ سلطان نے ان کو اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی
وصیت کے مطابق برداشت کرتے اور دم نہ مارتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان
محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا

بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے
پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا؟ اور اگر کھالیا تو سوال کیا جائے گا کہ سونے
چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے
سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے۔ لیکن سونے کے پیالہ سے کچھ یخنی نکال
کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے''۔
(اخبار الاخیار، صفحہ ۷۵)۔

تاریخ فرشتہ میں تو بعض ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جو اور تذکروں
میں نہیں ملیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے.........

''بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو
درویشوں سے بھی سوء ظن تھا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت
گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی
دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر
کیا، شیخ نصیر الدین اودھی المشہور چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کو کپڑا پہنانے پر مامور
کیا، لیکن انہوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ
آیا۔ اور ان کو قید کردیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کی بات یاد آئی،
اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہوگئے، قید سے ان کو نجات ملی،
اس مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے، اور اس کی موت
جلد ہوگئی، جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی''۔
(تاریخ فرشتہ، جلد دوم صفحہ ۳۹۹)۔

حضرت چراغ دہلی کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر
الاولیاء میں حضرت خواجہ چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان کے تعلقات کا ذکر اس مختصر طریقہ
پر کرتے ہیں.........

''سلطان محمد تغلق جس نے مملکت ہندوستان کے طول وعرض کو اپنے قبضہ میں
لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا
تھا، اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائیں پہنچائیں، لیکن شیخ نصیر
الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیروں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا،
اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھہ کی مہم
پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کردہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمود کو
علماء اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا،
ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو تخت سلطنت سے
اتار کر تختۂ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا
کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی؟۔ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ
معاملہ میرے اور حق جل وعلی کے درمیان تھا۔ اس کو اسی طرح میں نے
برداشت کیا''۔ (صفحہ ۲۴۶۔۲۴۵)۔

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین کو ایذائیں دیں کیونکہ
اس کو خود سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ علاؤ الدین نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے
ارادت تھی، اس کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھی معتقد رہا، ایک روایت
کے مطابق ان کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، ان کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے
بنوائی۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۱۵۴)۔

ایسی حالت میں ان کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہے، اس کو اولیاء
اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کے لئے زبردست خانقاہ
بنوائی، اور ان کو جاگیر دی۔ اسی طرح حضرت شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد ان کے
مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور اس کے لئے کچھ گاؤں وقف کئے۔
(الدر المنظوم، ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ صفحہ ۵۲۵)۔

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگانِ دین آتے تو ان کو خلعت اور نذرانے بھی دیتا، حضرت برہان الدین غریب سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر گزر چکا ہے، اسی طرح اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منور سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت بھیجا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان گاؤں کے جو طالب ہوں ان ہی کو دو۔

سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا۔ یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی۔ لیکن سلطان ان سے مل نہ سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل نخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار میں پہنچے تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے ....

''چوں سلطان ... شیخ رادید طاقت نیاورد، بہ تعظیم تمام پیش آمد ومصافحہ کرد''۔

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ ان کا بے حد معتقد ہوگیا، اور عرض کی کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی، اور نہ ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا، پہلے ہانسی کو دیکھو، پھر درویش بچہ ہانسی کو۔ یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام اہل اسلام کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہیے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا، کہا.........

''آنچناں کہ مقصود شیخ است ہم چناں کنید''۔

شیخ نے فرمایا مقصود فقر اور باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ دے کر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھ کر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ تنکہ لے کر کیا کرے گا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار تنکے دے کر پھر دونوں کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا، بالآخر دو ہزار تنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا، اور فرمایا درویش کے لئے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے، لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار کی رقم لے لی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لئے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقرا میں تقسیم کر دی۔

مذکورہ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لئے کیں۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۸۰_۸۱)۔

جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے، عام طور سے تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور قلمبند کر دیتے ہیں، جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شان عظمت وجلالت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کیا عجب ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ پائے جاتے ہیں، جن کے مصنفین کو تیموریوں سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا۔

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھہ نہیں بلایا تھا، بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا.........

''چوں سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود برد''۔ (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹)۔

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم میں ہے..........

"خدمت شیخ نصیر الدین محمود علیہ الرحمہ والغفران را سلطان محمد در ٹھٹھہ برابر خود بردہ بود و اندران ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھہ بحضرت الہ پیوست وحضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین محمود برابر سلطان فیروز گشت"۔ (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۸۲)۔

حضرت چراغ دہلی اور سلطان فیروز شاہ :

مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۳۵ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود ان علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے، جنہوں نے ٹھٹھہ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتاً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے..........

"جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ٹھٹھہ گیا، تو وہ حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بے کس بندوں کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤں گا اور ان پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلایا کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کریں گے، ... ہی ہوا، جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز شاہ نے چالیس

سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرمے بھیجے، جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی۔ (صفحہ ۲۹)۔

حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ اور خانجہاں :

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہان حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا، اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت و ریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تم وزیر مملکت ہو، تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجتمندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، خانجہاں نے اور اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا تو فرمایا، اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔

چنانچہ خانجہان مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خانجہاں اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا۔ اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا تو پلنگ کے پاس ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھوالیتا، اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قریب دفن ہوا، تمام خلقت خدا نے اس کے لئے ماتم کیا (افسوس کیا) اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا، یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ خانجہاں کی خدا ترسی اور عدل پروری کی جلا حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ہوئی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے

شمس سراج عفیف رقمطراز ہے..........

''خانجہاں وزیر صاحب تدبیر اور خداترس تھا، ہروقت رعایا کی بہتری وفلاح کی کوشش میں لگا رہتا کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روانہ رکھتا، اگر کوئی مقطع ظلم کرتا اور مال لے کر آتا، تو خانجہاں مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہروقت رعیت کی راحت رسانی میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا، اور دل وجان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی باز پرس سے بری کرادیتا۔ خانجہاں کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہیں''۔ (تاریخ فیروز شاہی، از شمس سراج عفیف صفحہ ۴۲۳، ۴۲۲)۔

حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کی ملاقات :

جب حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ سلطان فیروز کے ساتھ ٹھٹھہ سے واپس ہو رہے تھے تو انہوں نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ ان کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو برہنہ پا دوڑے، اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منور نے حضرت چراغ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغ نے شیخ منور کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے، اور اپنے پیر ومرشد کو یاد کر کے بہت روئے اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی جس میں دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منور نے حضرت چراغ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں، حضرت چراغ نے حضرت منور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، امامت آپ کے لئے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ پیر ومرشد نے ہم دونوں

بھائیوں کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت اس سے مشرف فرمایا۔ اس لئے امامت کے لئے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے، مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لئے آگے بڑھے۔ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفان حق نماز ادا کر رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر ''قرآن السعدین'' ہے۔ (تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۸۱،۸۷)۔

دونوں بزرگانِ دین میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منور کے یہاں جب حضرت چراغ دہلی کا کوئی مرید آتا، تو فرماتے، آؤ میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادر زادہ ہو، پھر اس پر بے حد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ دہلی کی قدم بوسی کے لئے آتا تو آپ اس کو اپنی آغوش شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ میں اعزاز واکرام کے ساتھ مہمان رکھتے۔

(تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۸۴)۔

ذوقِ سماع :

خواجگانِ چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا۔

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کردم ہم کردی
قلم بر بے دلاں گفتی نہ خواہم راند ہم راندی

مولا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے، تو یہ کفر ہے۔ اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انہوں نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا، اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغ کو ان شعروں پر بڑی بے قراری ہوئی۔

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم
عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغ بچۂ می خوارہ
صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا ....

"ہاں مولانا بنویس ایں جا چہ جہل بود"۔

(جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز و اخبار الاخیار صفحہ ۷۶)۔

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا، تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے۔ (مفتاح العاشقین، صفحہ ۲۵)۔

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی، قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا، تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلافِ سنت ہے، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ سنایا گیا تو آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔ (اخبار الاخیار، صفحہ ۷۶)۔

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں حضرت چراغ دہلی سے مزامیر، دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم شریعت میں رہے، اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا تو پھر کہاں کا رہے گا، اور نجات کی کیا صورت ہوگی، اول تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے، اگر چہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں۔

(خیر المجالس مجلس ہشتم و اخبار الاخیار صفحہ ۷۶)۔

سماع کے متعلق فرمایا.........

"دارو ئے درد مندان است"۔

اور سماع میں ذوق درد دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے۔

(پوری بحث کے لئے دیکھو، مفتاح العاشقین مجلس ہشتم)۔

قاتلانہ حملہ :

ایک روز حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر مسمی تراب وہاں پہنچا، اور چھری سے پے در پے حملے کئے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن حضرت کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خود دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص عبدالمقتدر، شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا اور بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۴)۔

ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا و تسلیم کا خاتمہ ان پر ہو گیا تھا۔

وصال :

اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک اور خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی۔

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا، کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرما دیں، تا کہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ، جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ

ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے۔ لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرتے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقہ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ، خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبیں نعلین میرے بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا، اس کی دوڑیاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈالیں کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہے۔ مزار اقدس دہلی میں ہے۔

(سیر العارفین صفحہ ۴۵)۔

لطافت طبع :

طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی نظافت تھی، حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم صفحہ ۱۱۲ میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ آپ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک وصاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جسم مبارک پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کی انبار لگا رہتا تھا۔

تجرد :

کسی وجہ سے تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے۔

بزرگی :

خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقمطراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابو حنیفۂ وقت، اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی جگہ پر تھے۔ (خیر المجالس جلد دوم)۔

مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ

الاخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین اور ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

لطائف اشرفی جلد اول، صفحہ ۳۶۲ میں ہے.........

''حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ ہر چند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخوخیت وارشاد و بر جادۂ شریعت و انقیاد بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بداں رتبہ ہیچ کس از خلفاء نتواند رسید و آں مقدار آثار ولایت و کرامت و انوار ہدایت و عظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست از ہیچ کس ظاہر نشد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشاں نتوانست''۔

سیر العارفین میں ہے کہ.........

''وہ مبارز نبرد جہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر، وہ صنوبر ریاض ریاضت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ و تشبیہ، وہ عامل تنقیح و توضیح وہ برگزیدۂ معبود تھے۔...... وہ مشائخ کبار میں ممتاز و مستثنیٰ اور مجردان روزگار میں ''اولی الابصار'' تھے''۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۰)۔

شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بہ بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۷۴)۔

سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۷۱ میں ہے کہ حضرت خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی، خزینۃ الاصفیاء میں ہے.........

''صاحب الاسرار زبدۃ الابرار و عابد عظیم و زاہد کریم بود''۔ (صفحہ ۳۵۳)۔

ملفوظات :

حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے، (۱) خیر المجالس

مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر۔ (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ، ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی۔ اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں، تمام صوفیانہ رموز ونکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کئے گئے ہیں، اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گزشتہ صفحات میں اس کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیہ ناظرین ہیں.........

جذب وسلوک :

فرمایا سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقہ ذکر وفکر کی تعلیم دے سکے، اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو وہاں مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بجذبہ اور ایک مجذوب متارک بہ سلوک ہوتا ہے۔ سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم، عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال میں خونِ جگر پیتا ہے، رنج وتعب اٹھاتا ہے۔ اس کو نفس اور شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہوکر عابد وزاہد رہتا ہے، اور مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے، جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں۔

حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونوں کی متابعت کی جاسکتی ہے، لیکن مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے، حضرت چراغ کے نزدیک سالک متدارک بجذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کرلیتا ہے۔ لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا، ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے۔

(خیر المجالس مجلس دہم ومجلس سی ونہم)۔

حال وقال :

فرمایا ایک مبتدی تلاوت کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے، اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت وریاضت سے معمور کرلیتا ہے تو وہ صاحبِ وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے، جس میں انوار نازل ہوتے ہیں، اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے، اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا۔ اگر اس کو دوام حاصل ہوجاتا ہے تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے۔

(خیر المجالس مجلس دہم ومجلس سی ونہم)۔

اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کردیتا ہے۔

صحت نفس :

حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لئے مخالفت نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اس شعر میں پیش کیا۔

صحت نفس وقوتِ یک روزہ
بہتر از تاج و تخت فیروزہ

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جو چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے.........

"تمام شد، ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز تاریخ سیزدہم ماہ صفر ۸۱۰ھ نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر"۔

۸۱۰ھ کتابت وطباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ کا

وصال ۷۵۷ھ میں ہوا۔

مفتاح العاشقین میں صرف دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ان میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

غسل کی قسمیں :

فرمایا ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے۔ (۱) غسل شریعت، یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا۔ (۲) غسل طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا۔ (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا۔ (صفحہ۴)۔

چار عالم :

فرمایا ایک مرید کو راہِ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو وہ دروغ گو ہے۔

(۱) ناسوت۔ (۲) ملکوت۔ (۳) جبروت۔ (۴) لاہوت۔

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس میں حواسِ خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گزر کر عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اس کے افعال صرف تسبیح تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں، اس عالم کو طے کر کے وہ عالم جبروت میں آتا ہے۔ جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب وجد، سکر، سہو، مجد اور محو کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے۔ یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت، عالم ملکوت، دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت ''نظر رحمان'' کی صفت ہے۔

تجلیہ روح :

ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا۔ اس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور

حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصولِ شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور اس کے لئے کم کھانا، اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصولِ طریقت سے تصفیہ دل ہوتا ہے، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے، حصولِ حقیقت سے تجلیۂ روح ہوتا ہے۔

اس کے لئے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیۂ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں ......

(۱) گوہر ذکر۔ (۲) گوہر عشق۔ (۳) گوہر محبت۔ (۴) گوہر سر۔ (۵) گوہر روح۔ (۶) گوہر معرفت۔ (۷) گوہر فقر۔

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس میں شوق و اشتیاق، درد، اندوہ، حیرانی اور بے خودی رہتی ہے۔ اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے، اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے۔ جس سے گوہر سر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے، جب کہ سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا، پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں، گوہر معرفت کے روشن ہونے سے سالک جو کچھ سنتا ہے خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لئے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے تو انوارِ تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے اور وہاں خدا کی قدرت سے چوں اور چگوں کا تماشا دیکھتا ہے، اور قدرت خداوندی میں جو چیزیں ہیں وہ اس کی ''روزی'' ہوتی ہے، مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہیے کہ اس سعادت سے محروم، (بے نصیب) نہ

ہو جائے۔(صفحہ۱۲)۔

محبت کی قسمیں :

ایک مجلس میں خالصۂ محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی، اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس اور شیطان جادہ محبت سے گمراہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی، اور نفس شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گزاری ضروری ہے۔

خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کردے، اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے، یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے۔

خلفاء :

حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفاء میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے..........

'' حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے، ان کا شمار منفرد اولیاء میں کیا گیا ہے، انہوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے، ان کی تصنیف بحر المعانی ہے، جس میں حقائق و توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہیں، طرز بیان مستانہ ہے، اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام

پنج نکات ہے، بحر الانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے، اس میں اہل بیت و رسالت کا نسب نامہ ہے، جس میں اپنے نسب کو بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعویٰ کثیر ہیں، اور ان کے بیانات سے ان کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آباؤ اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے اور یہیں مدفن ہے۔(صفحہ ۱۲۸)۔

حضرت سید محمد کے مزید حالات اور ان کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکورۂ بالا تذکرہ میں ملیں گے۔(دیکھو اخبار الاخیار صفحہ ۱۳۳ ـ ۱۲۸)۔

حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں......

حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) گجرات بھیجے گئے۔ یہاں اطراف و جوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا، مزار دہلی ہی میں ہے، شیخ دانیال (سترکھ) شیخ صدر الدین علم طب میں ان کی ایک تصنیف فصیح و متین مشہور ہے۔ دہلی میں مدفون ہیں، خواجہ معین الدین خورد (مرگھا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین میں ان کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) حضرت شیخ عبد المقتدر (مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے ہیں، مزار جونپور میں ہے)۔ حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا شاہ خواجگی (کالپی)۔ (حضرت شاہ خواجگیؒ، شاہ ابو الاعلیٰ مودودی براس شریف ضلع کرنال کے والد گرامی ہیں) شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنتوری (لہرائچ) شیخ قوام الدین (لکھنؤ)۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ، ترمیم و اضافے کے ساتھ)۔

حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ
مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اسم گرامی ولقب :

اسم گرامی سید جلال الدین تھا، لیکن عام طور پر ''مخدوم جہانیاں جہاں گشت''
کے لقب سے مشہور ہیں، اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید
کے روز آپ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین اور حضرت شیخ
رکن الدین کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبہ میں عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی
جانب سے عیدی میں ''مخدوم جہانیاں'' کا لقب ملا، اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے
تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ ''مخدوم جہانیاں'' آتے ہیں۔ (سیر العارفین
جلد دوم صفحہ ۴۹)۔

چونکہ سیاحت بہت کی، اس لئے ''جہاں گشت'' بھی کہلائے، ان کی سیاحت
کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے۔

''سیاحت بسیار کردہ واز بسیار از اولیاء نعمت و برکت یافتہ''۔ (صفحہ ۱۳۲)۔

مراۃ الاسرار میں ہے ....

''واکثر سفر ربع مسکون نمودہ، وجمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ وچہل یک کردہ را
یافت''۔

خاندان :

حضرت سید جلال الدین بخاری کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا،
تذکرہ نگاران کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں۔
(اخبار الاخیار صفحہ ۵۹ وخزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۵۷)۔

وہ بخارا سے بھکر آئے۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حضرت سید
جلال الدین بخارا سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے)۔
اور بھکر سے ملتان آ کر حضرت بہاؤ الدین زکریا سے بیعت کی، اور تعلیم و
تربیت کے بعد خرقۂ خلافت بھی پایا۔
(سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۶ وفرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۱۳)۔

ان کی بزرگی کے بارہ میں سفینۃ الاولیاء (صفحہ ۲۱) میں ہے ....

''از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودہ اند''۔

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدر الدین کی لڑکی
سے عقد کیا، اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دی تھی، اس
کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اُچہ منتقل ہو گئے، اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور
یہیں ان کی ابدی خوابگاہ بھی ہے۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۵۹)۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کے پانچ فرزند ہوئے، حضرت سید
جعفر، حضرت سید علی، حضرت سید احمد کبیر، حضرت سید بہاؤ الدین اور حضرت سید محمد
غوث، حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت حضرت سید احمد کبیر
کے فرزند ارجمند تھے۔

تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ یہ ہے۔

مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو الحسین بن کبیر الدین احمد بن سید
جلال الملۃ والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد (فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۱۲
میں ہے، جعفر بن محمد بن احمد بن محمود)۔ بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر (الدر المنظوم
کے دیباچہ میں علی الاشغر ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے)۔ بن عبد اللہ جعفر (الدر
المنظوم کے دیباچہ میں ابو عبد اللہ جعفر الکذاب ہے، لیکن فرشتہ میں صرف علی اصغر بن جعفر
بن امام علی الہادی ہے)۔ ابن امام علی نقی علیہ السلام۔ (یہ نسب نامہ حضرت مخدوم جہانیاں کے

ملفوظات کے اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ میں تذکرۃ السادات کے حوالہ سے درج ہے)۔

حضرت سید احمد کبیر حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردی کے مرید تھے۔ (الدر المنظوم مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۰۶)۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرمایا.........

''والد مخدوم کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سردی اور گرمی میں کوئی چیز اوپر کھینچ لیتے تھے، اور اسی پر کفایت کرتے، ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے، ایک دن میں ایک رات میں، نہایت بزرگ آدمی تھے''۔

(الدر المنظوم مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۳۸)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا.........

''جس وقت مخدوم والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینہ مبارک سے نعرے نکلتے تھے''۔

(الدر المنظوم مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۴۶)۔

ایک اور موقع پر ہے.........

''جس وقت والد دامت برکاتہ نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے، اور زار زار روتے تھے''۔ (الدر المنظوم مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۵)۔

ولادت و طفلی :

حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اُچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی، سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اُچہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ جمال خنداں کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، انہوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں،

حضرت سید جلال الدین کو یہ ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کیوں کھالیں؟۔ جواب دیا کہ آپ کے دستِ مبارک سے جو کھجوریں ملیں، ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ سن کر حضرت شیخ جمال خنداں نے فرمایا، ''تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کے نام روشن کروگے''۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۷۔۴۶)۔

تعلیم :

ابتدائی تعلیم اُچہ ہی میں پائی، لطائف اشرفی جلد ا صفحہ ۳۹۰ میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد غوث بخاری سے حاصل کی، پھر اُچہ کے قاضی علامہ بہاؤ الدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھیں، ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اس لئے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاؤ الدین زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین خاص شفقت سے پیش آئے، اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی، اور ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزدوی ختم کیں، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے ان کو اپنی کشتی پر سوار کرا کے اُچہ واپس بھیج دیا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۵۰۔۵۰۶)۔

اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرأتیں سیکھیں۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۷۴ و صفحہ ۵۶۸ میں ہے کہ ایک محدث و فقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں آکر ٹھہرے تو ان سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں)۔

تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں۔ (الدر المنظوم صفحہ ۶۱۷۔۶۰۶)۔

دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی تصنیف

عوارف المعارف کے درس لئے، شیخ مدینہ عبداللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے، اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی اور عوارف ان سے پڑھتے رہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٧٦٨)۔

وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا، میں نے ان سے ایک روز عرض کیا، اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں؟۔ آپ میرے مخدوم اور استاد ہیں، لیکن انہوں نے فرمایا، تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمہارے پاس آیا کروں گا، تم رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہو، حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت ومحبت کا ذکر بار بار فرماتے ہیں، رمضان شریف میں مسجد نبوی میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لئے دو قرص لاتے، اور جب وہ مسجد نبوی ﷺ کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے، تو شیخ کہتے، اے فرزند رسول اللہ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے، کم کھاؤ گے تو کمزور ہو جاؤ گے، ان کے پاس واپس کیونکر جاسکو گے، زیادہ کھانے سے تمہارا دین کمزور نہ ہو جائے گا، بلکہ قوی ہوگا۔

شیخ مدینہ کی شفقت ومحبت کی بنا پر مسجد نبوی ﷺ میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی۔ (الدر المنظوم صفحہ ٥٠٤۔٦٠٣)۔

حضرت سید جلال الدین بخاری نے شیخ عبداللہ مطری سے عوارف کا درس اس خاص نسخہ سے لیا جو خود شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، شیخ عبداللہ مطری نے وفات کے وقت اس نسخہ کو شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ......

اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس پہنچا دیا جائے، چنانچہ شیخ مکہ نے ایک حاجی کے ذریعہ اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس بھیج دیا، جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٤٧٩۔٤٧٨)۔

عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی ان کے وطن قصبہ شومارہ (عراق) میں جا کر پڑھا، یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ جب حضرت سید جلال الدین ان کی خدمت میں پہنچے، تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی۔ (الدر المنظوم صفحہ ٧٦٨)۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مرتب سید علاؤ الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ١٣۔١٢)۔

دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ

''جامع است میان علم و ولایت۔ (اخبار الاخیار صفحہ ١٣٣)۔

سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہ از محتشمان روزگار و عارفان صاحب اسرار بود و در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و استغنا نظیر نداشت''۔ (مراۃ الاسرار)۔

علوم وفنون سے برابر گہرا شغف رہا، چنانچہ رشد وہدایت کے زمانے میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک) کبھی احادیث نبوی (مثلاً صحاح ستہ، مشارق الانوار، مشکوۃ المصابیح) فقہ میں کبھی ہدایہ کبھی تصوف کی کتابیں عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ وغیرہ، کبھی قصیدۃ لامیہ، کبھی مختلف اوراد اور کبھی شرح نود و نو اسما کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے (الدر المنظوم صفحہ ٤٤٧۔٥٦٥و٩٦٧و٤٧۔٦١١، ٦٩٣۔٦٧٨۔٥٩٥، ٣٨۔٧١٢٧٠٢۔ و٥٥٦۔١٢،٢١٢، ٦٠٠)۔

بیعت خلافت :

شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاؤ الدین زکریا کے نامور پوتے حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذات اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن

الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہیں تشریف لے جارہے تھے دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سید جلال الدین بخاری وہاں آکر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤں رکھ کر آسانی سے اتر جائیں، مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی .... منہ میں دبا کر اپنے شفیق مرید سے فرمایا، نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے، لیکن اے سید! ولایت کی اقلیم پر تمہارا تصرف حد بشریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہہ کر حضرت جلال الدین کو دست مبارک سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگالیا۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۵۰)۔

لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۳۹۱ میں ہے............

''حضرت شیخ اشرف الدین مشہدی نوشتہ اند کہ حضرت مخدوم جہانیاں خلافت و اجازت از صد و چہل و چند اولیا را شیخ و مشائخ اہل ارشاد خرقہ معنعن وسلسلہ با حضرت رسالت ﷺ یافتہ اند و علم شریعت و طریقت و حقیقت وتصوف از ایشاں گرفتہ اند''۔

مراۃ الاسرار میں سید جلال بخاری کے ذکر میں ہے کہ............

''اکثر سفر ربع مسکوں نمودہ و جمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ چہل و یک کردہ را دریافت وہم در کتاب مذکور شیخ راجو قتال نقل می کند کہ او از سی صد و چند مشائخ صاحب ارشاد نعمت یافتہ و خرقۂ اجازت از دست ایشاں پوشیدہ بود''۔

مذکورہ بالا تذکرۂ میں یہ بھی ہے کہ............

''مخدوم جہانیاں اول بخدمت شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم تربیت یافت و از دست وے خرقہ پیراں سہروردیہ پوشید''۔

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۴)۔

لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ

رکن الدین رحمہ اللہ نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا، اور ''قطب عالم'' کے لقب سے یاد فرمایا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۵۷)۔

جن بزرگوں اور مشائخ نے ان کو خلافت کے خرقے پہنائے، ان کی تعداد بیس بتائی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں............

(۱)...... والد بزرگوار سید کبیر۔

(۲)...... والد ماجد نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا۔

(۳)...... حضرت شیخ رکن الدین (خواب میں)۔

(۴)...... حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں)۔

(۵)...... حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ)۔

(۶)...... حضرت شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ)۔

(۷)...... حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔

(۸)...... شیخ مکہ عبداللہ یافعی۔

(۹)...... شیخ مدینہ عبداللہ مطری۔

(۱۰)...... حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصال۔

(۱۱)...... شیخ مرشد ابواسحاق گازرونی۔

(۱۲)...... شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین۔

(۱۳)...... حضرت سید جہدہ حمید حسینی۔

(۱۴)...... شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔

(۱۵)...... سیدی احمد کبیر رفائی کبیر۔

(۱۶)...... حضرت شیخ نجم الدین صغانی۔

(۱۷) ..... حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں)۔

(۱۸) حضرت خضر۔

(۱۹) حضرت اوحد الدین حسینی۔

(۲۰) حضرت شیخ نور الدین۔ (الدر المنظوم صفحہ ۱۷۔۱۶)۔

شریعت کی پابندی :

لیکن تصوف وعرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی شروع سے آخر تک پابندیٔ شریعت اور اتباع سنت میں گزری، راہ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے، لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا، خود فرماتے ہیں کہ حقیقت شریعت ہے اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۴۱۳)۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے وہ طریقت وحقیقت کو نہیں جان سکتا ہے، شریعت بمنزلہ میوے کے ہے اور طریقت وحقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں۔ (الدر المنظوم صفحہ ۴۱۴)۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے، لیکن شریعت سے واقف نہیں، تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اس کو حاصل نہ ہو۔ (الدر المنظوم صفحہ ۱۹۱)۔

ایک جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص شہر اُچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اس کے پاس عوام وخواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت سید جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے، جب اس کے پہلو میں جا کر بیٹھے تو اس نے کہا اے سید! ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدین یہ سن کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا اے بدبخت، تو کافر ہوگیا، پھر

سے کلمۂ شہادت پڑھ اور اسی وقت اٹھ کر قاضی شہر کے پاس آئے کہ اس بدبخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کردو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہوچلا تھا، اس لئے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس وپیش کی، حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی تو پھر بادشاہ سے جا کر کہوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۰۴۔۵۰۳)۔

تارک صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے، انہوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے نماز معاف کردی ہے، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا، وہاں امراء اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اس ہجوم سے گزر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا، میں نے اس کو سلام نہیں کیا، بلکہ جا کر بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟۔ حضور ﷺ کا قول ہے ''الفرق بین المؤمن والکافر الصلوٰۃ'' یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے۔

درویش نے جواب دیا، سید! میرے پاس جبریل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لئے نماز معاف کردی گئی، اور تم مقرب خاص ہوگئے، میں (حضرت سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو، محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہوسکتی ہے؟ وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں جبریل ہوں، جبریل وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے، اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے۔

درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت لذیذ ہوتا ہے، اس میں لذت محسوس کرتا ہوں

میں نے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ آئے تو **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنا، میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا، اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا، اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا، وہ میرے سامنے سے غائب ہوگیا، اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہوکر میرے ہاتھ سے گر پڑا، اور میرے سارے کپڑے نجس ہوگئے، اس کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی، اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں، ان کی قضا پڑھوائی۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۱۷، ۴۴۶۔ ۴۴۷)۔

اپنے مریدوں کو نماز باجماعت کی بڑی تاکید فرماتے، اور جماعت کے تارک کو ارشادِ نبوی کی بنا پر ملعون اور بدعتی کہتے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۱۲۱۔ ۹۸)۔

اپنی ایک مجلس میں اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے، اور نماز کے لئے حاضر نہ ہو تو اس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے، اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی، وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۸۱)۔

سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آجاتے، اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۱۰)۔

اتباع سنت :

اپنی مجلس میں فرمایا کہ ایک سالک کو چاہیے کہ سرورِ عالم ﷺ کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی، اہل بدعت، بدعت کو قربت جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، داڑھی ترشواتے ہیں جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں، لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.........

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ○ اى فاتبعونى بالافعال والاقوال والاحوال یعنی اے محمد! تم لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کی

محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو، پس اللہ تم کو دوست رکھے گا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۲۸)۔

حضرت مخدوم جہانیاں خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے۔ اسی لئے احادیث نبوی سے غیر معمولی شغف تھا۔ ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ میں احادیث پیغمبر ﷺ کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے، جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح وتوضیح ہے۔ اپنی مجلسوں میں احادیث نبوی کا ذکر بار بار فرماتے، اور ان ہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے، اپنی روزمرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے۔ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھی تھیں۔ (مثال کے لئے دیکھو الدر المنظوم صفحہ ۳۴۸۔ ۳۶۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۲۔ ۴۸۰)۔

زیادہ تر ان ہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے ہیں، جن کا ذکر حدیثوں میں ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۶۔ ۳۶۵۔ ۳۷۵)۔

اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے، بلکہ کچھ دیر سو رہتے، فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا، اس نے ترک سنت کیا، کیونکہ حضور ﷺ کا قول تو یہ ہے کہ **انا اصلی وانام** یعنی میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۱۷)۔

کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے۔ اور فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے، اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۷)۔

آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منہ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے۔

(الدر المنظوم صفحہ ۲۴۲)۔

کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا، اور سو رہتا ہے اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے۔

(الدر المنظوم صفحہ ۵۸)۔

پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے یہی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا طریقہ تھا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۹۰)۔

رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، قے کے خلال سے پرہیز کرتے۔ اور اس کو مکروہ بتاتے، اس لئے کہ یہ سنت نہیں ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۲۹)۔

ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے، ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ نہ پہنوں گا۔ پھر یہ حدیث پڑھی کہ ریشم اور سونا رسول اللہ ﷺ کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے واسطے حلال کیا گیا۔ اسی طرح باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہوا اس کا دین باریک ہوا، پیروی سنت میں گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے، ایک بار ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا خدمت میں پیش کیا، اس کو قبول کر کے فرمایا، نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینہ منورہ میں رسول ﷺ کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا۔ جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ضرور دیتے۔ اور فرماتے صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ دو اگر بدلہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعائے خیر کرو، یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گیا، اتباع سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے، اسی طرح اور جزوی باتوں میں بھی اتباع سنت کا لحاظ

رکھتے، چنانچہ مراۃ الاسرار میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ذکر میں ہے.........

"و در جمیع امور صوری اور معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی ﷺ می رفت"۔

کرامات :

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیہ میں سے کسی سے نہیں ہوئیں۔ اسی لئے وہ "مظہر العجائب" اور "مصدر الغرائب" کہے جاتے تھے۔ لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں ان کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے۔ فرماتے ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے پانی پر چلے، اس کے لئے زمین اور آسمان کی طنابیں کھینچ جائیں، لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا پیرو نہ ہو۔

(الدر المنظوم صفحہ ۵۴۵)۔

سیاحت :

حضرت مخدوم جہانیاں کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ میں نہیں ملتی، لطائف اشرفی میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف و حقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے، لیکن مخدوم جہانیاں کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا، انہوں نے ربع مسکون کی سیاحت کی، اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انہوں نے فوائد حاصل نہ کئے ہوں۔ (لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۳۹۰)۔

اخبار الاخیار میں اور بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور اس میں صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری نے سیاحت بہت کی اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت اور برکت حاصل کی۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۳۲)۔

خزینۃ الاصفیاء میں ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں دو سال رہ کر گازرون آئے، گازرون سے مصر، شام، عراق، بلخ، بخارا، اور خراسان کی سیاحت کی، اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۵۸)۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے، اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں، سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۵۸ میں ہے ''درعہد سلطان محمد تغلق شیخ الاسلامی وسند خانقاہ محمدی در سیوستان با مضافات بوئے مخصوص گشت''۔

اور میرے تصرف میں چالیس خانقاہیں دیں، میرے مرشد شیخ رکن الدین خواب میں نظر آئے، اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا، صبح کو شیخ کے امام نے کہا کہ سید جلد روانہ ہو جاؤ۔ شیخ نے اشارہ کیا ہے میں مخدوم والد دامت برکاتہ سے اجازت لینے روانہ ہو گیا، میرے پاس خرچ نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فتوحات پہنچائیں، ایک شخص حج کو جا رہا تھا۔ مگر اس کے گھر والوں نے اس کو لوٹا لیا، اس نے زادِ راہ مجھ کو دے دیا ایک گھوڑا بھی نذر کیا، لیکن میں نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دے دیا، وہ مدقوق تھے، میں پاپیادہ حج کو روانہ ہوا اور حج سے پہلے پہنچ گیا، اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے مشرف ہوا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۵۵۔۳۴۵)۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں میں سات سال مکہ معظمہ میں مجاور رہا، وہاں ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ میں سات برس تک مسلسل سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے۔ میں تو وہاں سے چلا آیا، معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور انہوں نے اس تفسیر کو جاری رکھا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۶۷۔۵۰۸)۔

مکہ کے قیام میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم ظاہری و باطنی دونوں

حاصل کیے۔ (عبداللہ یافعی حضرت سعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ وطن یمن تھا، لیکن تمام عمر حرمین شریفین میں رہے، مذہب شافعی رکھتے تھے، تاریخ یافعی و روضۃ الریاحین کے مصنف ہیں، اولیاء اللہ میں شمار کیے جاتے ہیں)۔

اور ان سے خرقہ بھی پایا، ملفوظات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی دو سال تک رہے۔ اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کر کے ان سے بھی خرقہ پایا، مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا تو ایک وقت مسجد نبوی کے امام نہ آسکے تو شیخ عبداللہ مطری نے مجھ کو امامت کا حکم دیا، اور فرمایا اے سید تم امامت کرو، تاکہ یہ شرفاء تمہاری اقتدا کر لیں ورنہ یہ کسی اور کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے۔ میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہو گئی، اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفاء میری اقتداء میں ہیں، شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے، تو وہ نماز نہ پڑھتے۔ یا دوسری جگہ جا کر ادا کرتے، یا جب میں پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے، وہ جانتے ہیں کہ تم شریف ہو، اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں، عجیب گروہ کے لوگ ہیں۔
(الدر المنظوم صفحہ ۱۶۲)۔

فرماتے ہیں مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطب عدن کی زیارت کے لئے عدن گیا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا، اے فرزند رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف لوٹ جاؤ، اور وہاں سے اس وقت تک نہ نکلو جب تک تم کو وہ شخص اجازت نہ دے، جس نے تم کو وہاں بھیجا ہے۔ اور وہ شیخ قطب عالم رکن الدین ہیں، میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کو اس کی خبر کس نے دی، پھر میں نے سوچا کہ کرامت سے دریافت کیا ہوگا، وہ بیمار تھے، چند دنوں بعد وفات پائی، وفات کی تیسری رات میں حضرت شیخ رکن الدین کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ کو خرقہ پہنایا، اور فرمایا کہ کل فقیہ بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے، یہ خرقہ فقیہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو

پہنا دینا۔ (الدرالمنظوم صفحہ ۶۰۷_۶۰۶)۔

فرماتے ہیں ''شیخ مکہ عبداللہ یافعی، شیخ عبداللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے مجھ سے کہا کہ عراق میں شوکارہ ایک شہر ہے، وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید رہتے ہیں ان سے جا کر ملو، میں ان سے ملا، ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو وہ ایک سو تیس سال کے تھے۔ لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر نماز کو جاتے تھے، میں نے ان سے عوارف پڑھی، میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا، اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انہوں نے خرقہ عطا کیا، اور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی۔
(الدرالمنظوم صفحہ ۵۵۲_۷۶۸)۔

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں، میں شیخ رکن الدین کے مرید شیخ امام الدین سے بھی گازرون میں ملا، ایک مدت تک ان کے پاس رہا، وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدین سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ان کو اپنے بھائی شیخ امین الدین سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھ کو دیں۔
(الدرالمنظوم صفحہ ۵۹۹_۷۶۹)۔

شیراز بھی تشریف لے گئے، فرماتے ہیں جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے، اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں وہ مجھ سے ملنے آیا، اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور چاندی کے سکے لایا، اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمہارا بھی حق ہے، اس کو قبول کرو، میں نے معذرت کی، لیکن اس کا اصرار ہوا تو میں نے ان سکوں کو قبول کرلیا، میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا تم سے جو باتیں سنیں وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں، عجیب وغریب ہیں، میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہاء اور مشائخ سے سنا ہے۔

میرے خدمت گزار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ کے دیئے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے۔ لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آگئے، اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سید پر چار سو تنکے قرض ہیں، چار سو تنکے تو اس کے دیئے اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی، واقعتاً مجھ کو برابر فتوح پہنچتی رہی۔ (الدرالمنظوم صفحہ ۴۵۱_۷۶۴)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں..........

''جس زمانے میں، میں سفر میں تھا یمن میں ایک پہاڑ پر پہنچا تین روز میں اوپر گیا، اور تین روز میں نیچے آیا، اس پہاڑ پر ایک غار دیکھا، اذان کی آواز سنی تو غار میں گیا، دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا اور جب عام لوگ چلے گئے تو ایک شخص وہاں رہ گیا، اس کے نزدیک گیا، اور پوچھا کہ یہاں کوئی اور غار نہیں، پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں؟۔ اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں، اور جو لوگ آتے ہیں وہ ابدال ہیں، وہ میری وجہ سے آتے ہیں، تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے؟۔ تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے اس کو میں نے قید کرلیا ہے، تاکہ وہ کسی کو کاٹ نہ کھائے، جب یہ نیک ہو جائے گا تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا، موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا، اس نے اپنے نفس کو برا کہا اور یہ نہیں کہا کہ لوگ برے ہیں، اس لئے میں خلوت میں آکر بیٹھ گیا ہوں''۔

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں..........

''سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا، میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہوگیا، اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا، اس کی آنکھیں اشکبار تھیں، میں نے پوچھا تم کہاں گئے تھے، اس نے جواب دیا عالم ملکوت میں تھا۔ میں نے دریافت کیا

تمہاری آنکھیں پر آب کیوں ہیں؟ بولا میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دنیا میں غرق ہورہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے۔ میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مردار پر جان دیتے ہیں''۔ (الدر المنظوم صفحہ۶۹۲۔۶۹۱)۔

فرماتے ہیں، جب میں دمشق پہنچا، تو ایک بڑے درویش سے ملا، انہوں نے مجھ کو پاس بلایا اور فرمایا ایک روز میں اصفہان میں تھا وہاں ایک بزرگ تھے جو بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، آٹھ سو سجادہ نشینوں کی زیارت کی تھی، اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے۔ خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا، انہوں نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہوں، امیروں اور دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا، تاکہ آخرت میں نجات ہو۔ (سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور)۔

اسی کے بعد فرماتے ہیں، غزنی میں تھا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے، میں نے اس میں لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم امیروں اور دولت مندوں کی صحبت میں رہتا ہے، اس کو قیامت کے روز دوزخ میں جگہ ملے گی۔ (سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور)۔

فرماتے ہیں، میں شارستان میں تھا تو ایک چرواہا آیا، اور اس نے مجھ سے کہا، اے سید جلال! مجھ کو بیعت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سب کچھ رکھتا ہوں، لیکن کسی سے بیعت نہیں ہے، میں نے اس کی بیعت لی، لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہوگیا، اس نے ابدال کی جماعت میں شرکت کرلی، لیکن جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں معتکف ہے، اس کو دین کے کاموں میں ہوشیار پایا۔ (سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور)۔

مراجعت ہند :

تذکرہ نویس لکھتے ہیں ....

ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی نے حضرت سید جلال الدین سے خانہ کعبہ

میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہیں، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں ہے، ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدین سے ملنے کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر دہلی پہنچے، حضرت شیخ نصیر الدین نے حضرت سید جلال الدین کو دیکھ کر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا۔ حضرت سید جلال الدین نے عرض کیا۔ شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمت ہو، کہ ان کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے خوش ہوکر ان کو خرقۂ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا، اور اسی کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ ''چراغ دہلی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (سیر العارفین جلد دوم صفحہ ۴۸۔۴۷/خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۵۹،۵۸)۔

رشد وہدایت :

ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اچہ میں قیام رہا، کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے، لیکن جہاں بھی ہوتے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھتے، مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک احادیث نبوی اور فقہ پر تقریریں کرتے اور سلوک و معرفت کی تعلیم خالصۂ شریعت کے مطابق دیتے ان کے ملفوظات کا مجموعہ ''جامع العلوم ہے'' .... جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظات المخدوم ہے، ایک عالم اور ایک سالک دونوں کے لئے مفید اور پر از معلومات ہے۔ اور آج بھی خاص ذوق وشوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعے سراج الہدایہ میں احادیث نبوی کی تشریح، فقہی مسائل کی تصریح، انبیاء کے قصے، اورادو وظائف کی تفصیلات .... کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں، مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربوزہ، انار، اسبغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتائے ہیں، جن

سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے۔

نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے آتے، ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے اور تہجد کے وقت حجرے میں آ کر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا، اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو یہ دعا پڑھ کہ اے رب تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں، مجھ کو علم دے، تاکہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا۔ خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سید جلال الدین سے پوچھا کہ اس واقعہ کی کیا تاویل ہے؟ جواب میں فرمایا کہ تم ابھی دینی علوم حاصل کرو۔ (الدر المنظوم)۔

ایک بار عراق کے سادات آئے اور کچھ نذرانے ساتھ لائے، اس وقت عوارف کا درس ہو رہا تھا، سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدم بوسی کا اشتیاق تھا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا اور یہ حدیث شریف پڑھی کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی، پھر سادات کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو ذوق معنوی و صوری دونوں حاصل ہو گئے، تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا، پھر مسکرا کر کہا تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوق صوری کی تسکین ہوئی، شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں، پھر فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جب روزہ داروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں، کیونکہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٦٤١)۔

ایک بار حدودِ بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہمراہیوں کے ساتھ خدمت میں دہلی آئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بہت خوش ہو کر ان سے بغل گیر ہوئے اور

پوچھا کس غرض سے آئے ہو، عرض کیا کہ قدم بوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لئے، فرمایا: مبارک ہو، لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاؤ الدین) کے پاس ٹھہرو، وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں، میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا، لیکن جہاں تمہیں انشراح حاصل ہو، وہیں قیام کرو، شیخ زادہ معظم نے کہا کہ میں تو آپ ہی کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاں نے خادم کو کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ، میں تو روزہ سے ہوں۔
(الدر المنظوم صفحہ ٦٥٧)۔

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان سے پوچھا کس خاندان سے ہو؟ عرض کیا، سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا، حضرت سیدی احمد کبیر سے میں نے خرقہ پہنا ہے، اور انہوں نے مجھ کو خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے، وہ صوفی تھے اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو، اور بدعت سے بچو، پھر ان کو توبہ کی تلقین کی، اور خرقہ پہنایا۔ (الدر المنظوم صفحہ ٦٥٨)۔

دربارِ شاہی سے تعلقات :

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں، لیکن وہ ان کو چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا، اور کیچڑ میں پڑا رہتا۔ (الدر المنظوم صفحہ ٢٤٥)۔

حج اور سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے، تو سلطان فیروز شاہ کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی، چنانچہ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے.........

حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال اوچہ سے

سلطان کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے، جب حضرت سید جلال الدین اُوچہ سے تشریف لاتے، اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ مند تک استقبال کے لئے جاتا، اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی، بادشاہ حضرت سید کو بڑے اعزاز واکرام سے شہر میں لاتا، وہ کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفاخانے میں کبھی شہزادہ فتح خان مرحوم کے حظیرے میں قیام فرماتے، جب سید السادات اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا اور بے حد تواضع کے ساتھ پیش آتا، پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جا کر بیٹھتے، جب حضرت سید واپس ہوتے، اس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا اور جب تک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا، یہاں پر حضرت سید سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا، جب حضرت سید نظروں سے غائب ہو جاتے، اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا، سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا جو سلطان حضرت سید کے لئے بجالاتا تھا، سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید کی قیام گاہ پر ملاقات کے لئے جاتا اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی۔

اُوچہ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور غرض حضرت سید کی خدمت میں پیش کرتے اور اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلم بند کرلیں، اور جب سلطان ملاقات کے لئے آتا تو وہ ضرورت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجت مند

کی حاجت روائی کرتا، کچھ دنوں قیام فرما کر حضرت سید اوچہ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک ان کو پہنچانے کے لئے جاتا۔ (صفحہ ۱۶_۵۱۴)۔

۷۶۴ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بابنہ کے خلاف ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا، تو حضرت مخدوم جہانیاں ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہل ٹھٹھہ کے درمیان صلح ہوئی، شاہی فوج کے محاصرہ سے ٹھٹھہ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاں کی مداخلت کے خواہاں ہوئے، ان کی دعوت پر حضرت مخدوم اچہ سے ٹھٹھہ فیروز شاہی لشکر میں تشریف لائے، عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے.........

> حضرت سید جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل و جان سے قدم بوسی کی کوشش کی، حضرت سید نے ان سے فرمایا، بابا اطمینان رکھو، ان شاء اللہ چند روز میں فتح ہوگی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، حضرت سید جلال الدین نے فرمایا، ایک پارسا اور صالح عورت ٹھٹھہ میں موجود تھی، اس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھہ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا، لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھہ جلد فتح ہو جائے گا، اہل ٹھٹھہ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف فرما ہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا۔ حضرت سید نے بھی ان کی خاطر سلطان سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل ٹھٹھہ کو ان کے مطالبات سے دو چند عطا فرمایا۔ (صفحہ ۲۴۱)۔

ایک بار ۷۸۱ھ میں حضرت مخدوم جہانیاں نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا، اس وقت سلطان فیروز شاہ سومانہ کی مہم میں دار السلطنت سے باہر تھا، اس لئے حضرت

مخدوم جہانیاں کو سلطان کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا، اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہوکر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے۔ مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی کبھی اخلاق و معاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی، اور کبھی صوفیانہ غوامض و دقائق بیان کئے جاتے، ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک مرید سید علاؤ الدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا، جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم ۸۵۵ صفحے پر مشتمل ہے۔

سلطان کی عدم موجودگی میں وزراء اور شہزادے ہر قسم کی خاطر و تواضع میں لگے رہے، سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں قدم بوسی کے لئے آیا تو اثنائے گفتگو میں اس کو نصیحت کی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے۔ (الدر المنظوم، صفحہ ۳)۔

خانجہاں دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے لایا، حضرت مخدوم نے ان کو دیکھ کر فرمایا اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ بچوں کی واندہ کے لئے رکھ چھوڑوں گا، خان جہاں نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں، حضرت مخدوم جہانیاں کو جب اطمینان ہوگیا تو کپڑے قبول کر لئے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجالانا واجب ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۴۱)۔

دہلی ہی کے قیام کے زمانے میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک بھائی سید صدر الدین سلطان فیروز شاہ سے جاکر شاہی لشکر میں ملے وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۵۰)۔

ایک بار ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے، آپ سلطان کو لکھ دیں کہ مجھ کو زادِ راہ عنایت کرے۔ یہ سن کر منشیوں سے فرمایا، سلطان کو لکھ

دو، لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لے کر حج کو جاتا ہے اس کا حج قبول نہیں ہوتا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۵۵)۔

اسی قیام کی مدت میں عید الاضحیٰ بھی آگئی، حضرت مخدوم جہانیاں نے عید الاضحیٰ کا دن جس طرح گزارا اس کی تفصیل ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

عید الاضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلےٰ سے اٹھے، غسل فرمایا، اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہوکر عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے۔ تکبیر کہتے جاتے اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عید گاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جاکر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا بقر عید کی نماز جلد ہونی چاہیے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بے چارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہوکر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغہ مطبخ سے تاکید کردو کہ سلام پھیرتے ہی جاکر قربانی کرے تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے کھانا کھائیں، اس لئے کہ یہ مستحب ہے، اس اثنا میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری قبا مشروع ہے، جواب دیا، مشروع ہے۔ پھر پوچھا موئے بند سوتی ہے یا ریشمی؟ جواب دیا سوتی۔ پھر فرمایا تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا ورنہ نماز مکروہ ہوجائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم اپنے بال کو کھول دو تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں۔

اسی سلسلہ میں فرمایا بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں سلطان فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ

صدر جہان نے قدم بوسی حاصل کی، اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد علماء نے سہو کے بارہ میں حضرت مخدوم جہانیاں سے رجوع کیا، فرمایا عیدین کی تکبیریں واجب ہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے۔ لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہوگی، اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور بپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئی، اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے۔

صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے اور جب ان کے گھر پر پہنچے تو وہاں ائمہ، علماء، قضاۃ، صدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنہوں نے اٹھ کر تعظیم کی، اثنائے گفتگو میں حضرت مخدوم نے صدر جہاں کو مخاطب کر کے فرمایا، مکبر اکبار بد کہتے ہیں، ان کو منع کرو۔ یہ لفظ کفر کا ہے۔ اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا، مستحب یہ ہے کہ موذن صاحب علم اور مفتی ہوتا کہ فتویٰ بھی دے سکے۔ گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا عید الاضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے شروع کرنا سنت ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے شروع کیا، اور ہمراہیوں کو بھی کھانا شروع کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دستر خوان بچھوایا، کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے۔

(الدر المنظوم صفحہ۶۴_۷۵۲)۔

سلطان فیروز شاہ جب مہم سے واپس آیا تو اس نے شہزادہ محمود خان کو حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس بھیجا کہ ان کو جا کر شاہی محل میں لے آئے، تا کہ ان کی زیارت

جلد از جلد ہو سکے، لیکن حضرت مخدوم جہانیاں کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اس لئے انہوں نے شاہی محل میں جانا پسند نہیں فرمایا، شہزادہ محمود خان جب رخصت ہونے لگا تو حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کو کلاہ پہنائی، اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی، سلطان فیروز شاہ نے پھر اور دوسرے شہزادوں اور ارکان سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل میں ضرور تشریف لائیں، چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل میں منتقل ہو گئے۔ جہاں شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

(الدر المنظوم صفحہ۷۹۹_۷۹۰)۔

ایک روز شہزادہ مبارک خان اپنے لڑکوں کے ساتھ قدم بوسی کے لئے آیا تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی فرمایا ایسی ٹوپی پہننا روا نہیں۔ لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ تو بچے ہیں ان سے تو مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن ان کے ولی سے باز پرس ہوگی۔ (الدر المنظوم صفحہ ۸۰۱)۔

ایک روز جامع مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے، تو موذن نے اذان میں اکبر کی جگہ ''اکبار'' کہا، فرمایا یہ کفر ہے، سید الحجاب اور صدر جہاں کی توجہ اس طرف دلائی، سلطان کو خبر ہوئی تو موذن کو طلب کیا، اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، موذن حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی عتاب کا ذکر کیا، حضرت مخدوم نے اس کی دلجوئی کی اور فرمایا میں سلطان سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن اکبار نہ کہنا، اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہنا، کیونکہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں۔

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی، پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا، اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان پھولوں کو

حاضرین میں تقسیم کردیا، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں۔

اس کے بعد سلطان سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاؤالدین کی بزرگی، خرقۂ مشائخ، دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی، اسی اثناء میں حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لئے سلطان سے کہہ کر وظائف مقرر کرائے، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاں سے اپنے پوتوں کے لئے دعائیں کرنے کو کہا، انہوں نے ان کے لئے وہی دعائیں کیں جو حضرت رسول اللہ ﷺ بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان کو رخصت کرنے کے لئے حضرت مخدوم جہانیاں نردبان سے نیچے آنا چاہتے تھے، لیکن سلطان نے دست مبارک پکڑ کر نیچے آنے سے روکا، حضرت مخدوم نے کہا تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں، سلطان نے کہا واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں، سلطان جا چکا تو اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

سلطان دوسری دفعہ آیا تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاں نے بعض اشعار پڑھے جو سلطان کو پسند آئے، ان کو خود بھی لکھا اور سید الحجاب سے بھی لکھوایا وہ اشعار یہ ہیں۔

ہمت بس بلند روزی کن
کہ من از تو ہمیں ترا خواہم
یہ ان کو غافل از دے بکر نان ست
دران دم کافر ست اما نہاں است
مبادا غابے پیوستہ باشد
در اسلام بر وے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگارم

کہ من غائب شدن طاقت ندارم

(الدر المنظوم صفحہ ۸۳۶)۔

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد سلطان سے ملے، بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی، پھر لوگوں نے کچھ عرضداشتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں، جن کو اس نے قبول کیا، اسی اثنا میں سلطان خانہ میں آخری ملاقات کے لئے لوگوں کا ہجوم بڑھا، تو حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دریچہ سے روئے مبارک نکال کر لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم، میں نے تمہارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمہارے دین کو خدا کو سونپا، تم بھی مجھ کو خدا کو سونپو، پھر لوگوں کے لئے دعائیں کیں، اتوار کے روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرف جہاں نما آئے، اس وقت سلطان کی طرف سے کھانا آیا، حضرت مخدوم جہانیاں نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا۔ لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا۔ اس موقع پر فرمایا مقطع اور دوسرے ملوک کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا بالکل جائز نہیں، بادشاہ کے لئے بھی یہ باتیں حرام ہیں، ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے، بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو، صرف خدا کی خوشنودی کے لئے پیش کیا گیا ہو، البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے کچھ لوگ ساتھ تھے، تہجد کے وقت ان کو رخصت کیا، لیکن پھر بھی کچھ .... رہ گئے، چاشت کی نماز کے بعد چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لئے آئے، ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا۔ پھر ۱۷ محرم الحرام ۷۸۲ھ کی صبح کی نماز کے بعد اُچ کی طرف روانہ ہوگئے۔ بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا، لیکن چومنے نہ دیا۔

(الدر المنظوم صفحہ ۸۵۵۔۸۵۱)۔

فیروز شاہ پر بزرگان دین کے اثرات :

حضرت مخدوم جہانیاں کی صحبت سے سلطان فیروز میں جو جلا ہوئی، اس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے، وہ حضرت فرید الدین گنج شکر کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاؤ الدین کا مرید تھا، لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ و صوفیہ سے بھی بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ ملتا رہا، انہوں نے جو نصیحتیں کیں ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے.........

"سلطان نے اپنے تمام عہد حکومت میں اولیاء کرام کی متابعت کی، آخر زمانے میں مخلوق بھی ہوگیا تھا، اس نے ہر وقت مشائخ کی پیروی کی اور ان کی محبت کا دم بھرتا رہا"۔ (صفحہ ۳۷۱)۔

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیری، حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین منور کے پند ونصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو سہ صدی مکتوبات صفحہ ۹۳-۴۹۲ وتاریخ فیروز شاہی، از شمس سراج عفیف صفحہ ۲۹-۷۸)۔

اوران تمام بزرگانِ دین ہی کے فیوض و برکات کی وجہ سے اس میں شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں شریعت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں اس نے ایک رسالہ فتوحات فیروز شاہی قلمبند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے.........

"حمد بے حد اور شکر بے شمار اس خالق غفور وشکور کا ہے جس نے مجھ بے چارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن تغلق شاہ کے غلام کو سنت رسول کو زندہ کرنے، بدعنوان کو مٹانے، بری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض وواجبات کی پابندی کی توفیق بخشی"۔

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کئے، اس کی پوری تفصیل فتوحات فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقمطراز ہے.........

"گزشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً ترکاریوں کی منڈی دلالوں کے بازار، قصاب، طرب ونشاط، پھولوں کے فروخت، پان، غلہ، مچھلی، ندافی، صابون سازی، ریسماں فروشی، روغن گری، خشک چنے، تہ بازاری، قمار بازی، دادیگی، چرائی......... وغیرہ پر چنگی لی جاتی تھی، ہم نے دفاتر ودیوان کو ہدایت کردی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی کو ختم کردیں اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں، اور بیت المال میں جو مال آئے وہ شرع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب دینیہ کے مطابق ہو۔ اور وہ یہ ہیں، خراج اراضی، عشور، زکوٰۃ، جزیہ، لاوارثوں کا مال، غنیمت اور معدنیات کا خمس اور جو مال کلام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو، وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے۔ (فتوحات فیروز شاہی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ صفحہ ۹)۔

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں.........

"شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہوگیا تھا جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے، متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہوکر اور پاپیادہ جوق در جوق شہر سے باہر آتی تھیں، اور مزاروں پر جاتی تھیں، بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ وفساد پیدا کرتے، عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے۔ اگر کوئی جائے تو اس کی سزا کی جائے، حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں اور نہ زیارت کو جاتی ہیں اب یہ بدعت دور ہوگئی"۔

(فتوحات فیروز شاہی صفحہ ۱۰،۱۱)۔

کھانے، پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے.........

"گزشتہ زمانے میں دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے، اس کی ممانعت کر کے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مرصع کیا، اور وہ برتن استعمال کئے جو شریعت میں جائز ہیں۔

گزشتہ زمانے میں یہ دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویر بناتے تھے، اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں کو پہناتے تھے، اسی طرح لگام، زین، سواری کے پٹہ، عود کی انگیٹھیوں، طشت، پیالہ، صراحی، لوٹا، خیموں، پردوں، تخت، کرسی اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے، خدا کے حکم و ہدایت کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے ان تصویروں کو مٹا دیں، اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں ان کو بنائیں، اور گھروں اور محلوں اور دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں ان کو بھی مٹا دیں۔

اس سے پہلے بڑے لوگوں کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا، جو شرعاً جائز نہیں، خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے موافق ہو گئے، اور زردوزی کے جھنڈے اور زربفت کی ٹوپیاں جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو، جائز قرار دی گئیں، اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے، وہ مٹا دیئے گئے"۔ (فتوحات فیروز شاہی صفحہ ۱۴۔۱۳)۔

مندرجہ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے۔ اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے..........

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع امور کو جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے دور کیا، فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا۔

سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے، تا کہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان تصاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوف خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ اس خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے، بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔

سلاطین قدیم کے محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بت اور دوسری مورتیں رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا۔

اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے، لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا، اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا۔ وجہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لئے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ و حرام اشیاء و افعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا، اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دست کش ہو جاتا اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا۔ (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۷۳)۔

فیاضی:

بادشاہ یا معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس ہدیئے آتے تو ان کو قبول کر لیتے، ایک موقع پر فرمایا کہیں سے فتوح آجاتی ہیں تو میں قبول کر لیتا ہوں، کیونکہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ مدینہ عبداللہ المطری اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوحات قبول کر کے دوسروں تک پہنچا دو، اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے رکھو،

اسی پر برابر عمل رہا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۳۸)۔

مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے لیکن یہ تمام سکے ان ہمراہیوں کو دیدیئے جو مقروض تھے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۶۶۴)۔

شیراز ہی میں ایک شاگرد نے جو حضرت مخدوم جہانیاں سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار پیش کئے لیکن یہ تمام دینار ان ہمراہیوں کے حوالے کر دیئے، جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں انجام دینی تھیں۔ (الدر المنظوم صفحہ ۴۵۲)۔

رشد و ہدایت کے زمانے میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں رات تک تقسیم کردی جاتیں، یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا، فرماتے یہی ترک و تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے۔ پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی۔ (الدر المنظوم صفحہ ۶۸)۔

جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے، ایک بار ایک وظیفہ خوار سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے، خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے، فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دیدو، سید شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۱۷۸)۔

ایک بار ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں مجھ کو زادِ راہ اور کپڑے دیجئے، اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفہ لایا، حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے لے لیا، اور پھر کپڑے کا طلبگار ہوا، جسم مبارک پر جو کپڑا تھا وہ کسی نے عاریۃً پہنا دیا تھا کہ وہ تبرک ہو جائے اس لئے عرب سے فرمایا کہ یہ کپڑے میری ملک ہوتے تو میں تم کو دیدیتا۔ لیکن وہ عرب کسی

طرح راضی نہیں ہوتا تھا، خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، عرب نے کہا اے مخدوم آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں فرمایا، اگر وہ تمہیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا، میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا، اور اپنی گردن مبارک جھکا دی، عرب یہ خلق دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور قدموں پر گر پڑا، حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کو اپنے بغل میں لے لیا، اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۱۸۷)۔

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے، ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے ٹنکے پیش کئے، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی بارانی دیدی اور فرمایا حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ ضرور دو اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لئے دعائیں کرتے رہو، یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا۔
(الدر المنظوم صفحہ ۴۹۰)۔

مہمان نوازی :

جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے، فرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے، اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۸۶)۔

کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا اس کے لئے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے ایک حجرہ علیحدہ کر دیا جاتا۔ (الدر المنظوم صفحہ ۳۵)۔

عفو و درگزر :

خانقاہ اور قیامگاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں، لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے، ایک بار دہلی کے قیام کے زمانے میں کسی نے چادر چرالی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لئے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرالے جاتے ہیں، فرمایا ہرگز بددعا نہ کروں گا۔ بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا، میری بہت سی چیزیں مثلاً ٹکا، اور

مسجد وغیرہ چور اٹھا کر لے گئے لیکن میں نے کبھی بددعا نہیں کی۔ (الدر المنظوم صفحہ ١٧٤)۔

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز:

معتقدین غایت تعظیم وتکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے، لیکن چومنے نہیں دیتے، (الدر المنظوم صفحہ ٨٥٥)۔

بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے، فرماتے غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے، ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں۔ (الدر المنظوم صفحہ ٧٢٦)۔

خاکساری:

ایک مرید نے مدح لکھی، اور قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے، سن کر فرمایا مجھ کو گدائے عالم کہو۔ (الدر المنظوم صفحہ ٤٥٣)۔

معاصر صوفیہ کا احترام:

ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری نے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس کفش بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی، جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں۔ (مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف صفحہ ١٥١)۔

سمنان سے آکر حضرت جہانگیر سمنانی نے ان کی قدم بوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے، اور فرمایا..........

''بعد از مدتے بوے طلب صادق بہ دماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم ازگلزارے سیادت وزیدہ''۔

اس کے بعد حضرت جہانگیر کو بنگالہ حضرت شیخ علاؤ الدین لاہوری کی خدمت میں بھیجا۔ (لطائف اشرفی جلد دوم صفحہ ٩٤ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ٦٠ اور مراۃ الاسرار

میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں نے حضرت شیخ علاؤ الدین لاہوری کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات ٧٨٥ھ میں ہوئی، اور حضرت شیخ علاؤ الدین کا وصال ٨٠٠ھ میں ہوا)۔

اُچ میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے، ان کے فضائل ومناقب کا ذکر ملفوظات میں اکثر آیا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں کے والد بزرگوار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی، لیکن حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے عنفوان شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرادی تھی، حضرت شیخ جمال الدین کی اولاد سے برابر شفقت ومحبت سے پیش آتے رہے، اور ان کے لئے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرائے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٥٥١)۔

سماع:

سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے، لیکن اس شخص کے لئے مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٧٩٨)۔

اشاعت اسلام:

غیر مسلم خصوصاً ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے۔ ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہوگئی، تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی، اور اکثر مکہ معظمہ جاکر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی۔ (الدر المنظوم صفحہ ٧٩١)۔

حضرت مخدوم جہانیاں اُچ سے دہلی تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دست مبارک پر اسلام لاتے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٨٠٨)۔

ازدواجی زندگی:

حرم محترم بھی بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، ایک موقع پر فرمایا ''لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں، اور جب وہ تہجد کی نمازیں پڑھ لیتیں تو دعا گو کو بیدار کرتیں بی بی ایسی ہی چاہیے۔ (الدر المنظوم صفحہ ٧)۔

ایک اور موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بے ہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں، جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں، میں نے ان سے کہا جا کر وضو کر لو، کیونکہ بے ہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کہنے لگیں، مجھ کو بے ہوشی نہ تھی، میں نے دل کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا۔ پھر تعظیم میں کیوں نہ سجدہ کرتی۔ بادشاہ مجازی کے لئے تو ہزاروں تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہِ حقیقی کی تعظیم سجدہ سے کیوں نہ کرتی۔ (الدر المنظوم صفحہ ۵۶)۔

اولاد :

بعض لڑکوں کے نام یہ تھے، سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین، سید ناصر الدین، ان کی قبریں سکر اور بھکر میں ہیں۔ (الدر المنظوم دیباچہ صفحہ ۶)۔

جبکہ سید ناصر الدین کے متعلق خزینۃ الاصفیا میں ہے..........

"جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات در ولایت رتبہ عالی و مراتب بلند داشت، صاحب اولادِ کثیر بود..... در طریقت نسبت ارادت بہ پدر بزرگوار خود داشت و از دے خلافت و اجازت حاصل فرمود"۔ (جلد دوم صفحہ ۶۹)۔

مراۃ الاسرار میں ہے..........

"حضرت سید جلال کی بہت سی اولاد تھی، اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ کو پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تے جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اُوچ سے قنوج آ گئے تھے، اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی، اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواحِ قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلۂ ارادت سے منسلک رہے۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکار پور

میں محو خواب ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ اور بہت مشہور ہوئے۔ حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں"۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے پوتے حضرت شیخ کبیر الدین بڑے صاحب دل تھے، ان کا شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں کیا جاتا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۶۵)۔

وصال :

لطائف اشرفی میں ہے کہ رحلت کے وقت اُٹھہتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے، سال وفات ۷۸۵ھ ہے، چہار شنبہ کا دن تھا، اسی روز عید الاضحیٰ بھی تھی، عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جا ملے۔ (لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۳۹۲)۔

مزارِ اقدس اُوچ شریف میں ہے، جو ریاست بہاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

ملفوظات :

حضرت مخدوم جہانیاں کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں......

(۱) خزانۂ جلالی۔ (۲) سراج الہدایہ۔ (۳) جامع العلوم۔

خزانۂ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں ہے۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۳ فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۵۷۶)۔

لیکن یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا، سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے۔ اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے، اس میں ۷۷۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں..........

بابِ اوّل در بیان احادیث پیغمبر ﷺ، باب دویم در بیان روایت پیر و مرید

گرفتن و مسائل دینی، باب سیوم در بیان فوائد و احکام شرع جملہ بصحت کتب وقصہ قوم لوط، باب چہارم حکایات، باب پنجم در بیان قصص انبیاء و بیان دعا و نماز برائے برامدن حاجت، باب ششم در بیان احادیث مصابیح وفضائل میوہا، وخضریات بر حکم پیغمبر ﷺ وحدیث طبقات و بیان خرابی دیارہا، باب ہفتم باب ہشتم در بیان اشعار عربی ونظم وفضائل سورۂ فاتحہ، باب نہم مسائل متفرقہ۔

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید دلچسپ اور مفصل جامع العلوم ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے، اس میں دہلی کے قیام (۸ ربیع الاول ۷۸۱ھ سے ۷ محرم الحرام ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظات المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نور الحسن بن نواب سید صدیق الحسن غیر مقلد صاحب کی فرمائش پر کیا، جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا، اور ۸۵۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں، ان کے علاوہ بکثرت ایسے شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے۔

تعلیمات :

گزشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاں کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہوگا، ملفوظات میں ایسے اوراد و وظائف بکثرت ہیں جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کئے جا سکتے ہیں، ان کے علاوہ بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فقر :

فقر کے لئے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں ....

(۱) توبہ۔ (۲) علم۔ (۳) حلم۔ (۴) عقل۔ (۵) معرفت۔ (۶) عافیت۔ (۷) رحمت۔ (۸) قناعت۔ (۹) صدق۔ (۱۰) یقین۔ (۱۱) عبادت۔ (۱۲) ذکر۔

(۱۳) زہد۔ (۱۴) تقویٰ۔ (۱۵) توکل۔ (۱۶) تفکر۔ (۱۷) رجا۔ (۱۸) صبر۔ (۱۹) شکر۔ (۲۰) سخاوت۔ (۲۱) خلوت و عزلت۔ (۲۲) رضا۔ (۲۳) اخلاص۔ (۲۴) بے چارگی۔ (۲۵) اخلاق۔ (۲۶) تواضع۔ (۲۷) خوف۔ (۲۸) اعتقاد۔ (۲۹) افلاس۔ (۳۰) تحمل۔ (۳۱) شوق۔ (۳۲) تجرد۔ (۳۳) لطف۔ (۳۴).......... (۳۵) خشوع۔ (۳۶).......... (۳۷) تفصیل کے لئے دیکھو اس حقیر تالیف کا صفحہ ۶۰)۔ (۳۸) ریاضت۔ (۳۹) شرف۔ (۴۰).......... (۴۱) سرمستی۔ (۴۲) ہمت۔ (۴۳) محبت۔ (۴۴).......... (۴۵) وصل۔ (۴۶) قرب۔ (۴۷) ادب۔ (۴۸) اشتیاق۔ (۴۹) تسلیم۔ (۵۰) دیدار۔

نوٹ :

جو نمبر خالی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔

اگر مندرجۂ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہو سکیں تو حسب ذیل چیزوں کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

(۱) توبہ۔ (۲) توکل۔ (۳) حمد۔ (۴) صبر۔ (۵) شرم۔ (۶) زہد۔ (۷) قناعت۔ (۸) تسلیم۔ (۹) صدق۔ (۱۰) رضا۔ (۱۱) دیدار۔ (۱۲) تفکر۔ (۱۳) ہیبت۔ (۱۴) شکر۔ (۱۵) عصمت۔

اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجۂ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں......

(۱) توبہ۔ (۲) عبادت۔ (۳) زہد۔ (۴) صبر۔ (۵) عرفان۔ (۶) شکر۔ (۷) توکل۔ (۸) طلب دوست۔ ان میں ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے۔

اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لئے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔ فقر کے ابتدائی دور میں مذکورۂ بالا چیزوں

کے حاصل کرنے میں مشکلات درپیش ہوں تو دل سے حسب ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہیے۔

(۱) غصہ۔(۲) حسد۔(۳) بخل۔(۴) نفاق۔(۵) شہرت پسندی۔(۶) حرام چیزوں کے کھانے، پینے، لینے، سننے اور دیکھنے کا خیال۔(۷) کاہلی۔(۸) انتقام۔ان کو دور کر کے تواضع اختیار کرنا چاہیے۔

شرائط ذکر :

ذکر کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں..........

(۱)...... تصدیق یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو، اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے۔

۲)...... تعظیم۔یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل میں ہو، اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے۔

(۳)......حلاوت۔یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اٹھائے، ورنہ وہ ریاکار ہے۔

(۴)......حرمت۔اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے۔

عقباتِ سالک :

عقبات کے معنی گھاٹیاں ہیں، راہ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں، پہلی گھاٹی دنیا ہے، جب سالک راہ سلوک میں گامزن ہوتا ہے تو دنیا کہتی ہے تو کہاں جاتا ہے، لوٹ آ۔میرے پاس کتنے لذائذ ہیں، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے، لیکن سالک ان سے منہ موڑ کر ان کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے، تو وہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے، ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہیے، کہ اس کو گھاٹیوں سے پار کردے۔(الدر المنظوم صفحہ ۱۰۱۔۱۶۰)۔

مقاماتِ سالک :

سالک کے دو مقامات ہیں ابتدا اور انتہاء، مقام ابتدا توبہ ہے، توبہ دو طرح کی

ہے، ایک تو یہ کہ شریعت وطریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے یعنی حرام مکروہ چیزوں، بے ادبی اور اخلاقی ذمیمہ سے پرہیز کرے، اور دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ کرے، مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے، اور یہ قدیم یعنی باری تعالیٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے، وہ شخص کبھی عاقل نہیں جو نعمتوں سے لطف اٹھائے، اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے۔

حالات سالک :

ان مقامات کو طے کر کے ایک سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔

سلوک، وقوف، رجوع۔

سلوک سے مراد وہ حالت ہے جس سے منزل مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے، یا اس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے۔ یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے۔تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے۔

وقوف کا علاج رجوع ہے۔یعنی سالک کو صابر وشاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہیے۔اور وقوف کو دور کرنے کے لئے مفید مشاغل مثلاً درس وتدریس امامت، مساجد، کسب، مکاسب اور تعلیم صبیان اختیار کر لینا چاہیے۔لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔

(الدر المنظوم صفحہ ۲۸۷۔۲۸۵)۔

منازل سلوک :

ایک سالک کی چار منزلیں ہیں، ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت۔

منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے، جب ایک سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس منزل سے گزر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے، جو روح کی جگہ ہے، اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات سے

قریب کرتی ہیں، اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں ''خودؔ'' سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں، نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے۔ اور روح ''محل نظر رحمٰن'' ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کرے گا اس کو جنت نعیم حاصل ہوگی، اور جو روح کی فرمانبرداری کرتا ہے، اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی۔

معرفت :

جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے۔ معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے۔ نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اس کو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو افکار اور غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے۔ (الدر المنظوم صفحہ ۲۳۲)۔

خلفاء :

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا بھی خلیفہ بتایا ہے۔ ان کا ذکر آگے آئے گا، بعض اور دوسرے خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں............

سید صدر الدین راجو قتال، حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی تھے، ان کی تعلیم و تربیت میں صاحبِ کرامت ہوئے۔ وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے۔

شیخ اخی راجگری، خزینۃ الاصفیاء میں ہے............

''مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں بود، آنحضرت وے را بخطاب اخی یاد می فرمود، وطن اصلی وے موضع زہرا از اعمال پرگنہ دریاباد سرکار اودھ است بعد عطائے خرقہ خلافت صاحب ولایت دیار قنوج شد چوں در آنجا رسید از وجام خلق بسیار شد از آنجا بموضع راجگیر کہ برآب دریائے گنگ است متوطن شد''۔ (جلد دوم صفحہ ۶۴۔۶۳)۔

حضرت سید علم الدین، سادات ترمذ میں تھے۔ قنوج وطن تھا، حضرت مخدوم جہانیاں سے مرید ہو کر ان کے حکم کے بموجب جونپور آئے اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہو کر امراء میں داخل ہوئے، پٹہ پلاؤن (؟) جاگیر میں ملا، خزینۃ الاصفیاء میں ہے............

''از کامل ترین خلفاء و مریدان حضرت مخدوم جہانیاں است''۔

(جلد دوم صفحہ ۶۴)۔

شیخ سراج الدین، حافظ قرآن تھے، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۶۸)۔

وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی، مزار کالپی میں ہے۔

سید اشرف الدین مشہدی، شیخ بابو تاج الدین کبریٰ، سید محمود شیرازی، سید سکندر بن مسعود، سید علاء الدین بن سعید حسینی (مرتب جامع العلوم) سید شرف الدین سامی اور مولانا عطاء اللہ بھی اکابر خلفاء میں تھے۔ (لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۳۹۲)۔

(ماخوذ از بزمِ صوفیہ، ترمیم و اضافے کے ساتھ)۔

حضرت سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی :

اسم گرامی سید محمد، کنیت ابو الفتح، القاب صدر الدین ولی الاکبر الصادق ہیں، عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسودراز کہلاتے ہیں، خواجہ گیسودراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی، ان کے بال بڑے بڑے تھے۔ پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، پالکی کو کندھے پر لے کر دور نکل گئے، بال کے الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی۔ لیکن مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے، اور غایت تعظیم میں بال کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے، جب حضرت شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے، اور اسی وقت یہ شعر پڑھا۔

ہر کہ مرید سید گیسو دار شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اسی کے بعد سے گیسودراز مشہور ہوئے۔

(اخبار الاخیار صفحہ ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ۳۸۱)۔

نسب نامہ :

خاندانی شجرہ یہ ہے............

ولی الاکبر الصادق ابو الفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسین بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن سید ابو الحسن زید الجنیدی ابن حسین بن محمد بن عمر بن یحیٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی الاوسط زین العابدین بن امام حسین بن سیدنا علی بن ابی طالب۔ (سیرت محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت گیسودراز مطبوعہ یونانی

دواخانہ پریس سبزی منڈی، الہ آباد)۔

خاندان :

حضرت گیسودراز کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے۔ یہیں ۷۲۱ھ میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (سیرت محمدی صفحہ ۶)۔

ان کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے ارادت تھی، اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں.........

"پدر من زیاران خدمت شیخ نظام الدین بود۔ (صفحہ ۳۸)۔

ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ (سیر محمدی صفحہ ۹)۔

قیام دیوگیر :

جب حضرت گیسودراز کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والد بزرگوار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہوگئے، اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسودراز کے ماموں ملک الامراء، سید ابراہیم مستوفی تھے، یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے، جن کی صحبت میں حضرت گیسودراز کے والد ماجد برابر شریک رہتے، والد بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسودراز بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، یہ بڑی شفقت سے پیش آتے، چنانچہ انہوں نے بچپن ہی میں ان کے لئے اچھے کلمات استعمال کئے۔ (سیرت محمدی صفحہ ۹)۔

طفلی :

آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسودراز سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا، وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے، چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے، اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے، اور وضو کے لئے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لئے رکھتے، حضرت گیسودراز اس کم عمری میں بھی مشائخ کی طرح

ان کو تبرک عنایت کرتے۔ (سیرت محمدی صفحہ ۹)۔

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہوگیا، اور یہیں سپرد خاک ہوئے، آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

ابتدائی تعلیم :

ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی اور پھر دوسرے استاذ سے مصباح اور قدوری پڑھیں۔ (تحفۂ احمدی صفحہ ۱۰۔۹)۔

نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر برابر سنتے تھے، چنانچہ ایامِ طفلی ہی میں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اور حضرت چراغ دہلی کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہوئے۔

مراجعت دہلی :

جب حضرت گیسو دراز کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہوگئی اور دل برداشتہ ہوکر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی، اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ دہلی چلی آئیں، اس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

بیعت :

دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے، وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا تو ان کے چہرۂ مبارک کے جمال و انوار سے مسحور ہوگئے، اور ۱۶ رجب المرجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تربیت :

بیعت کے بعد حضرت گیسو دراز کی خواہش ہوئی کہ مرشد کی جلد از جلد قدم بوسی کریں، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، پھر بھی مرشد ان سے

بڑی شفقت سے پیش آتے، ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا تم جب بھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو، میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں، حضرت گیسو دراز اس شفقت کو اپنے لئے بڑی دولت تصور کرتے رہے۔ (جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز از مرتبہ سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینی، مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج صفحہ ۳۵)۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں ....

''ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لئے حاضر ہوا، حضرت خواجہ نے فرمایا صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے، میں نے عرض کی جی ہاں، آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو، میں نے کھڑے ہوکر عرض کی، آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا، پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو، جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا دوگانہ، اشراق پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا بلاناغہ پڑھتا ہوں، ارشاد فرمایا، اگر اس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی، میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو، بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا، ایک بار پوچھا کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، پھر پوچھا شعبان میں بھی؟۔ میں نے کہا کہ شعبان میں نو روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے، میں نے گزارش کی کہ آپ کے صدقہ میں رکھوں گا۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا۔ وہ

اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھی، مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ
سخت وست بھی کہا، میں نے ان سے عرض کیا آپ جو چاہیں کہیں لیکن شیخ
نے جو کچھ فرمایا ہے، اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔
میں رمضان کے بعد شش عید کے روزے بھی رکھا کرتا تھا، ان ہی ایام میں
ایک دن قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا، ہمارے خواجگان صوم
داؤدی نہیں رکھا کرتے، بلکہ صوم دوام رکھتے تھے، تم بھی صوم دوام رکھا
کرو"۔ (جوامع الکلم صفحہ ۳۹ـ۳۸)۔

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا، کچھ
کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی
عبدالمقتدر سے پڑھیں۔

ریاضت :

ذکر وفکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر خطیرۂ شیر خان جہاں پناہ کے
ایک حجرہ میں آکر مراقبہ کرنے لگے اور یہاں دس برس تک ریاضت کی، یہیں سے مولانا
قاضی عبدالمقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کے لئے
پہنچتے، علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہر کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا، اس
لئے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دوں، اور علم باطن کی تعلیم
حاصل کرنے میں مشغول رہوں، لیکن مرشد نے فرمایا ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ،
کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو۔ تم سے ایک کام لینا ہے۔ (سیر محمدی صفحہ ۱۶
"تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف و تالیف کا کام ہے)۔

مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور انیس سال کی عمر میں تمام
علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور جب ان علوم سے فراغت ہوگئی تو ریاضت شاقہ کی
طرف توجہ کی، پنجگانہ، دوگانہ، پانزدہ گانہ ادا فرماتے، اور طی کے روزے رکھتے۔

حضرت چراغ دہلی اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے، ایک موقع
پر فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کردی ہے اور پہلے
زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلا دیئے ہیں۔ (سیر محمدی صفحہ ۱۶)۔

چنانچہ ان کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی، ایک بار خود حظیرہ شیر خان تشریف
لے گئے، اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپے بھی نذرانے میں پیش کئے، جس کے بعد سے
حضرت گیسودراز کی بڑی شہرت ہوئی اور باکمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی
میں "مقام پیرانِ واصل ومقتدایانِ کامل" کا درجہ حاصل ہے (سیر محمدی صفحہ ۱۶)۔

ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ
کرنے لگے۔ (سیر محمدی صفحہ ۱۷)۔

خدمت مرشد :

عزلت وخمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آکر ایک عرصہ تک
رہے، اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے، علی الصباح اٹھ کر مرشد کو وضو کراتے، پھر
خود وضو کر کے نمازِ صبح باجماعت ادا کرتے، اور جب تک مرشد اوراد و وظائف میں
مشغول رہتے، طالبانِ حق کو سلوک کی تعلیم دیتے، اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی تو
اس میں شریک ہوتے اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول
ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یادِ حق میں مصروف رہتے۔ پھر چاشت کی نماز پڑھ
کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے، ظہر کا وقت آتا تو
پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے
جاتے تو خود بھی اپنے حجرہ میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ سہ
پہر کا وقت ہو جاتا، مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے۔
اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے۔ مغرب کی
نماز اوابین ادا کر کے عشاء تک طالبانِ سلوک کو تعلیم دیتے۔ پھر بقدر سد رمق کھانا تناول

فرما کر سوجاتے۔ اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے۔
اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہوجاتے تو خود بھی نمازِ تہجد ادا
کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہوجاتے، اس وقت
بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لئے حجرہ سے باہر
آئیں تو اس وقت وضو کے لئے سامان تیار ملے۔
(جوامع الکلم نیز: دیکھو سیرت محمدی صفحہ ۶۵-۶۴)۔

شفقت مرشد:

پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایک بار مرشد کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی۔ ان
کے گیسو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے عشق و محبت میں
خاموش رہے، اور غایت تعظیم میں بال کو پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا، جب مرشد کو
اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت وعقیدت سے بہت خوش ہوئے اور ایک شعر پڑھا
جس میں ان کو گیسو دراز کے خطاب سے مخاطب فرمایا تھا۔

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی، چنانچہ جب وہ اپنی وفات
سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایت تکلیف میں حضرت سید
گیسودراز ہی سے اپنی صحت کے لئے دعا کرائی، اوران ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا
پائی۔ (سیرۃ محمدی صفحہ ۱۸)۔

حضرت سید گیسودراز اپنی عمر کے ۳۷ ویں سال خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے،
اور خون تھوکنے لگے اور اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں، مرشد نے ان کے لئے دوا،
طبیب اور تیماردار بھیجے اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے
روانہ فرماتے، اور جب ان کو شفا ہوئی تو ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے اور اپنا کمبل عطا
فرمایا، اس ملاقات کے بارہ میں سیرۃ محمدی کے مؤلف رقمطراز ہیں.........

''اپنا کمبل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا

اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لئے
محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے
ارشاد فرمایا کہ سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو، یعنی لوگوں سے
بیعت لیا کرو، حضرت مخدوم نے سر نیچا کرلیا، اور خاموش رہے آپ نے
ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کرلیا؟۔ حضرت مخدوم نے عرض کیا، میں نے قبول
کرلیا، پھر ارشاد فرمایا، قبول کرلیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا قبول کیا، اس
کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں، ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد
ترک نہ کرنا دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات
کرنا''۔ (صفحہ ۲۳)۔

سجادہ نشینی:

حضرت چراغ دہلی کا وصال ہوا تو ان کی میت کو حضرت سید گیسودراز ہی نے
غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا تھا اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں
ڈال لیں، کہ یہ میرا اخرقہ ہے۔ حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کے سلسلہ
میں ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا، لیکن سیرت محمدی
کے مؤلف کا بیان ہے کہ انہوں نے رحلت کے وقت حضرت سید گیسودراز کو اپنی جانشینی
کے لئے منتخب کیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو سیرتِ محمدی صفحہ ۲۵-۲۴)۔

چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز
ہوئے۔ سیرت محمدی میں ہے.........

''بعد زیارت سیوم بندگی شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ)
سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، اور اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا
دیا۔ طالبانِ حق کو تلقین وارشاد فرمانے لگے، جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیر
الدین محمود رضی اللہ عنہ تلقین وارشاد فرمایا کرتے تھے... زمانہ شیخوخت میں

بہت سے علماء، صلحاء، سلاطین، خوانین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی"۔ (صفحہ ٢٦۔٢٥)۔

علماء اور حضرت گیسو دراز :

دہلی کے علماء میں جب مولانا حسین حضرت گیسو دراز کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسو دراز سے اپنی بد عقیدگی کا اظہار کیا، اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے، انہوں نے جواب دیا تم نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز ہیں۔

دوسرے دن مولانا حسین، بہن کے داماد کے ساتھ حضرت گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ ایک تخت پر تشریف فرما تھے۔ سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا لئے ہوئے تھے۔ مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھ کو عنایت فرمائیں گے۔ حضرت گیسو دراز کو کشف ہو گیا کہ مولانا حسین کے داماد کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے، اسی وقت ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا.........

مولانا سنو! بغداد میں ایک بازیگر تھا، وہ مجمع میں ایک گدھے کو لا کر کھڑا کر دیتا اور اس کی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا، اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا کہ تم میں سے کوئی کسی کی کوئی چیز چرالے تو میں اس کو پکڑ لوں گا۔ اس تماشہ میں ایک شخص کسی کی کوئی چیز چرا لیتا، اور وہ بازیگر گدھے کی آنکھ کھول کر اس سے کہتا کہ فلاں کی چیز کوئی چرا لے گیا ہے تو اس کو پکڑ لا، گدھا سب کو سونگھتا پھرتا، اور جب چور کے پاس پہنچتا تو چور کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا، اور اس کو کھینچ کر بازی گر کے پاس لے آتا۔

اس قصہ کو بیان کر کے حضرت گیسو دراز نے فرمایا بڑی مشکل ہے، اگر کوئی اظہارِ کرامت کرے تو اس گدھے کے مانند ہے، اور اگر اظہار کرامت نہ کرے تو لوگ

اسے بے نعمت کہیں، یہ کہہ کر مولانا حسین کے داماد کو پنکھا اور عمامہ دیا اور فرمایا لیجئے اور لے جایئے۔ مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو کر ذکر حق میں مشغول رہنے لگے۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ٦١۔٦٠)۔

دہلی کے مولانا نصیر الدین قاسم اپنے علم اور تقویٰ میں بہت مشہور تھے۔ ان کے استاد مولانا معین الدین کو ان پر فخر تھا۔ حضرت سید گیسو دراز کے بچے ان سے درسی کتابیں پڑھتے تھے، کبھی وہ مولانا نصیر الدین قاسم کے گھر پر چلے جاتے اور کبھی مولانا خود خانقاہ ہی میں آکر ان کو پڑھاتے، مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے اعتقاد نہ تھا، لیکن آخر میں حضرت سید گیسو دراز سے بیعت کر لی، مولانا معین الدین عمرانی کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین قاسم کو بلا کر کہا تم تو خود عالم تھے، پھر سید محمد کے مرید کیوں ہو گئے، مولانا نصیر الدین نے عرض کیا پہلے عالم تھا اب حضرت مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ٦٢۔٦١)۔

ملک زادے بھی مذہبی اور روحانی استفادہ کے لئے برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، ایک بار ایک ملک زادہ آیا تو حضرت گیسو دراز کے ہاتھوں میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا، ملک زادہ نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے، ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی، وہ دہلی کے مولانا قاضی عبد المقتدر کے پاس گیا، اور ان سے عرض کیا کہ حضرت گیسو دراز نے لکھا ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالانکہ کتابوں میں ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے۔

مولانا قاضی عبد المقتدر ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے، تو اس نے یہ بات سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی، سلطان فیروز شاہ نے ملک عماد الملک کو بلایا اور اس سے دریافت کرنے کو کہا کہ سید محمد جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے۔

عمادالملک نے عرض کیا کہ میں حضرت مخدوم کو جانتا ہوں میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہین ان سے مرید بھی ہیں، پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کروں، سلطان نے کہا کہ علماء کو جمع کرو اور مذکورہ بالا مسئلہ کی تحقیق کراؤ، جمعہ کے روز عمادالملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علماء کے ساتھ گیا، جہاں حضرت گیسودراز جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لاتے۔ لیکن عمادالملک علماء کے ساتھ مسجد میں اس وقت پہنچا جب حضرت گیسودراز نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے۔ عمادالملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاؤ الدین کو حضرت گیسودراز کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکور کے متعلق ردوقدح کر لیں۔ چنانچہ مولانا علاؤ الدین خانقاہ آئے اور حضرت گیسودراز سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیت سے معیت ذاتی مراد لی ہے، حضرت گیسودراز نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے، علماء نے معیت صفتی کہا ہے، صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے۔ اور نہ جدا ہو سکتی ہے تو اللہ کی جو معیت ازروئے صفت ہوئی وہ ازروئے ذات بھی ہوئی، اس کے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے، حقیقی نہیں۔ پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں، اس میں کیا حرج ہے۔ مولانا علاؤ الدین کو اس جواب سے تشفی ہو گئی اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کر سکے۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ۶۴۔۶۲)۔

فیروز شاہ تغلق اور حضرت گیسودراز کی مجلس سماع :

سیرت محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ بھی خبر پہنچائی کہ حضرت گیسودراز کی مجلسِ سماع میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں، اور بڑا شور مچاتے ہیں، سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسودراز کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں، اس کے بعد سے حضرت گیسودراز اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے۔ بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے، پردہ کی دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے، اور جب حضرت سید گیسودراز پر وجد طاری ہوتا تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ۶۶۔۶۱)۔

سفر دکن :

دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے، دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستے میں بہادر پور، گوالیار، بھاندیر، ایرچہ، چندیری، کنبھایت، بڑودہ، سلطان پور، دولت آباد، اور آلند میں قیام فرمایا، دورانِ سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لئے آتے، بھاندیر، کنبھایت اور دولت آباد کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی، جہاں ٹھہرتے وہاں خواص وعوام دونوں حلقہ بیعت میں داخل ہوتے، اور حسب مراتب ان کو تلقین فرماتے۔

چندیری پہنچے تو وہاں کے مفتی کے صاحبزادے قاضی خواجگی نے بھی جو بڑے ذی علم بزرگ تھے۔ بیعت کی، بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی، تو حضرت گیسودراز نے فرمایا ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے اور وہ یہ کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں، تم خود شیخ ہو، شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لا سکو گے جس شغل میں ہو اسی میں مشغول رہو۔

حضرت سید گیسودراز اور فیروز شاہ بہمنی :

جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز اپنے خاندان، امراء اور دربار کے علماء سادات، اور شاہی لشکر کے ساتھ استقبال کے لئے آیا اور ادب واحترام کے ساتھ گلبرگہ لایا، تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۱۶ میں ہے.........

> ”فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سید عالی مقام عرش احترام میر سید محمد گیسودراز دکن تشریف لائے ہیں، اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

چراغ ز شمع نبی تافتہ

کہ خورشید و مہ نور ازو یافتہ

سلطان فیروز شاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا خواہاں رہتا تھا، اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا، اپنے امراء، ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا، اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے، فیروز شاہ حکیمانہ مذاق رکھتا تھا، اس لئے جب سید محمد گیسودراز کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی''۔

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں کہ حضرت سید گیسودراز علوم ظاہری سے خالی تھے، کیونکہ ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ برہان مآثر میں جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے، ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو.........

''اسی سال حضرت سید محمد گیسودراز مریدوں اور باکمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدمِ مبارک سے سرفراز کیا، سلطان (فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی، اس کو سادات عظام اور مشائخ عالی مقام کی صحبت سے بڑی رغبت تھی، اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا، اسی اخلاص کی بناپر وہ حضرت سید گیسودراز کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا، اور فضلاء کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا، تاکہ ان کے حالات معلوم کر کے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں، وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی، اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبۂ کمال پر پایا، اور جو کچھ کہ دیکھا، سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا، اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا، اور

اس کو ان کی صحبت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی، اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، چند آباد گاؤں ان کے آستانے کے خدام کے لئے عنایت کئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سید محمد گیسودراز سے ایسے تعلقات پیدا ہوگئے کہ روز بروز بڑھتے گئے، یہاں تک کہ سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہوگیا، اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اس کو دیکھنا پڑا، اس کا ذکر آگے آئے گا'' (ملخصاً)۔

(برہان مآثر مؤلفہ سید علی طباطبا، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن صفحہ ۴۴-۴۳)۔

برہانِ مآثر کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسودراز کو فیروز شاہ بہمنی سے ''کلفت'' ہوئی، اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی، چنانچہ جب وہ حصار پانگل کی تسخیر کے لئے گیا تو اس کو شکست ہوئی، عام لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لئے ہوئی کہ حضرت سید گیسودراز کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی، خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی یہی خیال تھا، برہان مآثر میں ہے.........

''مردم ایں شکست را از اثر کلفت سلطان الاولیاء والمحققین زبدۂ آلِ طٰہٰ و یٰسین شہباز بلند پرواز سید محمد گیسودراز از دانستند و بسبب ایں شکست ضعف قوئ سلطان مضاعف گشتہ بارہا بزبان الہام بیان می گزرانید نہ کہ موجب شکست لشکر تغیر خاطر آں فخر الاولاد سید البشر بود''۔ (برہان مآثر صفحہ ۴۷)۔

سیرتِ محمدی میں حضرت سید گیسودراز اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کے سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت سید گیسودراز گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر کے استقبال کے باہر آکر استقبال کیا۔ گلبرگہ پہنچ کر حضرت سید گیسودراز نے اس کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کی، حضرت سید گیسودراز کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا۔

(سیرتِ محمدی صفحہ ۳۵۔۳۴)۔

احمد شاہ بہمنی اور حضرت سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ :

سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا برابر معتقد رہا، اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ان کے لئے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی، اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت گیسو دراز کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا، اس لئے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سید گیسو دراز کا ادنیٰ غلام بن گیا۔

تاریخ فرشتہ میں ہے............

''سلطان احمد شاہ بہمنی رحمۃ اللہ علیہ سادات، علماء اور مشائخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا تھا، اس کے حق میں حضرت سید گیسو دراز کی جو کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا، عوام اپنے بادشاہ ہی کے دین کی تقلید کرتے ہیں۔ دکن کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے، (یہ ایک محاورہ ہے، خانہ کعبہ والا طواف مراد نہیں کیونکہ ہماری شریعت میں خانہ کعبہ کے علاوہ کسی چیز کا طواف جائز نہیں ہے)۔ اور سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا اور حضرت سید محمد گیسو دراز کا مرید ہوا، اور حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لئے چند گاؤں اور قصبے وقف کئے، اور ان کے قیام کے لئے ایک عالی شان عمارت شہر کے متصل بنوائی، اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندان بہمنیہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہوگئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کے تصرف میں ہیں''۔

(جلد اول صفحہ ۳۲۰۔۳۱۹)۔

گو حضرت سید گیسو دراز کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہوگیا، لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس بائیس برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا۔

حضرت سید گیسو دراز کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا، سیرتِ محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بمقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کے کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہو جاتی۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ۳۸۔۳۷)۔

احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سید گیسو دراز کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا، برہان مآثر میں ہے............

''ہمگی ہمت والا نہمت بر ترویج شرع سید المرسلین واعلاء اعلام اسلام گماشتہ درلوازم احکامِ شرعیہ واوامر ونواہی دین مبین مصطفویہ مبالغہ واحتیاط بے نہایت فرمودی و بمراسم امر معروف ونہی منکر بنوعی قیام واقدام نمودی کہ در تمام ممالک دکن احدی ارتکاب منہیات بل تخیل آں نتوانستی نمود''۔

(برہانِ مآثر صفحہ ۷۳)۔

مقبولیت :

دکن کے خواص و عوام دونوں حضرت سید گیسو دراز کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے، اور ان کو اس دیار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، تاریخ فرشتہ میں ہے............

''دکن کے باشندے حضرت سید گیسو دراز کے بہت زیادہ معتقد تھے''۔

(جلد اول، صفحہ ۳۲)۔

اس سے حضرت سید گیسو دراز کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ علیہ اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو دراز کے

ذکر کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں.............

"..........بدیارِ دکن رفت، وقبولی عظیم یافت، اہل ایں دیار ہمہ منقاد و مطیع او گشتند"۔(صفحہ ١٢٣)۔

خزینۃ الاصفیا میں ہے...........

"..........در دیارِ دکن تشریف برد، وقبولی عظیم یافت واہل آں دیار از خورد و کبار ہمہ مطیع و منقاد وی گشتند، و ہزار در ہزار طلبائے صداقت شعار بتوجہ موجہ آں سید نامدار بقرب حق رسیدند، وسلسلہ عالیہ وے در تمام دکن رائج و شائع شد"۔(جلد اول صفحہ ٣٨١)۔

مراۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں..........

"........بدیارِ دکن تشریف برد و در شہر گلبرگہ سکونت اختیار نمود و آنجا قبولیتے عظیم یافت، جمیع اہل آں دیار از خاص و عام مطیع و منقاد او گشتند، چنانکہ تا امروز سلاطین آں جا دختراں خود بفرزندان میر سید محمدی دہند"۔

طریقۂ بیعت :

حضرت سید گیسودراز کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے، اور فرماتے تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ، اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کرو گے اور جادۂ شریعت پر قائم رہو گے۔ کیا تم نے یہ قبول کیا؟ مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے، الحمد للہ، پھر دست مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے، پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے، اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے کہتے، اور جب وہ نماز پڑھنے کے لئے جاتا تو فرماتے اگر اس شخص نے صدق دل سے توبہ کی

ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا، اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا ملے گی، اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرماتے، جمعہ کو غسل اور جمعہ کی نماز کی پابندی کی بھی سختی سے تلقین کرتے، پھر مختلف اوقات کے لئے نمازیں اور اوراد و وظائف بتاتے، ہر مہینہ کے ایام بیض کے روزے رکھنے کے لئے بھی ہدایت کرتے، ان ہدایتوں کے دینے کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لئے کمان تیغ و سپر وغیرہ ضروری ہے۔ اسی طرح ایک صوفی کے لئے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ پھر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔(جوامع الکلم صفحہ ٣٧۔٣٦)۔

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا، اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے، عورت بھی انگشت شہادت پانی میں ڈالتی، اس کے بعد بیعت کرتے، وہ عورت پیالے کے پانی کو پی جاتی، پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے، اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے، وہ بیعت کرا دیتا، لڑکے اور مریض کو مرید نہیں کرتے تھے۔

عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے، ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لئے حکم دیتے، اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے۔(سیرتِ محمدی صفحہ ٧٤۔٧٢)۔

معمولات :

گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانے میں حضرت سید گیسودراز کے معمولات حسب ذیل تھے۔

پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا فرماتے۔ کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی، آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو

سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے، ہر روز ان اوراد کو پڑھتے جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ پڑھا کرتے، مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو ارشاد فرماتے، فجر کی نماز کے بعد ۳۳ آیتیں، اور چہل اسم پڑھا کرتے، آخر عمر میں ان کو اپنے ایک صاحبزادے سے بآواز بلند پڑھوا کر سنتے، اشراق کی نماز کے بعد اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کر لیا تھا، چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے، درس زیادہ تر تفسیر، حدیث اور سلوک کا ہوتا، کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی پڑھاتے، درس میں علماء اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے۔

دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے وہ رات کو اٹھنے کی نیت نہیں رکھتا ہے۔ ساری رات چاہتا ہے کہ پڑا سویا رہے، اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھاتے، ظہر کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے، تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے، آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کر سکتے تھے تو مولانا بہاؤ الدین امام سے پڑھوا کر سنتے، تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا، عصر کی نماز کے بعد بلاناغہ دعائے استفتاح پڑھتے، نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے، مغرب اور عشاء کے درمیان سالکوں کو خاص خاص تعلیم دیتے، پھر عشاء کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، داہنے طرف رشتہ دار اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے، اور شرکائے دستر خوان کے سامنے روٹیاں اور سالن ہوتے، لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے۔ اس میں سے تھوڑا نوش فرما کر جس پر کچھ نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے، کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے اس کے بعد آرام کرتے۔ پھر تہجد کے لئے اٹھتے، تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے، اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں بعض لوگ برسوں روزہ، نماز اور تلاوت میں گزار دیتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ اور یہ اس

لئے کہ وہ ذکر اور مراقبہ نہیں کرتے، تہجد ہی کے وقت اپنے مرشد کے خاص خاص اوراد و وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے۔

جمعہ کے دن غسل فرماتے، اور بلاناغہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد تشریف لے جاتے، مسجد میں پہنچ کر تین سلام کے ساتھ چھ رکعتیں نماز ادا کرتے اور پھر بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔

ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے، کسی کے لئے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے، لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے، اور اس کو مخاطب کر کے فرماتے تم اولی الامر ہو۔ اس لئے تمہارے واسطے کھڑا ہو جاتا ہوں، جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا، جواب جاتا کہ فلاں دن آؤ۔ اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے۔ اور جب وہ آتا تو دستر خوان بچھا دیا جاتا، دستر خوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے۔ بادشاہ کھانا کھاتا اور کچھ تبرک بھی ساتھ لے جاتا، اس موقع پر دستر خوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتی تھیں، ایک گہری رکابی میں سالن ہوتا، دو دو آدمی ساتھ کھاتے، ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا، کھانے کے درمیان پانی نہیں دیا جاتا، جب لوگ کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لے جاتا۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ۶۴-۷۷)۔

سماع :

خواجگانِ چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، فرماتے......

"فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود"۔

راہِ سلوک کے ابتدائی زمانے میں ایک بار اپنے خاص خاص یارانِ طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس میں ہر قسم کے مزامیر تھے، تین دن تک یہ مجلس جاری رہی۔ گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا، لیکن اس کے ارد گرد لوگ جمع رہتے تھے، مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے

فرمایا سید محمد! اس طرح کا سماع نہ سنا کرو، حضرت سید گیسو دراز کا بیان ہے کہ..........

''من ازاں وقت باز مزامیر نہ شنیدم''۔

مجلس سماع میں عود بہت جلایا جاتا تھا، اگر رات ہوتی تو بکثرت روشنی کی جاتی، دورانِ سماع میں وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا تو مجلس روک دی جاتی، اکثر فارسی کی غزلیں گائی جاتیں، فرماتے ہندی کی چیزیں نرم، لوچدار اور دل کو رقیق کرنے والی ضرور ہوتی ہیں اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے، اور عاجزی وانکساری کی طرف مائل کرتا ہے، عام طور سے صوفیہ ہندی راگ ہی کو پسند کرتے ہیں، لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے۔ (سیرتِ محمدی صفحہ ۷۰۔۷۱)۔

سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے، لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بے چین ہو جاتے اور غایت اضطراب میں وجد کرنے لگتے۔ (جوامع الکلم صفحہ ۱۰۹)۔

ازدواجی زندگی اور اولاد :

چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون حبالۂ عقد میں آئیں، ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحبزادیاں تھیں، دونوں صاحبزادے جید عالم تھے۔ معقولات اور منقولات کی تعلیم دہلی کے اساتذہ قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی۔ حضرت سید گیسو دراز اپنے بڑے صاحبزادے کے ظاہری و روحانی کمالات سے متاثر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتا۔

حضرت سید محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں، مثلاً

(۱)...... معارف، علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے۔

(۲)...... شرح ملتقط، اس میں اپنے والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے۔

(۳)...... عقیدہ (بزبانِ فارسی)۔

(۴)...... اباحت سماع۔

(۵)...... رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد (فارسی)۔

(۶)...... مقامات صوفیان (عربی)۔

(۷)...... تصریف مالکی۔

(۸)...... شرح سوانح۔

(۹)...... رسالہ مسئلہ فارسی زبان۔

(۱۰)...... رسالہ علم صرف۔

اپنے والد بزرگوار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کئے، جن میں جوامع الکلم زیادہ مقبول اور مشہور ہوا۔

۸۱۱ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی، لیکن سات مہینے کے بعد ہی رحلت فرما گئے، حضرت سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے ...... محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، ان کا مزار ایک علیحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے۔

حضرت سید گیسو دراز نے اپنے دوسرے صاحبزادے سید یوسف کو بھی خلافت دی تھی اور وہ اپنے والد کے جانشین ہو کر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے، اور بعد وفات اپنے والد بزرگوار کے مزار شریف کے پائیں میں دفن ہوئے۔

(حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھو سیرتِ محمدی صفحہ ۱۱۹۔۱۳۰)۔

وصال :

گلبرگہ شریف میں بائیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، جب عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ بند ہوگیا، وصال ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان ہوا، وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ حضرت شیخ ابوالفتح نے فرمایا.........

''ایں مصیبت دین است''۔

''مخدوم دین و دنیا'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سید گیسودراز سے بڑی عقیدت تھی، اس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزار مبارک پر نہایت عالی شان گنبد تعمیر کرایا اور اس کو طلائی نقش و نگار سے آراستہ کیا، دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں۔

رتبۂ بلند :

صوفیہ کرام میں قطب الاقطاب عالم، قاطع بیخ کفر و بدعت، مقصود خلقت عالم۔ (سیرت محمدی دیباچہ)۔

معدن عشق، ہمدم وصال، کلید مخازن حضرت ذوالجلال، مست الست، نغمات بے ساز، محبوب حق وغیرہ کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

(مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر حضرت سید گیسودراز)۔

حضرت سید گیسودراز کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لئے تشریف لائے، وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں.........

''چوں بشرف ملازمت حضرت میر سید محمد گیسودراز مشرف شدم آں مقدار

حقائق و معارف کہ از خدمت وے بحصول پیوست اند ہیچ مشائخ دیگر نبود، سبحان اللہ چہ جذبہ قوی داشتہ اند''۔

حضرت سید اشرف جہانگیر اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں.........

''در سیر نختیں کہ بجانب دیار دکن واقع شد ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز کردیم بغایت عالی شان یافتم، و تصنیفات بسیار از آنحضرت سر برزدہ و در آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحدت وجود مطلق ایمای نسبت صاحب نصوص کردہ اند ایں فقیر تغیر مزاج کردہ بانواع دلائل عقلی و نقلی نشان خاطر آنحضرت نمودہ، اما فرجہ نیافت کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید''۔

(بحوالہ مراۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسودراز)۔

برہانِ مآثر کے مؤلف نے حضرت سید گیسودراز کو ''قدوہ ارباب حال''، ''سروفترِ اصحابِ کمال''، ''قطب سپہر سیادت و معرفت''، ''مرکز دائرۂ حقیقت و طریقت''، ''شاہبازِ بلند پرواز'' لکھا ہے، (صفحہ ۴۳)۔

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسودراز کے ذکر میں لکھتے ہیں.........

''جامع است میاں سیادت و علم و ولایت شانے رفیع و رتبہ منیع و کلام عالی دارد، اورا درمیان مشائخ چشت مشربے خاص و در بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است''۔ (صفحہ ۱۳۳)۔

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں.........

''از عظمائی اولیائی حق بین و کبرائے مشائخ متقدمین و خلیفہ راستین حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی است''۔ (جلد اول صفحہ ۳۸۱)۔

مراۃ الاسرار میں ہے.........

''مقبول عالم و عالمیان گشت و عالمے از حسن معاملت وے فیض مند گردید،

وصیت کمالاتش از شرق تا غرب فرا رسید"۔

تصانیف :

پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسودراز علم باطن کی طرف مائل ہوئے تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا، مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ حضرت سید گیسودراز اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے بھی منبع فیوض و برکات بن سکتے ہیں، چنانچہ حضرت سید گیسودراز نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت لکھیں، سیرتِ محمدی کے مؤلف نے حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں..........

(۱)...... ملتقط، یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے۔

(۲)...... تفسیر کلام پاک، یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی، لیکن صرف پانچ پاروں ہی تک تحریر فرما سکے۔

(۳)...... حواشی کشاف، تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

(۴)...... شرح مشارق۔ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔

(۵)...... ترجمہ مشارق۔ یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

(۶)...... معارف۔ یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے، عربی میں لکھی گئی۔

(۷)...... ترجمہ معارف، یہ عوارف کی فارسی شرح ہے، لیکن ترجمہ عوارف ہی کے نام سے مشہور ہے۔

(۸)...... شرح تعرف، یہ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تعرف کی شرح ہے۔

(۹)...... شرح آداب المریدین، (عربی)، یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو

النجیب عبدالقاہر سہروردی کی مشہور ومعروف تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے۔

(۱۰)...... شرح آداب المریدین، (فارسی) آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی، جس کو مولوی سید حافظ عطا حسین نے آڈٹ کر کے حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

(۱۱)...... شرح فصوص الحکم، یہ شیخ محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے۔

(۱۲)...... شرح تمہیدات عین القضا ہمدانی، یہ حضرت ابو المعانی عبداللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے۔

(۱۳)...... ترجمہ رسالہ قشیریہ۔ یہ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔

(۱۴)...... حظائر القدس، اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں، اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ڈبلیوایو نیو صفحہ ۵۸۶)۔

(۱۵)...... رسالہ استقامت الشریعت بطریقۃ الحقیقت۔ اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے، اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۲۷)۔

(۱۶)...... ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی۔

(۱۷)...... رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۸)...... شرح فقہ اکبر، عربی وفارسی دونوں میں ہے۔

(۱۹)...... حواشی قوت القلوب، یہ حضرت ابی طالب محمد مکی بن ابی الحسن بن علی

کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں۔

(۲۰)...... اسمار الاسرار۔ اس کتاب کو جناب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدرآباد سے شائع کیا ہے، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسودراز تحریر فرماتے ہیں......

''میری کتاب اسماء الاسرار میں باطل کو نہ آگے سے آنے کا موقع ہے، نہ پیچھے سے۔کوئی اس سے اختلاف نہیں کرسکتا، کیونکہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں''۔

شیخ عبدالحق اپنی کتاب اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں..........

''یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسو دراز کتاب اسماء است کہ حقائق و معارف بزبان برمزوایماوالفاظ واشارات بیان کردہ''۔(صفحہ ۱۲۷)۔

اس کے بارہ میں مولوی سید عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوف وسلوک ومعارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لئے مفید ہے۔ اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں۔غرض سب ہی کچھ ہے۔

(دیباچہ اسماء الاسرار صفحہ ۲)۔

(۲۱)...... حدائق الانس۔ اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں..........

(۲۲) ضرب الامثال۔ (۲۳) شرح قصیدہ امانی۔ (۲۴) شرح عقیدہ حافظیہ۔(۲۵) عقیدۂ چند ورق۔(۲۶) رسالہ در بیان آداب سلوک۔(۲۷) رسالہ در بیان اشارت محبان۔(۲۸) رسالہ بیان ذکر۔(۲۹) رسالہ بیان رایت ربی فی احسن

صورۃ۔(۳۰) رسالہ در بیان معرفت۔(۳۱) رسالہ در بیان بود وہست وباشد۔

سیرتِ محمدی کے مؤلف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے۔جو حضرت سید گیسودراز نے اپنے خلفاء کو لکھ کر دیئے تھے، ان تحریری خلافت ناموں کی تعداد چار ہے۔(سیرتِ محمدی باب پنجم)۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں حضرت گیسودراز کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام ہیں۔ رسالہ در تصوف، شرح بیت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ، وجود العاشقین۔(فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۸۵-۵۸۴۔ وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے، دیکھو صفحہ ۱۰۲۶)۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسودراز کی ایک تصنیف خاتمہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے، لیکن اب خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حضرت سید گیسودراز نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات ومعاملات کا لائحہ عمل پیش کیا ہے، جو آج بھی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے، اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے اڈٹ کرکے ایک پر مغز مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

مکتوبات :

حضرت سید گیسودراز کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، جس میں ان کے ۶۱ مکتوبات ہیں، ان کے خلیفہ شیخ ابوالفتح علاؤ الدین نے اس کو مرتب کیا ہے۔

ملفوظات :

تذکروں میں حضرت سید گیسودراز کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا

ہے، سیرتِ محمدی میں ہے کہ حضرت سید گیسودراز کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد اکبر نے دو مجموعے مرتب کئے تھے، ایک دہلی میں اور ایک سفر گجرات میں۔

اخبار الاخیار میں ہے..................

''خدمت میر را ملفوظات است مسمی بجوامع الکلم کہ بعضے از مریدان او کہ او نیز محمد نام دارد جمع کردہ''۔ (صفحہ ۱۳۳)۔

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (صفحہ ۵۸۷) انڈیا آفس (صفحہ ۱۰۲۵) اور برٹش میوزیم (صفحہ ۳۴۷) کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے، جو فہرست نگاروں کی رائے کے مطابق حضرت سید گیسودراز کے مرید تھے، لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ ایڈیشن حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے مرتب کا نام حضرت سید گیسودراز کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی لکھا ہے، جوامع الکلم کے اس مطبوعہ ایڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ یہ لکھا ہے..........

''مؤلف آں جواہر ثمین و در خوش آب بندہ بندگان حضرت علیا محمد اکبر حسینی''۔ صفحہ ۵)۔

بہر حال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسودراز نے فرمایا.........

''کار ایں ملفوظ بجائے است، از جہت تحقیق وتدقیق گویا کہ گفتار خود را خود می نویسم و ملفوظ خود را خود جمع کنم''۔ (جوامع الکلم صفحہ ۶)۔

اس میں ۱۸ رجب المرجب ۸۰۲ھ سے ۲۳ ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسودراز کے مرید قاضی علم الدین بہروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد

ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

دیوان :

کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے، ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید یداللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا تھا۔ (حضرت سید گیسودراز نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کئے ان میں سے ایک رسالہ معراج العاشقین کو مولوی ڈاکٹر عبدالحق سیکرٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا)۔

تعلیمات :

حضرت سید گیسودراز کی تصنیف اسماء الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوف کے بعض دقایق اور غوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں، لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگان چشت اور دوسرے صوفیۂ کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے، اس لئے ان کے اعادہ کے بجائے حضرت سید گیسودراز کی تصنیف خاتمہ سے ان ضوابط وقوانین کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کو حضرت سید گیسودراز کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا لائحہ عمل ہونا چاہیے۔ خاتمہ ۱۹۵ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کی ہر سطر لائقِ مطالعہ ہے، لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

وضو :

سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے، ہر فرض نماز کے لئے تازہ وضو کرنا بہتر ہے، وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں، بے وضو نہ سوئیں۔ اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کرلیں، اور دوگانہ ادا کریں۔ وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں۔

(خاتمہ جلد دوم صفحہ ۴۰۳)۔

اشراق :

اشراق سے پہلے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں تاکہ بیداری شب کی تکان دور ہوجائے اور دوسرے وقت کے اورادو وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو، اور مضمحل نہ رہیں، کچھ آرام کے بعد اشراق کی نمازیں ادا کریں۔

چاشت :

اشراق کے بعد اور چاشت سے پہلے اورادو وظائف میں مشغول رہیں، تلاوت کلام پاک بھی کریں، تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں، پھر چاشت کی نمازیں اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چار چاشت پر وقت گزر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں۔ (خاتمہ جلد دوم صفحہ۶)۔

قیلولہ :

زوال کے وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں، اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں۔ (خاتمہ جلد دوم صفحہ۶)۔

نماز فی زوال :

زوال کے وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اوراد میں مشغول ہوں، اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں۔ (خاتمہ جلد دوم صفحہ۶)۔

عشاء :

مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی دیر آرام کرلیں، پھر عشا کی نماز پڑھیں، بعض صوفیہ کے نزدیک عشاء کی نماز کے لئے آدھی رات مستحب وقت ہے۔ آرام کے بعد عشا کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے، اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔ (خاتمہ، صفحہ۸)۔

معمولاتِ شب :

رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں، پہلے حصہ میں اورادو وظائف میں مشغول رہیں، دوسرے حصہ میں سوئیں، تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں۔ (خاتمہ، صفحہ۵)۔

بعض صوفیہ مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں، پھر عشا تک نوافل میں مشغول رہتے ہیں، عشاء کے بعد کچھ کھاتے ہیں، پھر سو رہتے ہیں۔ (خاتمہ، صفحہ۸)۔

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے، وہ سوئیں تو اپنے وجود سے باخبر رہیں، اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ کی توفیق سے ہے، اور اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہی کی جانب سے ہے، جو نیند اللہ کو بھلادے وہ قابل مذمت ہے، بعض صوفیہ کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے۔ (خاتمہ، صفحہ۱۰۔۱۴)۔

کم سونے کے لئے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے۔ (خاتمہ، صفحہ۱۴)۔

رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد پڑھیں، تہجد کے بعد اورادو وظائف، تلاوت کلام پاک، ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں۔ (خاتمہ، صفحہ۸۱۹)۔

اگر کوئی سالک شہرت کی خاطر عبادت وریاضت کرتا ہے تو وہ کافر ہے، اور اگر شہرت کے ڈر سے عبادت وریاضت کو ترک کرتا ہے تو وہ ریاکار اور منافق ہے۔ اگر ایک سالک کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو بھی اپنے اورادو وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے۔ (خاتمہ، صفحہ۱۹)۔

روزے :

روزہ ارکانِ تصوف میں ہے، اس لئے صوفی کے لئے روزہ رکھنا ضروری

ہے۔ روزے سے نفس مغلوب رہتا ہے، اور اسمیں غرور و عجب پیدا نہیں ہوتا، صوم دوام بہترین قسم کا روزہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ صوم دوام ایک عادت بن جاتی ہے جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے، بعض ہفتے میں تین روز یعنی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ اور بعض صرف دو روز یعنی پنجشنبہ اور جمعہ، بعض مہینے کے شروع اور آخر میں بعض مہینہ کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینے، بعض شوال کے پہلے چھ روز اور بعض ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں۔ (خاتمہ، صفحہ ۱۵)۔

اعتکاف :

(ضروری) اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے، لیکن صوفیہ کبھی چالیس دن کبھی اسی اور کبھی ایک سو بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو اربعین محمدی (ﷺ) کہتے ہیں اسی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے، اس کو اربعین عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں۔ اس طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے، اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہیے۔ (یہ سب نفلی اعتکاف ہیں)۔

آداب طعام :

سالکوں کے لئے تقلیل طعام ضروری ہے، اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورہ فاتحہ پڑھیں۔ جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو، اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لئے کوئی تاویل نہ کریں۔ اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں، لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہوں تو اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔ کھانے کے وقت بائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو اٹھائے رکھیں۔ یہ مسنون طریقہ

ہے۔

کھانا شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائیں، بڑے لقمے سے پرہیز کریں، لقمے کو تین انگلیوں سے اٹھائیں، اور جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اپنے ہاتھ اور منہ کو حرکت دیتے رہیں۔ ہاتھ کی انگلیوں اور منہ کو کھانے کی چیزوں سے آلودہ نہ کریں، پہلے روٹی اور گوشت کھائیں، اس کے ساتھ ترشی ملالیں، پھر میٹھی چیز کھائیں۔ آش ہو تو شروع یا آخر میں پئیں۔ روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دستر خوان پر نہ چھوڑیں، یا تو پوری کھائیں یا آدھی، زیادہ سیر ہو کر کھانے کے بجائے کچھ بھوک باقی رہے تو کھانا چھوڑ دیں۔

دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کریں اور نہ برائی بیان کریں، کھانے کے بعد مسلسل پانی نہ پئیں، لوگوں کے سامنے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لیں، مجلس میں خلال نہ کریں۔ (خاتمہ صفحہ ۵۱-۴۸)۔

میزبانوں کو اپنے مہمانوں کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنے چاہییں۔ لیکن مہمانوں کے سامنے جیسا بھی کھانا آئے اس کو دیکھ کر خوش ہوں، اگر میزبان صاحب احتیاج ہو تو مہمان اس کی خدمت میں کچھ زر نقد پیش کریں۔ (خاتمہ ۵۲)۔

آداب سماع :

مجلس سماع کے لئے ایک علیحدہ مکان ہو، ارباب دنیا امراء کے لڑکے اور بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں، اس میں سالکوں اور مریدوں کو غسل کر کے طاہر اور باوضو ہو کر اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہیے اور وقار کے ساتھ بیٹھیں۔ اور مراقبہ میں رہیں۔ گانے والوں پر نظر رکھیں، اور نہ ان کی موسیقی پر دھیان دیں، اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں، نہ ہر لحمہ واہ واہ کریں، اور نہ آہ آہ، گریہ طاری ہو تو ضبط کریں۔ زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو اس سے پرہیز کریں۔ اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، حتی الوسع اپنے اعضاء میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں۔

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہاء کے نزدیک یہ حرام ہیں اس لئے ان سے سختی کے ساتھ احتراز کرنا چاہیے۔ (صفحہ ۳۴)۔

سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہیے، سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، اسی کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں۔ 'حضرت سید گیسودراز نے صوفیہ کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے'۔

احترام شیخ :

ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اس کو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے، پشت اس کی طرف نہ ہونے دے۔ اس کے روبرو کھڑا ہو تو نظریں اپنی پاؤں پر رکھے، بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے، زور سے نہ بولے اور نہ کسی کو زور سے پکارے۔ پان نہ کھائے، ہاں اگر پیر کی طرف سے عطا ہو تو کھالے، اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو لقمہ چھوٹا اٹھائے، اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی نیچے نہ گرنے دے اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے۔

پیر کی مجلس کو مجلس حق تصور کرنا چاہیے، ایک مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولے، اگر اس کے مطابق ہو تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے۔ اور اگر اس میں کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے، کیونکہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف ہوتا ہے جن سے ایک مرید بالکل ناواقف ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً یا کنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس سے مرید اسی طرح دور رہے جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے۔

اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اس کو بڑے احترام سے رکھے، پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے۔ پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے۔ اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو تو مرید ایسے پیر کو

چھوڑ دے، لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اس نے بداعتقادی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ (خاتمہ صفحہ ۵۶)۔

احترام شریعت :

ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کا ضد نہ سمجھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصور کرے، جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے پھر بھی مغز کا جز چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں۔
(خاتمہ صفحہ ۸۴)۔

تزکیۂ اخلاق :

جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے راہ سلوک میں گامزن نہ ہو۔ (صفحہ ۹۶)۔

اور جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے، اس کے پاس عورتیں اور بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں اس میں مطلق ریا اور غصہ نہ ہو، دنیاداروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے۔ (صفحہ ۱۱۰)۔

وہ کسی دوسرے کے خیر و شر سے واسطہ نہ رکھے۔ (صفحہ ۱۰۳)۔

اس کے دل میں جتنی ہوس ہو اس کو دور کرے، اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ و ریاضت کرتا رہے۔ (صفحہ ۱۰۴)۔

اس کو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہیے۔ (صفحہ ۱۱۱)۔

ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے۔ (صفحہ ۱۱۵)۔

آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھے۔ (صفحہ ۱۱۶)۔

کسی حال میں اپنے نام کی شہرت نہ دے۔ (صفحہ ۱۲۱)۔

بازار صرف شدید ضـ ت کے وقت جائے۔ (صفحہ ۱۲۴)۔

فقہا نے طہارت ولطافت کی جو باتیں بتائی ہیں، ان پر عمل کرے، ان سے زیادہ پر عمل کرنا بےکار ہے۔ (صفحہ۱۲۴)۔

گرسنگی، تشنگی اور شب بیداری کو دوست رکھے۔ (صفحہ ۱۲۶)۔

غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے۔ (۱۲۶)۔

لوگوں کی آمد و رفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے۔ (۱۲۷)۔

امیروں کی صحبت سے گریز کرے۔ (۱۲۹)۔

اگر کوئی دو وقت مسلسل اس کو کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اس کی صحبت سے احتراز کرے، کیونکہ فاقہ نفس کی شکستگی کے لئے ضروری ہے۔ (صفحہ۱۴۵)۔

مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو، کسی حال میں نہ روئے، روئے بھی تو اس کے لئے کہ کہیں منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے اس کو موت نہ آجائے۔ (صفحہ ۱۳۶)۔

اپنی درازی عمر کے لئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرے، تاکہ راہ سلوک میں اس کو ترقی درجات حاصل ہو۔ (صفحہ ۱۳۶)۔

سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلہ رحمی کے لئے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ (صفحہ۱۴۳)۔

شرکت جہاد :

ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کر سکتا ہے، لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اس کو درجہ شہادت ملے گا، اور زندہ رہ گیا تو ثواب ملے گا، یہ نیت مستحسن ضرور ہے، لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماوراء ہونی چاہیے۔ وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو، وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ اپنی تیر کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے۔ (صفحہ ۸۷۔۱۸۱)۔

شاہی ملازموں کا اخلاق :

اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہے اور اس کو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کے لئے حرام ہے، سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کے ساتھ معاملات میں اسی طرح پیش آئے جیسے وہ اپنی ماں باپ کے ساتھ پیش آتا ہو۔ رات کو ذکر و فکر میں مشغول رہے، لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے۔

اپنی ملازمت کو اس لئے برقرار رکھے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا۔ مال و دولت کی ہوس نہ کرے، نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا، ریشمی موبند اور کلاہ زر نہ پہنے۔ اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے، تو اس کے سامنے پہن لے، پھر باہر آکر اتار دے، اگر تیسرے روز بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جانے کا اتفاق ہو تو پہن لے، لیکن فقہاء کے نزدیک یہ بھی مرجوح ہے۔ (خاتمہ صفحہ ۱۸۷۔۱۸۵)۔

بادشاہ کا اخلاق :

اگر کوئی بادشاہ راہِ سلوک میں گامزن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ، معاویہ ثانی بن سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ بادشاہی کے لئے موزوں ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے۔ سلوک کی طرف مائل نہ ہو، اور حکومت میں ایسے متدین اور صالح لوگوں کو عہدہ دار مقرر کرے جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکیں۔ اور اس کو باخبر رکھیں کہ احکام شرعی پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر اس کی حکومت میں کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو سختی سے وصول کر لے، اور اگر زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے، وہ اس پر نظر رکھے کہ اس کی سلطنت میں کوئی شراب یا دوسری نشہ آور چیزیں نہ پی سکے۔ اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسی کوڑے لگائے، فقیروں، کمزوروں، یتیموں اور عاجزوں، لنگڑوں، گونگوں اور بیواؤں کی پوری خبر گیری کرے، ان کو برباد ہونے سے بچالینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔

بادشاہ اگر راہِ سلوک میں گامزن ہے تو اپنے نفس اور جسم کو اعلائے کلمۃ الدین کے لئے وقف کردے اور دل کو خدا تعالیٰ کے جلال وعظمت اور قہر کے تصور میں مشغول رکھے، وہ اپنے کو جتنا ہی زیادہ ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر رہے گا۔ (خاتمہ صفحہ ۱۹۰۔۱۸۷)۔

خلفاء :

حضرت گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں.........

مولانا علاؤ الدین گوالیری (ابتدا میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے، گوالیر میں فتویٰ نویس کے عہدہ پر مامور تھے، آخر میں کالپی چلے آئے تھے، اور یہیں رحلت فرمائی)۔ شیخ صدر الدین خوندمیر (ان کے والد بزرگوار اور دادا ایرچہ کے شیخ الاسلام تھے) قاضی اسحاق محمد (چھترہ کے مفتی تھے) قاضی محمد سلیمان، قاضی علیم الدین بن شرف (مزار پاک پٹن میں ہے)۔ حضرت سید محمد اکبر (حضرت سید گیسودراز کے بڑے صاحبزادے) حضرت ابوالمعالی بن سید احمد (حضرت سید گیسودراز کے سالے اور خادم تھے، مزار گلبرگہ شریف میں ہے) خواجہ احمد دبیر (سلطان فیروز بہمنی کے دبیر تھے)۔ مولانا ابوالفتح بن مولانا علاؤ الدین گوالیری (خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۳۹۷)۔ میں ہے کہ صاحب تصنیف تھے۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔ عوارف المعارف تکملہ درنحو ومشاہدہ، رتصوف، مزار کالپی میں ہے)۔

حضرت سید یوسف (حضرت سید گیسودراز کے صاحبزادے تھے) حضرت سید یداللہ (حضرت سید گیسودراز کے پوتے تھے)۔ قاضی راجہ۔ (گلبرگہ کے صدر جہاں تھے)۔ شیخ زادہ شہاب الدین، مولانا بہاؤ الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت سید گیسودراز کی نمازوں کی امامت کرتے تھے) ملک زادہ عزالدین اور ملک شہاب الدین۔ (ان خلفاء کے حالات کی تفصیل کے لئے دیکھو سیرتِ محمدی باب ساتواں)۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ، ترمیم واضافے کے ساتھ)۔

اولادِ امام علی رضا فخر سادات قلندر زماں

پیر جی سید اشتیاق علی شاہ کرنالوی

رضوی، ابدالی، مشہدی، چشتی، نظامی، قادری، قلندری۔

نام : سید اشتیاق علی۔ لقب، پیر جی۔

نسب :

سید اشتیاق علی بن سید ممتاز علی بن سید ضامن علی بن سید نجف علی بن سید حسن علی بن سید واجد علی بن سید نور محمد بن سید کبیر علی بن سید شاہ داؤد بن سید شاہ احمد قتال قلندر کرنال بن سید شاہ بن سید ابدال مشہدی قدس سرہ سے ہوتا ہوا امام علی رضا تک پہنچ جاتا ہے، پھر امام علی رضا سے آگے اس طرح ہے

امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ خاتون جنت بنت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ددھیال کا خاندان :

آپ کا تعلق ساداتِ رضویہ سے ہے جیسا کہ آپ کے زمین کے کاغذات میں درج ہے۔ آپ کے والد گرامی سید ممتاز علی اور دادا جان سید ضامن علی رضوی تھے۔ آپ کے خاندان میں ایک مشہور صوفی بزرگ سکندر لودھی کے زمانہ میں گزرے ہیں جن کا نام سید شاہ ابن ابدال مشہدی عرف صَحَابًا ابدال تھا۔ بعض لوگ ان کو دادا ابدال بھی کہتے ہیں۔ اور ان کا مزار درگاہ شاہ بن ابدال کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ مزار اپنی ذاتی زمین میں واقعہ ہے، کرنال شہر سے میرٹھ کو جو سڑک جا رہی ہے۔ ارائیوں دروازہ سے

میرٹھ کی طرف جاؤ تو شہر سے دو (کوس) میل کے فاصلے پر پھوس گڑھ گاؤں کے قریب یہ جگہ واقع ہے۔ وہاں پر جامنوں کے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے ہیں اور قبر مبارک بغیر گنبد کے ایک ۵ فٹ بلند چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔

اسی چبوترے پر ان کے ساتھ ایک طرف ان کی زوجہ محترمہ کی قبر ہے اور دوسری طرف ان کے بیٹے سید احمد قتال قلندر رزماں کرنال کی قبر ہے۔ آپ کا خاندان کئی پشتوں سے کرنال شہر میں رہائش پذیر ہے۔ اور آپ کا گھر ابدال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ (یعنی ابدال صاحب کی رہائش گاہ) کے بالکل قریب واقع ہے۔ ہمارے پاس کرنال والے مکان کے جو کاغذات موجود ہیں اس میں لکھا ہے۔ نقشہ مکان مملوکہ ومقبوضہ اشتیاق علی ولد ممتاز علی قوم سید محلہ پیرزادگان ضلع کرنال اسکیل (8'-1")۔

پیر جی سید اشتیاق علی کے دادا جان :

آپ کے دادا کا نام سید ضامن علی رضوی تھا۔ مزار آپ کا درگاہ ابدال صاحب میں پائنتی کی طرف ہے۔

پیر جی سید اشتیاق علی رحمۃ اللہ علیہ کے والد :

آپ کے والد کا اسم گرامی سید ممتاز علی تھا۔ ان کی شادی چوسانہ ضلع مظفر نگر (موجودہ نام ضلع پر بدھ نگر) میں بھکو شاہ کی دختر سے ہوئی تھی۔ سید ممتاز علی کے دو بیٹے تھے۔ سید امتیاز علی، سید اشتیاق علی۔ ان کا مزار ابدال صاحب کی درگاہ میں ہی واقعہ ہے اپنے والد کے ساتھ۔

پیر جی سید اشتیاق علی کے بڑے بھائی :

آپ کے بڑے بھائی سید امتیاز علی تھے۔ یہ بڑے سید کے نام سے مشہور تھے۔ کرنال میں گھوڑ سواری کے اندر بہت شہرت رکھتے تھے۔ ان کی شادی بسم اللہ دختر سید مسیت علی عرف مسیتا سے ہوئی تھی۔ پاکستان بننے سے تین سال قبل یہ لاولد ہی وفات پا گئے تھے۔ ہمارے والد پیر جی سید اشتیاق علی رحمۃ اللہ علیہ سے ہماری تائی جان نے

جب اپنا حصہ وغیرہ وصول کیا تو ایک تحریر لکھی گئی تھی جس میں صرف ان کا نام اور ان کے والد کا نام درج ہے۔

آپ کے ننھیال کا خاندان :

پیر جی سید اشتیاق علی کے نانا چوسانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے اور نانی موضع پنج سالہ تحصیل نرائن گڑھ ضلع انبالہ کی تھی۔ نانا کا نام سید بھیک علی تھا اور سید بھکو شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ دو بھائی تھے۔ دوسرے بھائی کا نام سید برکت علی تھا۔ اور سید برکت شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد کا نام سید بہادر علی تھا۔ سید برکت علی کے چھ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام سید صابر علی تھا اور یہ نابینا تھے۔ سید برکت علی کا خاندان آج تک چوسانے میں ہی آباد ہے چوسانہ کرنال سے جمنا پار۔ تقریباً ۱۰ یا ۱۱ میل کے فاصلے پر واقعہ تھا۔ والد صاحب اکثر چوسانے کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ ہم یہاں چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

پہلا واقعہ :

والد صاحب سنایا کرتے تھے کہ ہمارے نانا کی شادی کا واقعہ ہمارے خاندان میں مشہور ہے، فرمایا.........

ہمارے نانا چوسانہ کے سادات میں سے تھے۔ ان کی شادی پنج سالہ (ضلع انبالہ) کے سادات میں ہوئی تھی ہماری نانی کے والد پنج سالہ کے چوہدری تھے اور نانی کی صحت بہت اچھی تھی۔ ہمارے نانا جو نکاح کا سوٹ لے کر گئے وہ کافی پرانا تھا۔ جب نانی کو پہنانے لگے تو شلوار کا پائنچہ پھٹ گیا نانی کے والد کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے ہمارے نانا کے خاندان کی بے عزتی کرنے کے لئے اس شلوار کو بانس پر لٹکا کر بڑ کے درخت میں اونچا کر کے باندھ دیا اور کہا کہ میری بیٹی کے لئے ایسے کپڑے لائے ہو؟۔

دوسرا واقعہ :

والد صاحب اپنی نانی کی بہادری کے واقعات اکثر سناتے تھے.........

یہ واقعہ بھی احقر کو والد صاحب نے سنایا تھا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہمارے نانا کے گھر چوسانہ میں چور آیا۔ ہم دونوں بھائی بھی چوسانہ میں ہی اپنی نانی کے پاس رہتے تھے۔ چور بیل چوری کرنا چاہتا تھا۔ ہماری نانی سارے کام کر کے رات کو لیٹ گئی تو کچھ دیر کے بعد بیل کے چلنے کی آواز آئی بیل کا سنگل زمین میں لگتا جا رہا تھا۔ ہماری نانی فوراً اٹھی اور جو بیل دروازے کی طرف جا رہا تھا اس کو پکڑ کر لائی اور باندھ دیا۔ دوسرے بیل کا سنگل جب دیکھا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا۔ سوچنے لگی کہ میں نے بیل خود باندھے ہیں یہ کیا بات ہے؟ اسی اثنا میں بیل بھی پھونک مارنے لگا۔ نانی سمجھ گئی کہ کھرلی میں کوئی ہے، نانی نے جب کھرلی میں ہاتھ مارا تو چور پکڑ لیا پھر شور مچایا چور چور۔ ہم اٹھ گئے جب کمرہ سے باہر آئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک ہاتھ سے بیل پکڑا ہوا ہے اور ایک ہاتھ سے چور کو پکڑ رکھا ہے، چور اپنے ہاتھ کو چھڑا نہ سکا۔

تیسرا واقعہ :

ہماری والدہ چوسانہ سے کرنال بیاہی گئی تھی۔ جب میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا تو میرے والد سید ممتاز علی کا انتقال ہو چکا تھا۔ میرے بڑے بھائی سید امتیاز علی بھی بہت چھوٹے تھے۔ جب میں پیدا ہوا تو ابھی میں بہت چھوٹا ہی تھا کہ ہماری والدہ بھی انتقال کر گئی ہمیں دونوں بھائیوں کو اپنے والد اور والدہ کی شکل وصورت بھی اچھی طرح یاد نہیں تھی۔ یعنی بہت چھوٹے تھے۔

والد کے انتقال کے بعد ہماری نانی ہمیں اپنے گھر چوسانہ لے آئی۔ ہماری والدہ کے دو بھائی تھے۔ ہمارے بڑے ماموں کا نام سید احمد حسن تھا اور چھوٹے ماموں کا نام سید مہدی حسن تھا۔ ہمیں تو ہمارے نانا، نانی اور ماموؤں نے پالا تھا۔ جب ہمارے والد سید ممتاز علی انتقال کر گئے اور والدہ کی عدت ختم ہوگئی تو نانی ہمیں مستقل طور پر چوسانہ لے آئی تھی۔ اور کرنال والا گھر خالی تھا۔ ہمارے ساتھ والوں نے ہمارے کرنال والے گھر پر قبضہ کر لیا۔ کسی نے چوسانہ آ کر ہماری نانی کو اطلاع کر دی کہ تیری بیٹی کے

گھر میں تو فلانی گھس آئی ہے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گھر پر صرف ہم دونوں بھائی اور نانی تھی۔ نانا اور ماموں زمین پر گئے ہوئے تھے نانی نے فوراً بیل گاڑی تیار کی۔ اور ہم دونوں کو ساتھ بٹھایا اور خود گاڑی چلاتی ہوئی کرنال آ گئی۔ گھر کے آگے گاڑی کھڑی کی اور ہم دونوں گاڑی میں ہی بیٹھے تھے کہ مکان کے اندر گئی اور اس عورت کو چٹیا سے پکڑ کر مکان سے باہر دھکا دیا اور ان کے برتن وغیرہ سب گلی میں پھینک دیئے اور کہتی تھی کہ تو نے میرے بچوں کے مکان پر قبضہ کرنے کی جرأت کیسے کی؟ تجھے میرا پتہ نہیں تھا۔ میں نے والد صاحب سے کہا کہ ابا جی آپ کی عمر اس وقت کتنی تھی؟ فرمایا نو دس برس ہوگی۔

چوتھا واقعہ :

والد صاحب فرماتے تھے کہ میں اچھا خاصا تھا، گھر سے بھینسیں کنوئیں پر لے جاتا تھا۔ ہماری نانی ہمیں روٹی ساتھ باندھ کر دے دیتی تھی۔ اور گڑ کی بھیلی توڑ کر قمیص کے پلے میں ڈال دیتی تھی وہ تقریباً ایک سیر سے زیادہ کی ہوتی تھی۔ کنوئیں پر جاتے جاتے ہم ساری ختم کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ ہم دوپہر کی روٹی کھانے کے لئے بیٹھے تو ہماری برادری کے ایک شخص نے ہم سے کہا کہ سالن کیا ہے؟ ہم نے جواب میں کہا کہ ہماری ماں نے یہ سالن دیا ہے وہ شخص کہنے لگا ارے سید! تم اتنے بڑے ہوگئے ہو تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ تمہاری ماں نہیں ہے وہ تو تمہاری نانی ہے اور بھکو شاہ تمہارا نانا ہے۔ ہمیں یقین نہ آیا واپس گھر آ کر پریشان تھے کہ نانی نے کہا کہ کنوئیں پر کوئی بات تو نہیں ہوئی۔ ہم نے کہا ایک آدمی تھا وہ آپ کو جانتا ہے اور نانا کو بھی۔ اس نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ ہماری ماں نہیں، ہماری ماں اور باپ تو بچپن میں مر گئے تھے۔ آپ ہماری نانی ہیں۔ یہ بات سن کر نانی نے کہا کہ اس جائے روئے نے بتا کر بچوں کو پریشان کر دیا۔ پھر ساری بات ہمیں بتائی۔ جب ہمیں علم ہوا کہ یہ ہمارے نانا، نانی ہیں اور ہمارے ماں باپ مر چکے ہیں

ورنہ اس سے پہلے ہم نانا نانی کو ماں باپ سمجھتے رہے۔

پانچواں واقعہ :

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے نانا بھکو شاہ کو ایک ایسی بیماری لگی کہ ان کے بائیں طرف کے کلے میں سوراخ ہوگیا تھا وہ جب کھانا کھاتے تو کچھ کچھ کھانا اس سوراخ میں سے گرتا رہتا تھا۔

پیر جی سید اشتیاق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے ماموں :

ان کا نام سید احمد حسن تھا ان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام سید محمود الحسن واسطی تھا۔ ویسے ایسے نانو نانو کہتے تھے۔ ان کی شادی ہوئی تھی مگر اولاد نہیں ہوئی لاولد ہی فوت ہوئے۔ احمد حسن کے انتقال کے بعد ان کی بیوی امتل نے احمد حسن کے چچازاد بھائی صابر علی سے شادی کر لی تھی۔

پیر جی سید اشتیاق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے ماموں :

ان کا نام سید مہدی حسن تھا۔ جوانی ہی میں ان کو جنات نے مار دیا تھا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ والد صاحب کئی واقعات اپنے ماموؤں کے سناتے تھے ان میں سے کچھ یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

واقعہ نمبر ۱ :

والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میری عمر ۷۔۸ یا ۹۔۱۰ سال کے لگ بھگ ہوگی بارش ہوئی اور اولے پڑے اولے اتنے موٹے موٹے تھے جیسے رس گلے ہوتے ہیں۔ میں کنویں پر تھا۔ کنویں سے واپس آرہا تھا۔ جب اولے پڑے۔ میں جان بچانے کے لئے ایک درخت کے اندر گھس گیا۔ درخت کھوکھلا تھا۔ اور بڑا درخت تھا۔ میرے ماموں بہت پریشان ہوئے کہ بچہ کہاں ہوگا میرے ماموں نے آواز لگانی شروع کی اور یہ کہہ رہے تھے سید، سیدارے بھائی کہیں بچا ہو تو بتا۔ میں نے درخت میں سے آواز دینا شروع کی ماموں سمجھ گئے کہ آواز اس طرف سے آرہی ہے پھر وہ آئے اور

کسی سے اولے دور کیے اور مجھے وہاں سے نکالا پھر گھر لے کر آئے۔

واقعہ نمبر ۲ :

والد صاحب نے فرمایا کہ ہمارے ایک ماموں کو جنوں نے مار دیا تھا۔ ہوا ایسے کہ ہوا بہت زور سے چلی اور پھر آندھی کی شکل اختیار کر گئی بہت خطرناک آوازیں آنے لگیں اور تھوڑی بارش بھی ہوئی۔ جب آندھی ختم ہوئی تو دیکھا کہ ہماری زمین میں کہیں سے آکر ایک جھونپڑی سے گر گئی تھی۔ ہمارے ماموں اس کو اٹھا کر کنویں پر لے آئے کہ آگ وغیرہ جلانے کے کام آجائے گی۔ جب سے وہ جھونپڑی اٹھا کر لائے اسی وقت سے بخار چڑھ گیا اور طبیعت زیادہ خراب ہوگئی بس بار بار زبان سے یہ آواز نکلتی تھی کہ اب اٹھائے گا اب اٹھائے گا۔ دوسرے دن ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

والد صاحب کی تاریخ پیدائش :

والد صاحب نے احقر کو خود ۱۹۰۱ء بتائی ہے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میری تو سن ایک کی پیدائش ہے مگر آپ کی سروس بک میں آپ کی تاریخ پیدائش ۷ جنوری سن انیس سو دو، ۷۔۱۔۱۹۰۲ء لکھی ہے ہم اسی کو راجح قرار دیتے ہیں۔

تعلیم و تربیت :

ہمارے والد صاحب پیر جی سید اشتیاق علی پڑھے لکھے نہیں تھے صرف اپنا نام لکھنا جانتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہمارے والدین تو بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ نانا، نانی نے ہمیں لاڈ میں رکھا اور پڑھایا نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ہماری زمین بہت تھی، ماموں کہتے تھے انہوں نے کون سا نوکری کرنی ہے۔ اس لئے بھی نہیں پڑھایا۔

پس جب ہم ذرا سیانے ہوئے تو اپنی زمین پر اپنے نانا اور ماموں کے ساتھ چلے جاتے تھے اور جانوروں کی دیکھ بھال اور فصلوں کے کام جو ہوتے ہیں وہ کرتے تھے اس زمانہ کا ایک واقعہ والد صاحب نے احقر کو سنایا تھا وہ ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

واقعہ :

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے کنویں پر پینے کے لئے پانی جمع ہوتا تھا۔ جانور، درندے وغیرہ سب پانی پینے کے لئے رات کو آتے تھے۔ کیونکہ قریب قریب پانی نہیں تھا۔ اور ہمارے بڑے ماموں، جان بوجھ کر پانی جمع رکھتے تھے کہ ثواب ہوگا۔

ایک دفعہ رات کو کتا بھونکا اور بہت زیادہ بھونکا اور جہاں ہم کمرے میں سو رہے تھے اس طرف آئے جاتا۔ ہمارے ماموں اٹھے اور ہمیں بھی اٹھایا اور کہا کہ باہر خطرہ ہے، ہوشیار رہنا اور فوراً چھت میں سے پھوس نکالا اور دیا سلائی لگائی، آگ جلادی۔ ہم نے دیکھا کہ باہر شیر کھڑا ہے جب ماموں نے آگ جلائی تو فوراً جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ ماموں نے کہا کہ میں نے کہا تھا نہ کہ باہر خطرہ ہے۔ ماموں نے کتے کے بھونکنے سے اندازہ لگالیا تھا۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ وقت اسی طرح گزرتا رہا اور ہم جوان ہوگئے۔

ملازمت :

راجوں کے ساتھ مزدوری کرنا :

(۱)..... والد صاحب نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا جب میں ۱۵۔۱۶ سال کے لگ بھگ تھا تو ایک راج نے مجھے کہا کہ چھوٹے سید کیا تو فارغ پھرتا ہے، چل میرے ساتھ مزدوری پر تجھے راجوں کا کام سکھاتا ہوں۔ وہ مجھے نانا کو بغیر بتائے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس زمانہ میں مزدوری ۶ آنے تھی۔ اس نے شام کو ۵ بجے ۶ آنے دے دیئے۔ میں کچھ عرصہ تو جاتا رہا، ماموں سے چوری چوری پھر کپڑے وغیرہ دیکھ کر نانی اور ماموں کو علم ہوگیا اور کسی نے بتا بھی دیا اور جو پیسے جمع کر رکھے تھے وہ نانی کو دے دیئے۔ نانی کچھ دیر تو خاموش رہی پھر رونے لگ گئی اور کہنے لگی کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کام کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۲)..... والد صاحب نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم نے

مزدوری کی ہمارے ساتھ بھریادائی بھی مزدوری کرتی تھی اور بڑی ہمت والی تھی، مزدوں کے شانہ بشانہ کام کرتی تھی۔

(۳)..... والد صاحب نے جس مستری کے ساتھ کام کیا اس کا بیان .....

وہ مستری نعمانیہ روڈ محلہ مصطفےٰ آباد منجی گراؤنڈ گوجرانوالہ میں مسجد نعمان کے پیچھے رہتے تھے، اپنی بیٹی کے پاس۔ ان کا نام میرے خیال میں یوسف تھا، صوفی صوفی کہتے تھے۔ وہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے اکثر ملنے کے لئے مدرسہ نصرۃ العلوم آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ حضرت یہ ہمارے ہم وطنی ہیں۔ ان کے والد بہت نیک آدمی تھے اور یہ کھرے سید ہیں۔ ہم ان کے والد صاحب کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمارے ساتھ مزدوری کرتے تھے، پیڑ بہت اچھی باندھتے تھے، مجال ہے کہ ہل جائے۔

(۴)..... والد صاحب سے ایک دفعہ احقر نے سوال کیا کہ اباجی آپ تحصیل میں ملازم کیسے ہوئے، ارشاد فرمایا کہ ....

ایک دفعہ ہم نواب لیاقت علی خان کے گھر مزدوری کررہے تھے، ویسے بھی وہ ہمارے محلّہ دار تھے اور جانتے تھے کہ یہ سید ہیں اور نواب کاظم علی خان بھی میرا اور میرے بڑے بھائی کا دوست تھا۔ بھائی کے ساتھ گھڑ سواری اور شکار کے لئے جاتا تھا۔ نواب صاحب نے جب میرا کام دیکھا کہ بڑی دل جمعی اور دیانت داری کے ساتھ کام کرتا ہے اور سب سے پہلے آتا ہے اس کو میرا کام کرنا بہت اچھا لگا۔ ایک دن کہا کہ سید یہ کام چھوڑ میں تجھے تحصیل میں لگوا دیتا ہوں۔ اس طرح میں نے مزدوری چھوڑ دی اور تحصیل میں ملازم ہوگیا۔

گورنمنٹ کی نوکری :

تحصیل میں کچھ عرصہ نوکری کرنے کے بعد والد صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ آف کرنال میں چپڑاسی کے عہدے پر ملازم ہوگئے پھر پاکستان بننے تک بورڈ میں ملازم

رہے۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستان آ گئے اور سن ۱۹۶۲ء تک یہاں آ کر بھی نوکری کرتے رہے۔ سن ۱۹۶۲ء میں ریٹائیرڈ ہونے کے بعد بھی چھ سات سال دفتر جاتے رہے۔

والد صاحب کا روحانی سلسلہ :

ہمارا خاندان سادات رضویہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہندوستان میں ہمارے خاندان میں ایک صوفی بزرگ سید شاہ بن سید ابدال المشہور صَحَابَنْ ابدال نام کے گزرے ہیں۔ پیری مریدی شروع سے چلی آ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ ہم کو پیرزادے بھی کہتے ہیں بلکہ کرنال میں ہمارے محلّہ کا نام ہی محلّہ پیرزادگان تھا۔ اس لئے ہمارے بہت سے رشتے دار رضوی کہلاتے ہیں، بعض ابدالی کہلاتے ہیں۔ بعض مشہدی کہلاتے ہیں، اور بعض صرف پیرزادے یا پیر جی کہلاتے ہیں۔ اس لئے ہم صرف پیر جی یا پیرزادے ہی نہیں بلکہ ہم حسینی رضوی سید ہیں۔ ہمارے بزرگ مشہد سے آئے اس لئے مشہدی صَحَابَنْ ابدال کی وجہ سے ابدالی اور پیری مریدی کرنے کی وجہ سے پیر جی ہیں۔ ہمارے دادا پیر جی سید ممتاز علی رضوی پیری مریدی کرتے تھے۔ مگر ہمارے والد کی پیدائش سے ایک ماہ پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے۔ ہمارے دادا چشتی قلندری سلسلہ کے تھے۔

والد صاحب نے پیری مریدی کے متعلق ارشاد فرمایا :

جب ہم کچھ سیانے ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ بیل گاڑی میں اناج وغیرہ آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اپنی نانی سے کہا، اری نانی ہماری فصل تو ابھی کٹی نہیں یہ کہاں سے اناج آیا ہے؟ کہنے لگی کہ آپ کے والد اور دادا کے مرید بھیجتے ہیں۔ جب ہم خوب اچھی طرح جوان ہوئے تو مرید بڑے بھائی کے پاس آنے جانے لگے تو ہمارے بڑے بھائی جو بڑے سید کے نام سے مشہور تھے۔ مریدوں سے کہا کہ بھائی ہمارے باپ دادا تو واقعتاً قابل تھے ہم تو پڑھے لکھے نہیں ہیں نہ یہ کام جانتے ہیں اس لئے ہم یہ بوجھ نہیں

اٹھا سکتے۔ آپ اپنا تعلق کسی اور سے قائم کر لیں۔ ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ پھر اس کے بعد نہ کوئی مرید آتا تھا اور نہ ہی کوئی نذرانہ وغیرہ۔

بیعت اور سلسلہ طریقت :

والد صاحب مولانا مولوی خواجہ نور محمد صاحب نیاولی ضلع کرنال سے بیعت تھے۔ اس کا ذکر انہوں نے احقر سے کئی بار کیا، فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مرشد اور پیر تو چلتی قبر والے ہیں۔ اس طرح آپ کا سلسلہ (چشتیہ، نظامیہ، فخریہ، نوریہ، قادریہ، قلندریہ) تھا۔

آپ کا شجرۂ طریقت مندرجہ ذیل ہے..........

(۱) پیر جی سید اشتیاق علی کرنالوی۔
(۲) مولانا نور محمد نیاولی ضلع کرنال۔
(۳) خواجہ احمد حسن سوختہ جاں کرنال۔
(۴) شاہ محب اللہ۔
(۵) خواجہ مرزا بخش اللہ بیگ۔
(۶) حاجی لعل محمد چشتی۔
(۷) خواجہ شمس الدین لونوی۔
(۸) خواجہ فخر الدین دہلوی۔
(۹) نظام الدین اونگ آبادی۔
(۱۰) شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی۔
(۱۱) شیخ یحیٰ مدنی۔
(۱۲) خواجہ محمد گجراتی۔
(۱۳) خواجہ حسن محمد۔
(۱۴) جمال الدین چشتی۔
(۱۵) شیخ محمود راجن۔
(۱۶) شیخ علم الدین۔
(۱۷) شیخ سراج الدین۔
(۱۸) شیخ کمال الدین علامہ۔
(۱۹) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی۔
(۲۰) خواجہ سید نظام الدین اولیاء دہلوی۔
(۲۱) بابا فرید الدین گنج شکر۔
(۲۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
(۲۳) خواجہ سید معین الدین چشتی۔
(۲۴) خواجہ عثمان ہارونی۔
(۲۵) خواجہ حاجی شریف زندنی۔
(۲۶) خواجہ قطب الدین مودود چشتی۔
(۲۷) خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی۔
(۲۸) خواجہ ابو محمد ابدال چشتی۔

(۲۹) خواجہ ابو احمد ابدال چشتی۔ (۳۰) خواجہ ابو اسحاق شامی۔
(۳۱) خواجہ ممشاد علو دینوری۔ (۳۲) خواجہ امین الدین بصری۔
(۳۳) ابو حذیفہ المرعشی۔ (۳۴) سلطان ابراہیم بن ادھم بلخی۔
(۳۵) خواجہ محمد فضیل بن عیاض۔ (۳۶) خواجہ عبد الواحد بن زید۔
(۳۷) خواجہ حسن بصری۔ (۳۸) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

اوراد و وظائف :

آپ ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہتے تھے اور رات کو لیٹتے وقت کچھ سورتیں اور اذکار بلند آواز سے بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ جملہ فرماتے آج کا دن تو گزر گیا خیریت سے اب اگر اللہ کو منظور ہوا تو صبح کو اٹھ جائیں گے، دیکھو بھائی۔

سجادہ نشینی :

والد صاحب درگاہ ابدال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرنال کے گدی نشین تھے اور درگاہ شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر واقع قلندر دروازہ (موجودہ نام قلندری گیٹ) کرنال شریف کی انتظامیہ کے اہم رکن تھے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد :

والد صاحب نے ریٹائر ہونے کے بعد کہیں نوکری وغیرہ نہیں کی گھر پر ہی رہا کرتے تھے۔

شکار کا شوق :

والد صاحب کو شکار کا بہت شوق تھا۔ مگر وہ صرف پاکستان ہجرت سے پہلے پہلے رہا۔ پاکستان آنے کے بعد چھوڑ دیا تھا۔

جانور پالنے کا شوق :

والد صاحب کو تیتر، بٹیر اور کبوتر پالنے کا بہت شوق تھا۔ کبوتر تو ہمارے سامنے بھی تھے ہم نے اپنے گھر میں دو سو کے قریب کبوتر دیکھے ہیں۔ مگر کبھی شرط وغیرہ نہیں

لگائی۔ اگر آپ کا کسی نے کبوتر پکڑ لیا تو کبھی لینے نہیں گئے۔ جب آپ ریٹائر ہوئے تو اسی دن دو سو کے دو سو کبوتر بیچ دیئے۔ پھر ایک دو جوڑا کبھی کبھی رکھ لیتے تھے۔ والد صاحب اپنی جوانی میں تیتر لڑایا کرتے تھے۔ تیتری کو پنجرے میں اور تیتر کو پیدل پھرایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے والد صاحب کی یہ بھی ایک پہچان بن گئی تھی۔ (پیر جی تیتر والے)۔

اور ہمارے تایا جان سید امتیاز علی جو بڑے سید کے نام سے مشہور تھے ان کو گھوڑی پالنے کا بہت شوق تھا۔ بہت قیمتی گھوڑیاں خریدتے تھے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کے لئے مستقل ملازم رکھے ہوئے تھے۔ سال کے بعد دوڑ کے مقابلے ہوتے تھے، آپ ان میں حصہ لیا کرتے تھے۔

تایا جان کا گھڑ سواری کے متعلق ایک واقعہ :

والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ تمہارے تایا گھڑ سواری کا مقابلہ ہار گئے، دوسرا آدمی جیت گیا۔ تمہارے تایا کو وہ گھوڑی پسند آ گئی۔ بس پھر کیا تھا ضد باندھ لی، ماموں سے کہا کہ مجھے یہ ہی گھوڑی خرید کر دیں جو مجھ سے جیتی ہے۔ ماموں نے بہت سمجھایا کہ وہ آدمی نہیں دے گا۔ مگر ہمارے بھائی کی ایک ہی بات تھی کہ میں نے وہ ہی لینی ہے۔ ماموں نے اس شخص کو بڑی مشکل سے راضی کیا اور جتنی رقم اس نے مانگی وہ اس کو دی مگر بھائی کو گھوڑی خرید کر دی۔ اور ساتھ اس کا رکھوالی بھی تھا۔ وہ بھی نوکر کے طور پر رکھنا پڑا پھر سال تک اس گھوڑی کو تیار کیا پھر مقابلہ کیا اور جیت گئے۔ گھوڑی کو اس شخص نے سکھایا ہوا تھا۔ وہ گر اس نے تمہارے تایا کو بھی بتایا۔

وہ یہ تھا کہ اگر گھوڑی پیچھے رہے اور جگہ قریب آنے کو ہو تو گھوڑی کو ایڑی لگا کر کہنا ہے کہ پولیس والا آ گیا ہے اب تو بچالے تو سب سے آگے نکل جائے گی۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ ایسا ہی ہوا ہم اور ہمارے خاندان کے لوگ بھی سب موجود تھے جب بھائی جان نے یہ لفظ کہا تو گھوڑی سب سے پہلے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں تک جانا

تھا اور مقابلہ ہمارے بھائی نے جیت لیا۔

اولاد :

ہم دو بھائی ہیں۔ میرے بڑے بھائی سید محرم علی عرف سید اشفاق علی ہیں جن کی پیدائش ۱۹۵۸ء کی ہے، ان کے دو بیٹے سید مکرم علی، سید معظم علی اور سات بیٹیاں ہیں۔ وہ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔

سید مشتاق علی، احقر کی پیدائش ۷۔۱۱۔۱۹۶۱ء کی ہے۔ احقر کے دو بیٹے حافظ سید عبدالمتین اور سید عبدالمبین اور چار بیٹیاں ہیں۔

وفات .

والد صاحب نے ۹۰ سال عمر پائی اور بہترین زندگی گزاری۔ آپ کا انتقال بروز منگل ۲۶ شوال ۱۴۱۰ھ بمطابق ۵۔۲۲۔۱۹۹۰ء میں ہوا اور گوجرانوالہ کے بڑے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

شاہ عثمان

- سید عبدالحمید
  - سید ہاشم
    - سید میر
      - بی بی دولت
        - بی بی حلیمہ
          - بی بی کریا
            - بی بی حیات
              - بی بی حتو
                - امانت علی موجود
                - مسماۃ لکھیما زوجہ جعفر علی
      - بی بی سلطان
        - احسان علی
          - باسط علی
            - خادم علی موجود
            - حسین علی موجود
        - حنیفہ
          - خادم علی
          - حسین علی
          - وارثان
        - حسین علی
          - امنوشاہ زوجہ رحم بی بی موجود
    - شرف عنایت
      - محمد عظیم
        - قطب علی
          - بی بی حتو
            - امانت علی موجود
            - مسماۃ لکھیما زوجہ جعفر علی
        - ناصر علی
          - امام علی
            - لعیمت دختر
              - کبیر علی
              - امیر علی
      - نظام الدین
        - شہاب الدین
          - حیات علی
            - طیب حسین
              - نیاز حسین
            - امانت علی
              - حشمت علی
      - محکم الدین
        - سراج الدین
          - شرف علی
            - اولاد علی
              - عالم علی
                - رستم علی موجود
              - قاسم علی موجود
            - کرامت علی موجود
            - امداد علی
              - کبیر علی موجود
              - امیر علی موجود
        - سعید الدین
          - فضیلت
            - اولاد علی
              - عالم علی
                - رستم علی
              - قاسم علی موجود
            - کرامت علی موجود
            - امداد علی
              - کبیر علی موجود
              - امیر علی موجود

شاہ علی اکبر

- صدر الدین
  - محمد صادق
    - فتح محمد
      - منگوشاہ
        - رنگاشاہ
          - کہیاشاہ
            - غلام رسول
              - بیگم دختر
                - لعیمت دختر
                  - کبیر علی موجود
                  - امیر علی موجود
    - فاطمہ
      - سراج الدین
        - شرف علی
          - اولاد علی
            - عالم علی
              - رستم علی
            - قاسم علی
          - کرامت علی موجود
          - امداد علی
            - کبیر علی موجود
            - امیر علی موجود
    - عابدا
      - قطب علی
        - بی بی حتو
          - امانت علی
            - حشمت علی
          - مسماۃ لکھیما زوجہ جعفر علی
      - ناصر علی
        - امام علی
          - لعیمت دختر
            - کبیر علی موجود
            - امیر علی موجود

شاہ داؤد

سید کبیر علی — سید شاہ علی

سید خان محمد — سید نور محمد — سید سوندھا شاہ — شاہ جمال

سید اعظم — سید معظم — سید واجد — خانم لاولد — سید کمال

خدا بخش — چراغ علی — سید حسن علی — سید غلام علی

رحم بی بی — سید ابدال شاہ لاولد — بشارت علی — بہادر علی — سید نور علی — بی منگو

باسط علی — نیاز حسین موجود — بی بی جیونی — بی بی مریم

حسین علی موجود

خادم علی — حسین علی — سید امانت علی — مسماۃ نصیبا زوجہ جعفر علی

نور بی بی — لیہا

سید علی لاولد — امام علی — نجف علی

ہاشم ضامن وارثان — ہاشم علی موجود — ضامن علی موجود

بی بی کریما

وزیر علی زوجہ مسماۃ حسین بی — فضل حسین زوجہ مسماۃ جیونی — ہاشم علی موجود — ضامن علی موجود

بی بی حیات

بی بی حتو

سید امانت علی — مسماۃ نصیبا زوجہ جعفر علی

شاہ معین الدین

محمد شریف — محمد لطیف

عبدالباقی — محمد ابراہیم — محمد عارف — محمد عاقل — محمد فاضل

سید احمد

غلام رسول — غلام شاہ — بی حفیظ — بی حنیفہ — اللہ دی

بی مینا — سید جیون — حمزہ علی

نور بی بی — مدد علی — حیدر علی — نثار علی

وزیر علی — خادم علی — چراغ علی — ابدال شاہ — اولاد علی — محمد حسن — مسماۃ محفوظا

مراد علی — بشارت علی — قاسم علی — غلام حسن

سید نور علی — محمد علی — نجابت علی — احمد علی

میر علی — امام صاحب — منصب علی — عالم علی — مختار علی

مسماۃ نور بی بی — منیر علی — جعفر حسن — مسماۃ زوجہ کبیر علی — تھوشاہ

وزیر علی — خادم علی

وزیر علی — خادم علی — سلطان علی — مظہر علی — غلام حسین عرف کلو

بی زینن — کرامت علی — رحم علی

فیض علی — مسماۃ رحیما زوجہ حفیظ علی — حمیدۃ النساء — حسین علی

مان بی — بی کہو — بی وزیرن — نور النساء — بی بی لطیفا — محیا

منصب علی — مبارک نسا — خدیجہ

منیر علی — جعفر حسن — مسماۃ زوجہ کبیر علی — ھموشاہ — محمد حسین عرف مینا

- شاہ معین الدین
  - محمد شریف
  - محمد لطیف
    - محمد ابراہیم
    - محمد عارف
      - سید زین العابدین
        - زوجہ اول سلطان
          - حسن علی
            - خادم علی
            - حسین علی
            - وارثان
          - حسین علی
            - نتھو شاہ زوجہ رحم بی بی
          - احسان علی
            - باسط علی
              - خادم علی
              - حسین علی
        - زوجہ ثانی ایزدان
          - میاں عباد اللہ
            - اولیاء زوجہ اول
              - نور بی بی دختر
                - نجابت علی
                  - وزیر علی
                  - خادم علی
                - محمد علی
                  - منصب علی
            - خیر و زوجہ ثانی
              - غلام شرف
                - عمدۃ النساء
                  - احمد علی
    - محمد عاقل
    - محمد فاضل

- شاہ معین الدین
  - محمد شریف
  - محمد لطیف
    - محمد ابراہیم
    - محمد عارف
    - محمد عاقل
      - سید بلاقی
        - سید جمال علی
          - بہادر علی
            - مسیتا
              - محمد حسن زوجہ مساۃ محیا
          - حافظ علی
            - محمد علی
              - زوجہ مساۃ امیرا
              - زوجہ مساۃ نور حیات
            - جعفر علی
            - صابر علی
          - رحم علی
            - فیض علی
            - مساۃ رحیما زوجہ حفیظ علی
    - محمد فاضل

شاہ معین الدین
محمد لطیف
محمد شریف
محمد فاضل
محمد عاقل
محمد عارف
محمد ابراہیم
علاؤالدین
معظم الدین
خان بی بی دختر
اولیا دختر
الٰہی بخش
نور بی بی
غلام علی
کرم علی
محمد حسن
زوجہ مسماۃ نجیبا
محمد علی
نجابت علی
منصب علی
غادم علی
وزیر علی
لطیفا
مسماۃ صبیا
امیرن
حیفا
نجیبا ثانی
مسماۃ نجیبا
شبیرا
فاطمہ
مراتب
نور بی بی
لبھا
ضامن علی
ہاشم علی

پیر جی کُتب خانہ کی مطبوعات

1 -	حقائق الفقہ بجواب حقیقت الفقہ!	400
2 -	آفتاب محمدی، بجواب شمع محمدی!	300
3 -	امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جوابات!	350
4 -	فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات!	350
5 -	فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کے جوابات!	100
6 -	بہشتی زیور پر اعتراضات کے جوابات!	30
7 -	ہم اہل سُنت والجماعت کیوں ہیں؟	60
8 -	دلائل احناف (پچاس مسائل کے حدیثی دلائل)!	45
9 -	تکبیرات العیدین مع قربانی کے تین دن!	30
10-	جرابوں پر مسح!	30
11-	مسائل اربعہ!	30
12-	بیس رکعات تراویح کا ثبوت!	30
13-	فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت!	30
14-	ننگے سر نماز!	30
15-	رسائل پیر جی!	400
16-	علمائے اہل سُنت کی تصنیفی خدمات!	140
17-	فیضان مصطفیٰ ﷺ (درود شریف کا مجموعہ)!	200
18-	مجموعہ وظائف!	200
19-	منزل!	15
20-	خاص خاص سورتیں اور ان کے فضائل!	15
21-	تذکرہ اولیاء سادات مع فضائل سادات!	750
22-	آفتاب محمدی، بجواب شمع محمدی (حصہ دوم)	زیر طبع

ملنے کا پتہ

پیر جی کُتب خانہ محلہ گوبندھ گڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر 36/C کالج روڈ گوجرانوالہ

فون نمبر: 055-4445401 موبائل: 0333-8182910